پیام تعلیم
سالنامہ

پیام تعلیم

جلد ۲۵

نمبر ۲،۱

فہرست مضامین

محمد حسین حسان

جنوری و فروری

سالنامے (۹) کی خوشی

ایک حسابی کھیل

انور میاں کو ان کے ساتھی نوری
بھی کہتے ہیں۔ یہ تیسری جماعت میں پڑھتے
ہیں۔ پہلے پہل اماں اور نانی اماں اور
ابا میاں سے الگ ہو کر تاسی مدرسے میں
گئے تو ذرا بھی گھبراتا تھا۔ لیکن اب خوب
ہل مل گئے ہیں۔ چنانچہ آج جو میں ان کی
جماعت میں گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ نوری
نہایت خوش خوش کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں پتلے
پتلے گتے کے تاش سے ہیں اور ان پر بہت
سے عدد لکھے ہوئے ہیں۔ ایک ساتھی کہتا
ہے "نوری، بس مجھے بتا دو۔ سچ کہتا ہوں
اور کسی کو نہیں بتاؤں گا"۔ ایک کہتا ہے
"میں ہر گیا ہوں آپ کی ترکیب۔ میں
بھر گیا ہوں۔ مگر بتا دو نوری بتا دو"۔
ایک اور کہتا ہے "میں ماسٹر صاحب سے
پوچھوں گا۔ مگر تم ہی نہ بتا دو۔ یہ عدد تم
کیسے معلوم کرتے ہو؟" غرض نوری
میاں کو کوئی ایسی بات معلوم تھی
جو اور کسی کو معلوم نہ تھی۔ اور
سب اسے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ میں
نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ نوری میاں
کے ۶ تاشوں پر بہت سے عدد بے
ترتیب لکھے ہیں۔ کوئی عدد پچاس
سے زیادہ نہیں ہے۔ نوری میاں کہتے
ہیں کہ کسی پتے پر سے کوئی عدد دل
میں لے لو۔ پھر جن جن پتوں پر وہ

عدد ہو وہ مجھے دے دو۔ ادھر وہ پتے
ان کے ہاتھ میں آئے، ادھر انھوں نے
عدد بتا دیا۔ واقعی بات ہی اچنبھے کی ہے
میں نے پوچھا "نوری میاں، یہ چیز تم نے
خوب نکالی، کہاں سے لائے ہو؟" تو بولے کہ
کل شام کو چچا میاں کے پاس گیا تھا۔ ان
سے کہا چچا میاں کچھ پیسے، وہ تو اپنے بچوں
کے خرچے سے بس لیں۔ چچا میاں کے
پاس پیسے تھے نہیں۔ وہ بولے "اس وقت
پیسے تو جی نہیں، تم کہو تو ایک اچھا سا کھیل
تمھیں بتائیں۔" ہم نے کہا بتایئے تو انھوں
نے ۶ پتوں پر یہ عدد لکھ کر ہمیں دے دئے
اور ہمیں ایک سہل سی ترکیب بتا دی کہ اگر کوئی
ان میں سے کوئی عدد دل میں لے لے اور پھر
جن جن پتوں پر وہ عدد لکھا ہو وہ ہمیں دے
دے تو ہم جھٹ بتا سکتے ہیں کہ وہ عدد کیا ہے۔"
میں نے کہا بھائی، وہ پتے ذرا ہم بھی دیکھیں"
نوری نے پتے دکھائے۔ پتوں پر ہندسے
اس ترتیب سے لکھے ہوئے تھے،
میں نے کہا اچھا میں ایک عدد لیتا ہوں۔ میں
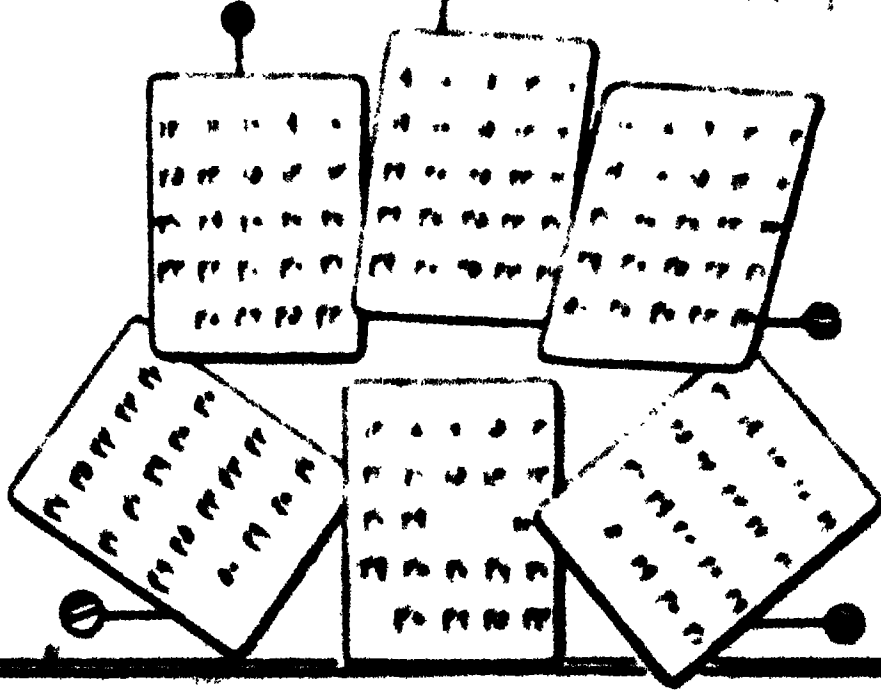
سے دل میں ۹ کا عدد سوچا اور نوری کو وہ پتے دے جن پر ⊗ نشان بنا ہے۔ اس نے کارڈ دو چھوڑ ہی میں ۹ کا ہندسہ ہے۔ نوری نے جھٹ بتا دیا کہ ۹ لیا ہے۔ سب بڑا تعجب ہوا۔ میں نے کہا "ایک بار اور۔" اب کے میں نے پچاس کا عدد لیا اور نوری کو پتے دیے جن میں یہ عدد ہے (جن پتوں پر ⊖ نشان بنا ہے) نوری نے فوراً بتا دیا ۵۰۔ اب تو جی ہی دوسرے بچوں کی طرح نوری سے پوچھنے لگا کہ یہ کیسے معلوم کیا۔ نوری نے کہا "اچھا لیجئے۔ سب کو بتاتا ہوں۔ بہت سہل ہے۔ بس جو پتے دیے جائیں اُن کے پہلے عدد کو جوڑ لو۔ وہی عدد ہوگا۔ پہلے آپ نے دو پتے دیے۔ ایک کا پہلا عدد۔ تھا ایک کا ۱، ۸ + ۱ = ۹ میں نے بتا دیا۔ پھر آپ نے جو پتے دیے اُن کے پہلے عدد تھے ۲، ۱۶، ۳۲، ۲ + ۱۶ + ۳۲ = ۵۰۔ یہی عدد آپ نے لیا تھا۔ سب بچے بہت خوش ہوئے۔ سنا ہے کہ کئی بچوں نے اپنے کارڈ بنائے ہیں اور دوسروں کو تماشا دکھا کر اپنے ساتھیوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں۔ تمہارا جی چاہے تم بھی ایسے کارڈ بنا لو۔ بس ذرا عددوں کو جلد جلد زبانی جوڑنے کی مشق کرنی ہوگی۔

ہم تو چلے سفر کو

فضل الدین ایم۔ اے، آثر

روالڈ ایمنڈسن ناروے کا باشندہ تھا
۱۸۷۲ء میں یہ اوسلو کے قریب مشہور شہر میں
پیدا ہوا اور یہیں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ ایمنڈسن
نے تعلیم ڈاکٹری کی حاصل کی تھی۔ لیکن بعد میں ڈاکٹری
چھوڑ کر اس نے فوجی اختیار کر لی۔ ۱۸۹۷ء میں اس نے
بحر منجمد شمالی کا سفر کیا۔ اور اس کے بعد ہی یکے
بعد دیگرے کئی کامیاب سفر کئے۔ ۱۰ برس بعد بھی
ایمنڈسن قطب شمالی کی طرف ایک سفر کی تیاری کر رہا
تھا لیکن عین اپنی روانگی کے وقت ایمنڈسن نے اپنا
خیال بدل دیا۔ قطب شمالی جانے کی بجائے وہ قطب جنوبی
کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایمنڈسن کا اس طرح ارادہ
بدل دینا بہت عجیب سا تھا لیکن بات در اصل یہ معلوم
ہوئی کہ اسی زمانے میں انگلستان اور جاپان کے
لوگ قطب جنوبی کی مہم سر کرنے کا اعلان کر چکے
تھے۔ ایمنڈسن کے دل میں وطن کی محبت نے یہ تمنا
پیدا کر دی کہ قطب جنوبی پر سب سے پہلے ناروے
کا جھنڈا کیوں نہ لہرائے۔ ایمنڈسن اپنے ملک کی بات
کی خاطر ہی اگست کے مہینے میں نہایت خاموشی کے
ساتھ اپنی سدرن جنوبی مہم پر روانہ ہو گیا۔ ایمنڈسن
کے ساتھ ہی ساتھ انگلستان کا مشہور سپوت اسکاٹ
بھی روانہ ہو چکا تھا لیکن یہ بات اسکاٹ کے وہم و گمان
میں بھی نہ تھی کہ اس کے پیچھے ایمنڈسن بھی آ رہا ہے۔
ایمنڈسن کو اپنے بحری سفر کے دوران میں کسی
قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس کا جہاز "فرام" بہت
آرام دہ جہاز تھا اور بحری زندگی کے بہت تھپیڑے
کھائے ہوئے تھا۔ دائرہ قطب جنوبی سے گزرنے کے
بعد فرام شاہ ایڈورڈ ہفتم کے دیس (KING
EDWARD VII LAND) کی طرف چلا۔ لیکن
جاپانی یہاں اپنا کیمپ قائم کرنے کا اعلان کر چکے تھے
ایمنڈسن نے یہاں ٹھہرنے کا خیال چھوڑ کر ایک ایسی
جگہ تلاش کرنی چاہی جہاں سے قطب جنوبی سب سے
زیادہ قریب ہو اور انگریز اور جاپانی وہاں

[illegible] پہاڑوں کا آتش فشاں پہاڑ بن جاتا ہے۔ یہ پہاڑ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پھر لاوا اگلتا رہتا ہے۔ جب لاوا باہر نکلتا ہے تو پہاڑ کے دامن کی طرف [illegible] پا کر بہتا ہے اور اس طرح ان تمام شہروں اور گاؤں کو جھلسا دیتا ہے جو اس پہاڑ کے دامن میں آباد ہوتے ہیں۔

آتش فشاں پہاڑ کا دہانہ زمین کے اندر کنوئیں کی طرح سیدھا جاتا ہے۔ جب یہ پہاڑ ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو اس کا دہانہ بھی اپنے ہی لاوے سے بند ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ایسا ہی ہے جیسے کیتلی پر ڈھکن رکھ دیا جائے۔ زمین کے اندر پھر کھولن شروع ہو جاتی ہے اور لاوا اور اسے زور سے دہانے کے ڈھکن کو کاگ کی طرح اڑا دیتا ہے۔ اس لئے جب ایک مرتبہ آتش فشاں بن جائے تو پھر وہاں ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔

اٹلی میں ویسوویس دنیا کا بہت مشہور آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اب یہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ لیکن

۰۰ ۲ ۰ ۱ سال کے عرصے میں دنیا کے بعض حصوں میں آتش فشاں پہاڑوں نے کافی غضب ڈھایا ہے جزائر شرق الہند (EAST INDIES) اور اونٹ پلی کے لاوے سے ایک پورے شہر اور تین ہزار جانوں کا نقصان ہوا۔ اسی طرح اٹلی میں اٹنا نے مسینا کے شہر کو جلا کر خاک کر دیا۔ بحر الکاہل کے ایک جزیرے

۱۹۲۳ء میں جاپان میں آتش فشاں پھٹا جس نے ٹوکیو اور یوکوہاما کے شہروں کو زبردست نقصان پہنچا۔

اگر تم دنیا کا نقشہ سامنے رکھو تو نقطوں کے ذریعے یہ بڑی آسانی سے بتایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کن حصوں میں آتش فشاں پہاڑوں کا سلسلہ ہے

دنیا میں آتش فشاں پہاڑوں کے رقبے

میں (KRAKATOU) کراکٹوا نامی آتش فشاں پہاڑ نے اس قدر آگ برسائی کہ اس جزیرے اور پاس کے کئی جزیروں کو سمندر کی تہہ میں بٹھا دیا۔ جس وقت یہ پہاڑ لاوا اگل رہا تھا تو اس کے دھوئیں کے بادل افریقہ اور امریکہ کے براعظموں تک پہنچتے تھے۔ تاریخ میں اتنی غضب ناک آتش باری کسی پہاڑ نے نہیں کی اسی طرح

عام طور سے انہی علاقوں میں زلزلے آتے ہیں۔ سب سے پہلے وسطی اور جنوبی امریکہ کو لینا پڑے گا یہاں آتش فشاں پہاڑوں کی ایک لکیر سی پورے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ اس کے بعد بحر الکاہل کے جزیروں میں آؤ۔ یہاں ایک پورا سلسلہ ہوائی کے جزیرے سے سمندر کی تہہ میں ہوتا ہوا جاوا اور

جزائر شرق الہند (EAST INDIES) میں پھٹا ہے۔ ہوائی میں (KILAUEA) دنیا کا بہت بڑا آتش فشاں ہے لیکن یہ عرصے سے ٹھنڈا پڑا ہے۔ صرف کبھی کبھی زندگی کا ثبوت دینے کے لئے دھواں اڑا دیتا ہے۔ اس کا دہانہ جم کر اتنا سخت ہو گیا ہے کہ اس کے اندر گھس کر دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن اندر کی چٹانیں ابھی تک گرم ہیں

نے اینٹ پتھر کے مکانوں میں رہنا ہی چھوڑ دیا ... سب سے مشہور آتش فشاں فوجی (FUJI) ... میں وہ قیامت برپا کی کہ الامان۔ لیکن تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ جاپانیوں کو یہ آتش فشاں بہت ہی عزیز ... اس کا نظارا بہت ہی دلکش ہے۔ جاپانیوں کی ہر تصو... میں اس کو ضرور جگہ دی جاتی ہے۔ جاپان میں بنے

وسووِیس (اٹلی)

اور بعض بعض جگہ سے لاوا ابھی رستا رہتا ہے۔

جاوا اور جزائر شرق الہند (EAST INDIES) میں ۴۳ آتش فشاں ہیں اور یہ لم بخت سب کے سب ابھی "زندہ" ہیں۔ جاپان میں اس کی بساط سے کہیں زیادہ ہیں ان سے اور زلزلوں سے تنگ آکر انھوں

ہوئے برتنوں، پیالیوں وغیرہ سب پر اس کی تصویر ضرور ہوتی ہے۔

کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ آتش فشاں کے پھٹنے کا نظارہ کتنا دلچسپ ہوتا ہوگا؟ پہلے دھ... کے بادل دہانے سے اٹھتے ہیں جو میلوں تک ا...

...ات میں پھینکے جاتے ہیں - ان کا رنگ رات کے
...ت پہاڑ کی دھکتی آگ سے رنگین ہو جاتا
ہے ۔ اس کے علاوہ پہاڑ کے دہانے سے
پوری پوری چٹانیں بم کے گولوں کی طرح باہر نکلتی ہیں
ایک مستقل شور میلوں تک گونجتا رہتا ہے ۔
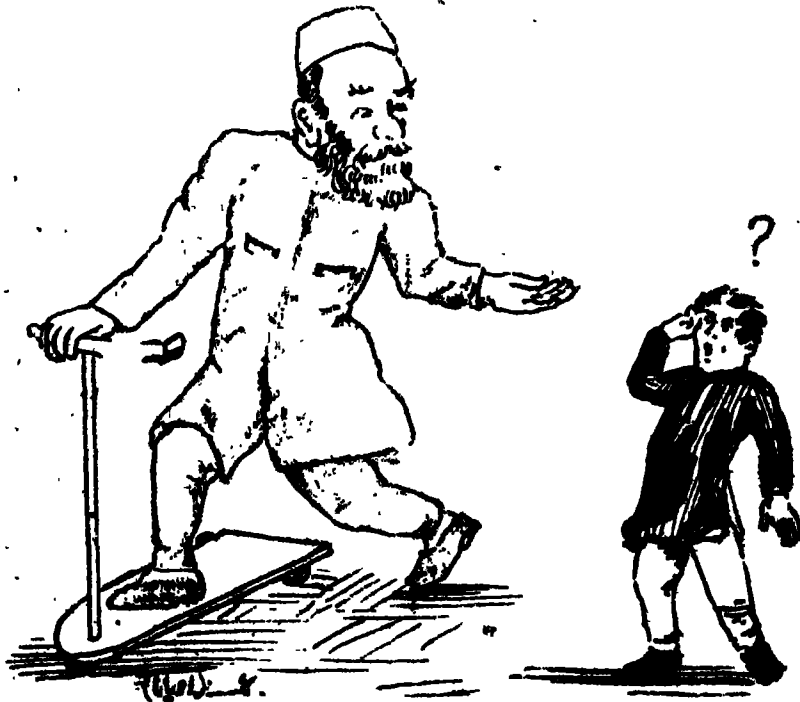
"عجب خود غرض لڑکا ہے ! بھئی تیرے
ہی لئے تو خریدی ہے !"

سعید احمد صدیقی بی، اے، (علیگ)

دوپہر کا وقت ہے۔ جنوبی افریقہ کا مُلک۔ سامنے کچھ پردیسی نظر آ رہے ہیں۔ اِن میں ایک یوروپین چند افریقی سپاہی، باقی اسباب ڈھونے والے۔ ہیں۔ یہ سارے ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہیں اور سورج کی گرم اور جلا دینے والی کرنیں ان پر پڑ رہی ہیں پہاڑ کا ڈھال ہموار ہے اور ہرے بھرے درختوں اور گھنی جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہیں سے ایک لمبی چوڑی جھیل کا پانی تیز دھوپ میں چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اِس کے کنارے پر ایک گاؤں ہے۔ یہ دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور سخت گرمی میں جیسے اُونگھ رہا ہو۔ یکایک گاؤں میں کچھ حرکت ہوئی اور جھنڈ کے جھنڈ آدمی پہاڑ کی طرف بڑھنے لگے، جہاں پردیسی کھڑے ہوئے تھے۔ یوروپین اپنے آدمیوں کو نے کر آگے بڑھتا ہے اور سفر کے آخری حصّے کو جس کے لئے سب کچھ برداشت کیا تھا پورا کرتا ہے۔ چند منٹ میں اُسے معلوم ہو جائے گا کہ پردیس میں اس کا جنگل جنگل پھرنا بیکار ہی رہا یا اُسے شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

جب وہ گاؤں کے قریب پہنچتا ہے تو اُسے لوگوں کا ایک گروہ نظر آتا ہے۔ ان میں ایک آدمی دیکھنے میں یوروپین معلوم ہوتا ہے۔ مگر اُس کی جھکی ہوئی۔ بال سفید۔ اُسے دیکھتے ہی نوجوان یوروپین تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ سلام کے لئے ہیٹ اٹھاتا ہے اور پوچھتا ہے :۔

"میرے خیال میں جناب ہی ڈاکٹر لونگسٹن ہیں۔"

بوڑھا آدمی جواب میں ہیٹ اُتار کر مسکراتا ہے اور کہتا ہے۔

"جی ہاں جناب"

یہ تھی ملاقات نئے زمانے کے سب سے بڑے سیاح ڈاکٹر لونگسٹن اور مسٹر ایچ ایم اسٹینلے کی جو اس کی تلاش میں نکلے تھے۔ تاریخ ۱۸۷۱ء ۱۰ نومبر تھی۔ ڈیوڈ لونگسٹن اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا اور عیسائی مذہب پھیلانے کے لئے افریقہ آیا تھا۔ نہایت شریف اور رحم دل آدمی تھا اور افریقہ کے

(متعلق مضمون لونگسٹن)

آبشار وکٹوریہ (جنوبی افریقہ)

جامعہ نگر اوکھلا کے ایک دارالاقامہ کے بچے

قطب کی لاٹ کے پاس

بال تال اور سوناموگ کے بیچ کی خوبصورت وادی

(کشمیر)

مختلف ملکوں کے رہنے سہنے کا طریقہ

...ـستان کا بہت ہمدرد تھا۔ اس نے غلاموں
ی تجارت روکنے کی کوشش کی اور افریقہ والوں
و سمجھایا کہ بجائے اپنے بڑے کام کرنے کے وہ کھیتی
وُر کپاس کی تجارت کرکے امیر ہو سکتے ہیں۔ اُس نے
ان لوگوں کی زبان سیکھی اور ان کے رواج سیکھے۔ مبلّغ
ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔ اور شکار کا
ی اُسے شوق تھا۔ ایک دفعہ تو شکار میں ایک شیر
ہ اُس کے ہاتھ کا سارا گوشت اُتار لیا تھا۔ قصہ
ہوا کہ افریقیوں نے شکایت کی کہ ایک شیر لاگو ہو گیا
ہے اور مویشیوں کے گلّے سے کئی گائیں چٹ کر چکا
ہے۔ لونگسٹن ان بے چاروں کی مدد کے لئے تیار
ہو گیا موقعے پر جا کر دیکھا تو کوئی تیس فٹ کے فاصلے
ایک بڑا زبردست شیر ایک چٹان پر بیٹھا ہوا تھا۔
لونگسٹن نے اس پر بندوق کی دونوں گولیاں چلا دیں
شیر بُری طرح زخمی ہوا مگر اُچھل کر سیدھا لونگسٹن
پر آیا اور کندھے سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ خود لونگسٹن کی زبان
سے سُنو "شیر نے ہولناک طور پر غراتے ہوئے مجھے
اس طرح پکڑ کر جھنجھوڑا جیسے کتا چوہے کو جھنجھوڑتا ہے
اس خوفناک جھٹکے سے میرے ہوش و حواس جاتے رہے جب
چوہے کو پہلی مرتبہ دبوچتی ہے تو شاید اس کا یہی
حال ہوتا ہو۔ اس کے بعد جونہی شیر کا پنجہ میری پیٹھ
پر پڑا۔ میں نے دبائے چھٹکارا پانے کے لئے فوراً
کروٹ لی۔ ٹھیک اس وقت ایک افریقی ساتھی نے
اس پر فیر کر دیا۔ بس تو اُس شیر مجھے چھوڑ کر
نئے حملہ آور پر جھپٹ پڑا اور اس کی ران چبا ڈالی
ایک تیسرے افریقی ساتھی نے برچھے سے اُس پر
نشانہ لگایا۔ شیر نے نئے دشمن کو بھی جا دبوچا۔ مگر
اُسی وقت گر کر مر گیا۔"

لونگسٹن اس زمانے میں مقام کولونبگ میں
بیوی بچوں سمیت رہتا تھا۔ کبھی کبھی کھانے پینے کا سامان
ختم ہو جاتا تو دوسری چیزوں سے پیٹ بھرتے تھے
لونگسٹن کو ٹڈی کھانے کا بڑا شوق تھا۔ وہ کہتا تھا
کہ بُھنی ہوئی ٹڈی جھینگے سے کہیں زیادہ مزے دار
ہوتی ہے۔

اسی زمانے میں کچھ پچھم سے آنے والے لوگوں
نے بیان کیا کہ ریگستان کے بیچوں بیچ ایک بڑی جھیل
ہے اور اُس کے اس پار سرسبز و شاداب ملک ہے۔
ندیاں تو اتنی ہیں کہ شمار میں نہیں آتیں۔ لونگسٹن کو
ان جگہوں میں گھومنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور وہ
کچھ ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ کالاہاری ہے
تو ریگستان مگر گھاس اور جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا
ہے۔ اُن میں طرح طرح کے جانور بھی رہتے ہیں مثلاً
ہاتھی، شیر، تیندوا، گینڈا، چیونٹی خور اور گیدڑ
وغیرہ۔ تربوزوں کی افراط ہے۔ آدمی اور جانور سب
اپنی پیاس تربوزوں سے بجھاتے ہیں۔ چلتے چلتے کئی

دو مہینے بعد جھیل نگامی نظر آئی۔ دوسرے سال پھر
وہ سفر کو روانہ ہوا اور آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔
مگر راستے میں بچے بیمار ہوگئے اس لئے لوٹنا پڑا۔
مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور تیسری دفعہ پھر
روانہ ہوا بڑی مشکلیں اُٹھاکے پوری جماعت دریائے
چوبے پر پہنچی اس کے بعد دریائے زیمبزی کا وہ حصّہ
دریافت کیا جہاں ابھی تک کوئی نہ پہنچا تھا۔ اس دفعہ
پھر بچوں کی صحت خراب ہوگئی۔ لونگسٹن سب کو لے کر
واپس ہوا اور کیپ ٹاؤن پہنچ کر بیوی اور بچوں
کو انگلینڈ کے جہاز پر سوار کراکر دوبارہ واپس ہوا
مقام لن یانٹی پہنچ کر لونگسٹن نے پچھم کی طرف سفر کرنے
کا ارادہ کیا۔ پچیس افریقی ساتھی اور تیار ہوگئے
یہ لوگ تین مہینے تک کبھی جنگلوں میں اور کبھی میدانوں
میں سفر کرتے رہے۔ راستے میں پرتگالی نظر آئے
جو ہاتھی دانت اور غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔
ایک افریقی سردار نے لونگسٹن کی بڑی آؤ بھگت کی۔
اور جب لونگسٹن اس کے بڑے سے چھپر میں داخل ہوا
تو دس برس کی ایک لڑکی بھی نظر آئی۔ سردار صاحب نے اسے
بطور تحفہ کے دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے قبول کیجئے
ہم اپنے ہر ملاقاتی کو یہ تحفہ بانٹتے ہیں۔ اب پادری
صاحب لاکھ کہتے ہیں کہ ہم یہ تحفہ نہیں چاہتے۔ مگر ان
حضرت کو یقین ہی نہیں آتا۔

چلتے چلتے آخرکار فروری ۱۸۵۴ء میں لونگسٹن
کو سمندر نظر آیا اور پوری جماعت پرتگالی شہر لوانڈا
میں نکلی۔ سمندر دیکھ کر افریقی ساتھیوں کو بڑا اچنبھا ہوا
اور جہاز دیکھ کر تو اور چکرائے کہنے لگے یہ تو پورا شہر
ہے۔ بالآخر سب کے سب واپس ہوئے اور کہیں ستمبر
تک لن یانٹی پہنچے۔

ڈھائی مہینے کے بعد لونگسٹن نے خیال کیا کہ پورب
کا بھی کچھ حال معلوم کیا جائے اور دریائے زیمبزی کے
بہاؤ کی طرف چلا۔ پانچ چھ روز کے بعد کیا دیکھتا ہے کہ
سامنے بڑی دور تک کہر سا اٹھ رہا ہے اور اتنا اونچا
ہے کہ گویا بادلوں کو چھو رہا ہے۔ کچھ دور چلنے پر معلوم
ہوا کہ دریا کا پانی بڑی اونچائی سے گر رہا ہے اور ساتھیوں
نے بتایا کہ یہاں اُسے دھوئیں کی آواز کہتے ہیں۔ سچ
مچ دھوئیں کا بادل سا اُٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ
شور بھی بہت تھا۔ چاروں طرف کا منظر بہت خوب
صورت تھا۔ دونوں کنارے سرسبز درختوں اور جھاڑیوں
سے ڈھکے ہوئے تھے۔ دریا کا پانی پگھلی ہوئی چاندی کی
طرح کنڈ میں جھاگ اُٹھاتا ہوا گر رہا تھا۔ اصل میں یہ
ایک بہت بڑا آبشار تھا۔ لونگسٹن نے اس کا نام کوئن
وکٹوریہ کے نام پر وکٹوریہ فال رکھ دیا۔

کچھ ٹھہر کر وہ پھر روانہ ہوئے جگہ جگہ انھیں دریا
کے کنارے پرتگالیوں کی بستیاں ملیں۔ ایک مرتبہ
دریا کے قریب ہی ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ تین
بھینسوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ ایک افریقی نے د جسے

ان کا شبہ ہوا اور گوشت یاد آگیا ہوگا۔ ایک بھینسے
نے ۔۔۔ دور اچھال پھینک دیا۔ جیسا ذرا معلوم پڑا اور
۔۔۔ میں اس آدمی کو سینگوں پر اٹھالیا اور تقریباً
۔۔۔ تک اسی طرح اٹھائے دوڑتا چلا گیا۔ پھر بڑی زور
سے آدمی کو ہوا میں اچھال دیا۔ مگر اللہ کی مہربانی ہوئی
اور اس شخص کے ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔

آخر کار سفر ختم ہوا اور مارچ ۱۸۵۶ء میں لونگسٹن کو
بحر ہند کا ساحل نظر آیا۔ اور سب لوگ پرتگالی نوآبادی
کوئلی مین نکلے۔ حقیقت میں لونگسٹن نے آج وہ کام کیا
تھا جو ابھی تک کوئی سیاح نہ کرسکا تھا یعنی بحر ہند سے
بحر اٹلانٹک تک افریقہ کے آر پار سفر۔ اس کام کے
بعد لونگسٹن انگلینڈ واپس ہوا مگر تھوڑے عرصے کے
بعد وسطی و مشرقی افریقہ میں نائب حکومت بنا کر بھیجا
گیا۔ اس مرتبہ اس نے زیمبزی کا ایک بڑا معاون
دریا شیرے معلوم کیا۔ اور ۱۸۵۹ء میں لونگسٹن اور
اس کے ہمراہی کرک نے جھیل نیاسا معلوم کیا۔

لونگسٹن کا سب سامان اور دوائیں لٹ یا گم
ہو پڑی تھیں۔ اس لئے وہ تین انگریزوں کے ساتھ
روانہ ہوا۔ سفر کافی دلچسپ تھا۔ راستے میں خوب شکار
ہوا۔ بہت سے ہاتھی مارے گئے اور افریقیوں نے
خوب دعوتیں اڑائیں۔ یہ لوگ ہاتھی کے صرف اگلے
پیر سونڈ اور زبان کھاتے ہیں باقی پھینک دیتے ہیں
یہ پکاتے عجیب طریقے سے ہیں۔ پہلے زمین میں کافی
چوڑا گڑھا کھودتے ہیں اس کے اندر خوب آگ جلاتے
ہیں پھر لوڑا پیر اس میں رکھ کر راکھ اور مٹی سے بند
کر دیتے ہیں اس کے بعد رات بھر آگ جلاتے ہیں۔ صبح
پکا ہوا پیر باہر نکالا جاتا ہے۔ سفیدی مائل لجلجی سی
چیز ہوتی ہے۔ ذائقہ کچھ میٹھا ہوتا ہے۔

اپنے چھوٹے چھوٹے سفروں میں لونگسٹن کو یہ دیکھ کر
بڑا رنج ہوا کہ جھیل نیاسا کے آس پاس کے سارے
گاؤں غلاموں کی تجارت کی وجہ سے اجڑ گئے ہیں اور
ملک ویران ہو رہا ہے۔ کئی مرتبہ سفر کے دوران میں
اس نے تاجروں سے جھگڑ کر غلاموں کو چھڑایا۔ گورنمنٹ
کے بلانے پر لونگسٹن دوبارہ انگلینڈ گیا اور اپنے
وطن میں دو سال رہ کر پھر واپس آگیا۔

اس مرتبہ لونگسٹن نے اپنا سفر روبی ساحل سے
شروع کیا۔ اور چلتے چلتے جھیل نیاسا کے جنوب میں
پہنچا۔ وہاں سے پچھم کی طرف چلا۔ راستے میں ایک دریا
ملا جس کا نام چمبزی تھا آگے چل کر دریا ایک لمبے
چوڑے دلدل میں غائب ہو گیا۔ دلدل میں ملی ہوئی ایک
جھیل نظر آئی اس کا نام بنگ ویلو تھا۔ اس درمیان
میں لونگسٹن کئی مرتبہ بیمار ہوا۔ سفر بھی آہستہ آہستہ
بڑی مشکل سے طے ہو رہا تھا۔ دریا کے ساتھ ساتھ
قافلہ اتر کی طرف چلا۔ یہ دریا ایک اور جھیل میں
گرتا ہوا نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ نئی جھیل کا نام موئرو
ہے۔ اس جھیل سے دریا نکل کر پھر اتر کی طرف گیا تھا

اتھ یک اور بڑے دریا سے ملا ہے جس کا نام لوالبا
بتایا گیا ہے۔ اس سفر میں اس نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں
آدمیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ خود بیمار
ہوگیا۔ صرف پانچ، چھ افریقی وفادار نکلے۔ آخرکار
لونگسٹن جھیل ٹینگانیکا کے مغربی کنارے پر پہنچا۔ یہاں
پھر بیمار پڑ گیا۔ بڑی مشکلوں سے جھیل پار کی۔ اور شہر
جی جی میں ٹھہرا۔

یہاں کچھ دن ٹھہر کر دوبارہ دریائے لوالبا
کو معلوم کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ آتے ہوئے ایک
ایسی بستی سے گزرا جہاں آدم خور رہتے تھے۔ اس
مرتبہ لونگسٹن کو بڑا خوب صورت اور زرخیز ملک ملا
شہر نیانگ وی میں اس کا آگے بڑھنے کو جی نہ چاہا
اور اجی اجی واپس ہوا۔ یہ سفر بڑا کٹھن اور تکلیف دہ
تھا۔ راستے میں کمر برابر تو دلدل تھی۔ ہاتھیوں کی
دوڑ سے اس کی حالت اور بھی بدتر ہوگئی تھی۔ خیر
کسی نہ کسی طرح یہ قافلہ اجی جی پہنچا۔ اب لونگسٹن بالکل
پست ہو چکا تھا۔ بیماری نے اور بھی نڈھال کر دیا
تھا۔ انگلستان میں لوگ چھ سال سے اس کے منتظر
اور فکرمند تھے۔ یہ بے چارا ناواقف ملک میں جنگل
بیابان میں پھر رہا تھا۔ بھلا خط پتر کیسے بھیجتا۔ اجی جی
ٹھہرنے کے چار پانچ دن بعد ہی اسے اپنے ساتھ
سامان اور دوائیں لے کر زنجبار سے اجی جی پہنچا
اور لونگسٹن سے ملا۔
ہم وطن کو دیکھ کر لونگسٹن کو اتنی خوشی ہوئی کہ
بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لکھتا ہے "میری بھوک
لوٹ آئی اور ایک دفعہ پھر میں دن میں چار بار کھانے
لگا۔ اب تو پانچ ہی چھ دن میں ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ میں طاقت ور ہو گیا ہوں"

۱۸۷۲ء میں پھر اسے فکر ہوئی کہ دیکھا ہوا دریا
کہیں نیل تو نہیں ہے۔ پھر وہ ہزار دقتوں کے بعد
بنگ دیلو تک پہنچا۔ اس جھیل کے آس پاس کا ملک
صحت کے لئے نقصان دہ اور گرم ہے لونگسٹن یہاں
اتنا بیمار و لاچار ہو گیا کہ اس کے لئے چلنا دوبھر
ہو گیا اس کے وفادار افریقی ساتھی اسے لے کر چلتے
تھے۔ آخر آگے بڑھنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ ایک رات
لونگسٹن اچھا بھلا ایک چھوٹے خیمے میں سویا۔ صبح اس
کے ساتھیوں نے دیکھا کہ وہ بستر کے قریب جھکا
ہوا ہے۔ حقیقت میں وہ مر چکا تھا۔

اس طرح افریقہ دریافت کرنے والوں
میں سب سے نیک اور شریف آدمی دنیا سے
رخصت ہو گیا۔ اس کے ساتھی بڑی عزت سے
اسے زنجبار لائے۔ وہاں سے انگلستان لے گئے۔
اور لندن میں ویسٹ منسٹر ایبے کے گرجا میں دفن کیا گیا جو بادشاہوں
شہزادوں، شاعروں اور سیاست دانوں کی آخری آرام گاہ ہے۔

(ایڈ پیر کا پوڈی)

زمین کے سب سے پہلے جانور ان جانوروں
ل مختلف تھے جو ہم آج کل دیکھتے ہیں۔ مثلاً

اور (REPTILES) رینگنے والے جانور کثرت سے
پائے جاتے تھے۔ یہ آج کل دنیا کے کسی حصے میں

کاٹوسائرس

ں کے سم نہ ہوتے تھے بلکہ یہ بیلوں کے کھُردں
ا ہوتے تھے۔ تمھیں یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ یہ
ے بہ مشکل ہمارے کتوں سے اونچے ہوں

اس وقت زمین کے زیادہ حصے پر جنگل ہی جنگل
ں لئے اس وقت بہت ہی بڑے بڑے جانور

نہیں پائے جاتے ان کا پتہ اس طرح چلا کہ زمین کے
نیچے اور پہاڑوں کی چٹانوں میں ان جانوروں کے
ڈھانچے دبے ہوئے ملے۔ بعض بعض جگہ تو ان کے

دفعلیے دیکھا کر تصویر دیکھنے سے معلوم ہوگا، بہت ہی ثابت اور سالم حالت میں ملے ہیں۔

میں بہت ہی خوں خوار تھم کے ..... یہ چیتے آج کل کے چیتوں سے ..... ۔

ان جانوروں میں مموتھ (MAMMOTH) خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ یہ ایک قسم کا ہاتھی تھا۔ اس کے بدن پر اونی کھال ہوتی تھی۔ یہ عموماً قطب شمالی و جنوبی میں ہوتا تھا۔ یہ علاقے برفانی ہیں اس لئے بعض بعض جگہ تو پورا کا پورا ہاتھی برف کے تودوں کے نیچے دفن ملا ہے۔ ہاتھیوں کے علاوہ اس زمانے

ہوتے تھے۔ ان میں اتنی قوت ہوتی تھی کہ وہ (MAMMOTH) تک کو پچھاڑ لیتے تھے۔

لیکن اس زمانے کے (جو تاریخ سے پہلے کا زمانہ کہلاتا ہے) زیادہ تر جانور جن کا اب تک پتہ چلایا جاسکا ہے رینگنے والے جانور (REPTILES) ہیں۔ ان میں سے اگوانوڈنس (IGUANODONS) اس وقت کثرت سے ہوتے تھے یہ ایک چھپکلی کی شکل کا لمبے پیروں والا جانور تھا۔ اس کا سر ..... سے ملتا جلتا تھا جسم کی لمبائی ..... فٹ تک ہوتی تھی۔ یہ عموماً کیچڑ اور دلدل میں رہتا تھا۔ کبھی کبھی خشکی پر بھی آتا۔ زمین پر وہ چاروں پیروں پر چلنے کی بجائے پچھلے دو پیروں پر چلتا اور اس طرح اپنے اگلے دو پیروں

[illegible] کا علم لیتا۔
[illegible] والے جانوروں کی ایک قسم ڈی نوساورا
(DINOSAURIA) تھی۔ یہ اِگوانوڈونس
(IGVANODONS) سے بھی بڑے ہوتے تھے
[illegible] میں سے بعض کے ڈھانچے نہایت اچھی حالت
میں چٹانوں میں دبے ملے ہیں۔ لیکن یہ سب بھی
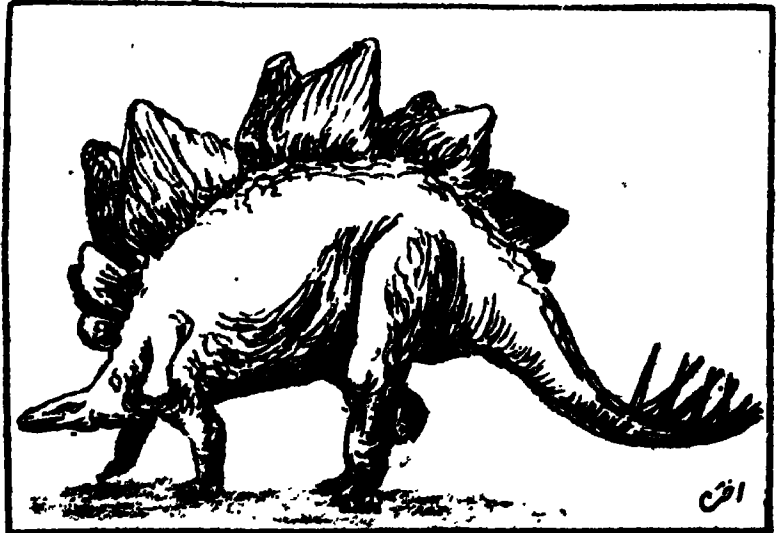
اُن کی شکل مل سکتا ہوگا۔ [illegible] میں بعض امریکی
سیاحوں کو اُن کے انڈے منگولیا کے علاقے
میں ملے۔ ایک انڈے میں تو بچہ تک پڑچکا تھا۔ خیال
کیا جاتا ہے کہ یہ انڈے کم از کم ایک کروڑ برس
پہلے کے ہیں۔
رینگنے والے جانوروں کی ایک اَور قسم

گھڑیال سے ملتے جلتے تھے۔ صرف گردن اَور پیر
ذرا بڑے ہوتے تھے۔ ان کا بدن بھی کچھ موٹا ہوتا
تھا۔ اِگوانوڈانس (IGVANODONS) کی طرح
یہ بھی پچھلے دو پیروں پر سیدھے چل سکتے تھے۔ اِن
کے ڈھانچوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی لمبائی ۸۰ فٹ
تک ہوتی تھی۔ ان کی پیٹ اتنی بڑی ہوتی ہوگی کہ

اورنی تھوساورِیا (ORNITHOSARIA) کہلاتی ہے
یہ اصل میں پرندوں اَور رینگنے والے جانوروں کی
درمیانی کڑی ہے کیونکہ یہ اُڑ بھی سکتے تھے۔ ان کی
دو قسموں کے متعلق کافی معلومات حاصل ہو چکی ہیں
ان کی لمبائی ۲۰ فٹ تک ہوتی تھی ان کے آگے کے
پیروں میں کھال کا ایک بہت ہی مضبوط (پاکل

جیسے چمگادڑ کے ہوتے ہیں۔ پر لگا ہوتا تھا۔ اس کی مدد
سے وہ اُڑ بھی سکتے تھے، تیر بھی سکتے تھے۔ اور زمین
پر دوڑ بھی سکتے تھے۔ جب اُڑتے ہوں گے تو ایسا معلوم
ہوتا ہوگا جیسے ہاتھی ہوا میں چلا جا رہا ہے!

اس زمانے میں ایک سمندری چھپکلی بھی ہوتی تھی
اس کا جسم بہت ہی لمبا تھا۔ گردن بہت پتلی۔ سر چھوٹا
سا اور دم لمبی۔ اس کے جسم پر بال کی بجائے مچھلی
کے سے سنے ہوتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ گہرے
سمندروں میں اب بھی اس سے ملتے جلتے جانور
ہوں گے۔

اس زمانے کے پرندے بھی اس وقت کے جانوروں
سے کچھ کم عجیب و غریب نہ تھے۔ ایک پرندہ آرکیوپٹیرکس
(ARCHAEOPTERYX) تھا۔ اس کی دم چھپکلی کی سی
ہوتی تھی۔ اس کے ہر بازو کے آخر میں ایک انگلی لگی
ہوتی تھی۔ ایک اور پرندہ تھا جو آج کل کے شتر مرغ
کے برابر ہوتا تھا۔ شتر مرغ کی طرح وہ بھی اُڑ نہیں سکتا
تھا۔ لیکن وہ پانی میں خوب تیرتا تھا۔ وہ عموماً مچھلیوں
پر گزارہ کرتا تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ
اس کے دانت بھی تھے۔ بالکل ایسے جیسے جانوروں
کے ہوتے ہیں۔ تم نے آج کل کسی چڑیا کے دانت
دیکھے ہیں؟

مڈغاسکر کے جزیرے میں کچھ اور ہڈیاں ملی
ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک اور بڑا
پرندہ اے پیورنس (AEPYORNIS) ہوتا تھا
جو شتر مرغ سے چار پانچ گنا بڑا تھا۔ اسی طرح
نیوزی لینڈ میں ایک اس سے بھی بڑا شکاری پرندہ
ہوتا تھا جو اے پیورنس (AFPYORNINS)
تک کو شکار کر لیتا تھا۔

جس زمانے میں یہ جانور رہتے تھے اس وقت
خود زمین کی شکل ایسی نہ تھی جیسی تم اب دیکھتے ہو۔
آتش فشاں پہاڑوں نے دنیا میں ایک عجب اودھم مچا رکھا
تھا ان کے پھٹنے کی وجہ سے آئے دن زلزلے آتے۔ زمین
میں بڑے بڑے شگاف پڑ گئے تھے جس میں سے گرم پانی
کے چشمے ہر وقت اُبلتے رہتے تھے۔ ساری زمین گھنے جنگلوں
سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے نمونے اب تک ہمیں ایمزن
اور برازیل کے جنگلوں میں ملتے ہیں۔ سورج بہت کم
دکھائی دیتا تھا کیونکہ زمین سے ہر وقت بخارات اُٹھتے اور
آسمان پر بادل بن کر چھائے رہتے تھے۔ بادلوں کی وجہ
سے بارش کثرت سے ہوتی رہتی تھی۔

ان رینگنے والے جانوروں اور سمندری چھپکلیوں کا
حال سن کر ہمیں سمندری سانپوں اور اژدہوں
کے متعلق پرانی کہانیوں کو تھوڑا بہت سچا ماننا ہی
پڑتا ہے اب صحیح صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ ان اژدہوں کے
سامنے کمزور انسان کی حیثیت کیا ہوگی!

کپتان کُک

عبدالحی سعید رادر

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے ایک دن صبح سویرے موری قبیلے کے وحشی لوگ جب سمندر کے کنارے مچھلیاں پکڑنے آئے تو اُنھیں ایک عجیب منظر نظر آیا۔ دُور اُفق پر ایک بہت بڑا پرندہ اپنے بڑے بڑے سفید پر پھیلائے ان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ عجیب و غریب پرندہ ان کے نزدیک آ پہنچا۔ یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ پرندہ نہ تھا بلکہ ایک جہاز تھا۔ اس جہاز کے زرد رنگ ملاحوں کو اُنھوں نے دیوتا سمجھا اور ادب سے سر نیچے جھکا لیے۔ اصل میں یہ کپتان کُک کا بادبانی جہاز تھا جو بحرالکاہل کے عجیب عجیب راستوں سے یہاں آ پہنچا تھا۔

کپتان کُک ۲۶ اگست ۱۷۶۸ء کو پلے متھ کی مشہور بندرگاہ سے "انڈیور" نامی جہاز میں روانہ ہوا۔ انڈیور کا وزن ۳۷۰ ٹن تھا اور اس پر ۹۴ ملاح کام کرتے تھے۔ ۱۳ ستمبر کو یہ جہاز مدیرا کی بندرگاہ میں پہنچا۔ یہاں سے پھر جنوب کی طرف روانہ ہوا اور شیرادل "بیو گو" میں لنگر انداز ہوا۔ ایک برس پہلے اس جگہ بہت سے انگریز سائنس والوں کی جماعت مطالعہ کے لئے آئی تھی۔ کیپ ہارن کی سیاحت کو ایک ناممکن کام سمجھا جاتا تھا۔ مگر کپتان کُک نے کبھی ہمت نہ ہاری اور اس کٹھے کام کو سرانجام دینا اپنے ذمے لے لیا۔ وہ جنوب کی طرف بڑھتا گیا۔ آخر ۱۰ اپریل کو اُسے خشکی نظر آئی۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جس کا نام کپتان والس نے جارج سوم کے نام پر رکھا تھا وہاں کے مقامی لوگ اسے "اوٹاہیٹی" کہتے تھے۔ اور آج کل یہ "تہیتی" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

جہاز کو دیکھتے ہی وہاں کے وحشی قبیلوں کے لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں نکل آئے۔ تیسرے دن کپتان کُک ملاحوں سمیت خشکی پر اترا۔ یہاں وحشیوں نے کئی طریقوں سے اپنی دوستی ظاہر کی۔ کپتان کو اُنھوں نے درختوں کی ہری شاخیں پیش کیں جنھیں صلح کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ کپتان کُک یہاں تین مہینے رہا اور وحشیوں کی عادتوں، خصلتوں، ان کی رسموں اور رہنے سہنے کے طریقوں کا مطالعہ کرتا رہا

جب یہاں سے فکر اُٹھانے لگا تو ایک وحشی نے ساتھ جانے کی خواہش کی اسے بھی ساتھ لے لیا۔ یہاں کپتان کک نے کئی بڑے بڑے جزیرے معلوم کئے۔ آخر پھر اس کا جہاز نیوزی لینڈ کے ساحل سے جا لگا۔

نیوزی لینڈ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اُس نے جہاز کے بادبان آسٹریلیا کی طرف پھیر دیے۔ آسٹریلیا کو ولندیزی سیاح پہلے ہی معلوم کر چکے تھے اور اس کا نام اُنھوں نے نیو ہالینڈ رکھا تھا۔ اس سے پہلے جتنے سیاح بھی آئے وہ پہلے آسٹریلیا کے مغربی ساحل تک ہی پہنچے اور انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ آسٹریلیا ایک بنجر بیابان اور چٹیل میدان ہے لیکن کپتان کک کا بیان اس کے بالکل برعکس تھا اس نے کہا کہ آسٹریلیا ایک سرسبز اور شاداب ملک ہے اور اس کی پہاڑیاں سبز درختوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ آسٹریلیا کا اصلی معلوم کرنے والا گنا جاتا ہے۔ اُس نے تمام مشرقی زرخیز ساحل کا چپہ چپہ چھان مارا۔ اور آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ جگہ سفید قوموں کے رہنے کے قابل ہے۔

کپتان کک ۲۷ر اکتوبر ۱۷۲۸ء میں یارک شائر میں پیدا ہوا۔ جب ہوش سنبھالا تو ایک دوکان دار کے ہاں نوکری کر لی۔ اُسے بچپن ہی سے ملاحی کا شوق تھا، کک ۱۷۵۵ء رائل نیوی میں داخل ہوا۔ چار سال کے بعد اُسے ترقی دے کر "برکری" نامی جہاز کا کپتان بنا دیا گیا۔ اُس نے سینٹ ورنس کی بحری لڑائی میں جو فرانسیسیوں سے لڑی جا رہی تھی بہت بہادری دکھائی۔ کک کو نقشے بنانے میں خاص مہارت حاصل تھی۔ اُس نے بحرالکاہل کا سب سے پہلا سفر ۱۷۶۸ء میں کیا۔ دوسرا سفر ۱۷۷۲-۷۵ء تک کیا۔ اس سفر میں یہ قطب جنوبی کی طرف بڑھا اور یہی دنیا میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے قطب جنوبی کے خطّے میں قدم رکھا پھر اس نے اپنے جہاز کا رُخ جنوبی بحرالکاہل کی طرف کر دیا۔ اور تمام جزیروں کے نقشے بنائے۔

اگرچہ اِس وقت کپتان کک کی عمر ۴۰ سال کے لگ بھگ ہو گئی تھی پھر بھی اُسے نئی نئی معلومات حاصل کرنے کا شوق دن بدن بڑھ رہا تھا۔ کپتان بحرالکاہل کے بیچوں بیچ ہوتا ہوا جزائر ہوائی میں پہنچا یہ جزیرے پہلے سے معلوم تھے۔ مگر ان کی یاد دُنیا کے دماغ سے محو ہو چکی تھی۔ ان کا نام کپتان کک نے امیر البحر کے نام پر جزائر ہائے سینڈوچ رکھا۔ اب کپتان کک نے امریکہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کا رُخ کیا۔ لیکن خاکنائے بیرنگ سے ذرا ہی پیچھے برف نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس طرح اِس کا بحرالکاہل اور بحر اوقیانوس کا شمالی راستہ معلوم کرنے کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

کپتان کک دوبارہ ہوائی واپس آ گیا۔

پہلے کے وحشی اس کے دوست تھے۔ مگر انھوں نے ایک رات اس کے جہاز کی ایک کشتی چرالی۔ دوسرے دن جب وہ معاملے کی تحقیقات کے لئے جزیرے میں اُترا تو اُسے وحشیوں نے ہلاک کر ڈالا۔ اِس طرح اُس عظیم الشان ہستی کا خاتمہ ہوا جس نے تمام امریکی ساحل کی سیاحت کی اور جس کے بحرالکاہل کے بنائے ہوئے نقشے اب بھی کار آمد ہیں۔ کپتان کک ہی کی وجہ سے انگریزوں کو نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کی نوآبادیات حاصل ہوئیں۔ کپتان کک میں خود غرضی نام کو نہ تھی اس نے ہمیشہ نرمی سے کام نکالنے کی کوشش کی اِس طرح اس نے بہت سی جانیں ضائع ہونے سے بچائیں۔ کپتان کک کی لوگوں کے لئے طبی امداد بھی کامیابی کا ایک بڑا ذریعہ تھی ◆

پیارا دیس

شہزادہ پرویز چشتی ملتان

پیارا پیارا دیس ہمارا   جس نے ہم کو گود میں پالا
پال پوس پروان چڑھایا   علم پڑھا اِنسان بنایا
اس کے شہر ہیں ستھرے ستھرے   اس کے میوے میٹھے میٹھے
ہر سو چھائی ہے ہریالی   کوئل کوکے ڈالی ڈالی
بندے اس کے اچھے اچھے   پیارے پیارے سچے سچے
دلکش ہیں باغوں کی فضائیں   خوشبو سے ہیں بھری ہوائیں
ساون کی وہ کالی گھٹائیں   بلبل کی وہ مست صدائیں
گنگا کی لہروں کا نظارہ   ہرا بھرا جمنا کا کنارا
ہم کو وطن کا ذرہ ذرہ   جان سے بھی بڑھ کر ہے پیارا

ہر اک کا ہے جی للچایا
دیکھ ہمارا دیس پیارا

بچوں کو ایک پیام

جوہر، چاندوڑی

اگر نام دُنیا میں تُم چاہتے ہو ۔ دھرے ہاتھ پر ہاتھ ہرگز نہ بیٹھو
نہیں وقت غفلت کا جاگو بس اب تو ۔ غنیمت سمجھ لو ، تُم اس زندگی کو
پڑھو علم ، سیکھو ہُنر ہونہار و!

یہی مُفلسی کی فقط اک دوا ہے ۔ اِسی سے مریضوں نے پائی شِفا ہے
اِسی سے تو پُورا ہر اک مُدعا ہے ۔ عزیزو! یہی تم سے میرا کہا ہے
پڑھو علم ، سیکھو ہُنر ہونہار و!

جدھر جاؤ گے ہوگی عزت تمہاری ۔ تمہاری محبت ہر اک دل میں ہوگی
ملے گی زمانے کے ہر غم سے چُھٹی ۔ ذرا کان دھر کر سُنو بات میری
پڑھو علم ، سیکھو ہُنر ہونہار و!

کسی سے محبت ، مروت نہ توڑو ۔ جہاں تک بنے رشتہ اُلفت کا جوڑو
کسی سے مصیبت میں مُنہ کو نہ موڑو ۔ بری عادتیں جتنی ہیں اُن کو چھوڑو
پڑھو علم ، سیکھو ہُنر ہونہار و!

اگر چاہتے ہو ، کہ تم پاؤ رفعت ۔ اگر چاہتے ہو ، بڑھے شان و شوکت
اگر چاہتے ہو ، کہ ہو قدر و عزت ۔ اگر چاہتے ہو ، ملے مال و دولت
پڑھو علم ، سیکھو ہُنر ہونہار و

مصیبت پڑے تو نہ جی کو چُرانا ‏ | قدم اپنا ہرگز نہ پیچھے ہٹانا
تمھیں اپنی بگڑی ہوئی کو بنانا ‏ | تمھیں بڑھ کے میدان میں جیت پانا

پڑھو علم، سیکھو ہُنر ہونہارو!

کبھی لکھنے پڑھنے سے غافل نہ رہنا ‏ | یہی آدمیت کا سچّا ہے گہنا
غم و رنج دُنیا کے جتنے ہیں سہنا ‏ | عزیزو! یہی مرا تم سے ہے کہنا

پڑھو علم، سیکھو ہُنر ہونہارو!

جو ہیں علم والے، جو کچھ ہیں سُنرور ‏ | جہاں میں نظر آتے ہیں جو تونگر
انھی کی زمانے میں عزت ہے گھر گھر ‏ | انھی کی محبت ہے دُنیا میں اکثر

پڑھو علم، سیکھو ہُنر ہونہارو!

اسی نے تو یورپ کی نکبت مٹائی ‏ | اِسی نے غریبوں کی عزّت بڑھائی
اسی نے سکھائی، بھلائی، بُرائی ‏ | اِسی سے خُدا تک ہوئی ہے رسائی

پڑھو علم، سیکھو ہُنر ہونہارو!

نہ گھبراؤ محنت سے دِل کو نہ توڑو ‏ | اَدھورا کوئی کام ہرگز نہ چھوڑو
مشقت سے، ہمت سے مُنہ کو نہ موڑو ‏ | عمل اور کوشش سے تم رشتہ جوڑو

پڑھو علم، سیکھو ہُنر ہونہارو!

زمانے میں پیدا کرو نام بچو! ‏ | کرو کچھ نہ کچھ ہر گھڑی کام بچو!
غنیمت ہے یہ صبح اور شام بچو! ‏ | سُنو دل سے! جوہر کا پیغام بچو!

پڑھو علم، سیکھو ہُنر ہونہارو!

دروازہ کس طرف بند ہوتا ہے

مسعود حسین خاں ایم اے

ویسے تو حبیب پر گھر کے بڑوں ، خاص طور سے اس کے ابا جان کی لتاڑ ہر وقت پڑتی رہتی تھی لیکن آج جو اس نے دوستوں کے ساتھ سیر کو چلنے کی اجازت مانگی تو اس کے ابا جان نے کچھ ایسی لال پیلی آنکھیں نکالیں کہ اُسے کچھ کہتے نہ بنا۔ وہ غصے کے گھونٹ پیے سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور دم سے بستر پر اوندھا گر پڑا۔

"اُف وہ" وہ سوچنے لگا۔ دیکھو تو میں نے دوسری ہی دفعہ کہا کہ ابا جان بس آج اور چلا جانے دیجئے اس پر کتنے لال پیلے ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے کچھ نکالا نہیں کہ تڑسے تھپڑ پڑے گا۔ معلوم نہیں اتنی جلدی کیوں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ رات دن دوسروں کو سمجھاتے ہیں کہ غصہ کرنا بہت برا ہے۔ غصہ کرنے والا انسان نہیں ہوتا جانور ہوتا ہے۔ لیکن اب خود ان کو دیکھئے!

ذرا سی بات پر بد تمیز اور نالائق ہو جاتا ہوں اسکول میں تو ماسٹروں کے ڈر سے سہا سہا رہنا ہی پڑتا ہے۔ گھر پر بھی آزادی نہیں معلوم نہیں ابا جان، اور ابا جان ہی کیوں، گھر کے جتنے بڑے ہیں سب کے سب اپنے آپ کو کوتوال کیوں سمجھتے ہیں جو اٹھتے بیٹھتے "اسے یہ مت کرو" "کدھر جا رہے ہو؟" "بڑے بد تمیز ہو" کہہ دیتے ہیں، ہر وقت ماتھے پر گھنڈی پڑی رہتی ہے۔ اچھے خاصے چہرے کو بگاڑ لیتے ہیں۔

پھر ایک بات ہو تو آدمی سن لے یا مان لے وہاں تو ہر چیز پر اعتراض ہوتا ہے۔ اسی دن کھانے کے وقت ابا جان کہہ رہے تھے کہ عجب مزاج کے لڑکے ہیں۔ کچھ تمیز ہی نہیں۔ بڑے بڑے لمبے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ پائجامہ گز گز بھر کی مہری کا ہے اچکن آسمانوں کو جا رہی ہے اور اس پر بھی اپنے آپ کو معقول سمجھتے ہیں۔ میں خوب سمجھ رہا تھا کہ وہ کسے کہہ رہے ہیں۔ کہہ لیں خوب کہہ لیں، بات تو جب کی ہے کہ زمانے کو روک لیں۔

ذرا کوئی کام پابندی سے اور وقت سے کیے

...کی تو ذرا اگریزیت کا الزام تک جاتا ہے - ذرا
...بات پر کہا جاتا ہے کہ فیشن والا ہو گیا - اب
...جو گھڑی میں نے کلائی کے اوپر کی بجائے نیچے کی
...طرف باندھ لی ہے - یہ انھیں اکھرتی ہوگی - میں کہتا
...ہوں آخر اس میں ہرج کیا ہوتا ہے - یا ذرا ٹوپی ترچھی
...پہننے میں کونسی شرافت چلی جاتی ہے!

نہ پڑھنے کی شکایت تو ہمیشہ رہتی ہی ہے لیکن
اگر ذرا پڑھنے لگئے تو بھی چین نہیں لینے دیتے - ایک
بات جو ماسٹروں اور ابا جان نے بھی سیکھ لی ہے
یہ ہے کہ میاں تم پکنے سے پہلے سڑ جاؤ گے" میری
سمجھ میں یہ بات آج تک نہ آئی کہ کوئی شخص پکنے سے
پہلے کیونکر سڑ سکتا ہے - ہاں یہ کہئے کہ یہ لوگ اپنی
سنجیدگی اور خشک باتوں سے اُسے پکنے سے پہلے
ٹھٹھرا دیں گے -

اب دیکھئے - ابا جان اس سامنے والے دروازے
کے اس طرف اپنے کمرے میں بیٹھے ہوں گے - اگر ذرا
سی کھٹکا ہو جائے وہاں سے بُری طرح چلائیں گے
اتنی ہی خاموشی اور تنہائی چاہتے ہیں تو ہم لوگوں
کے ساتھ کیوں رہتے ہیں -

کہتے ہیں محمود جیسے بنو - اوں ہوں . . . . .
وہ تو . . . . . ناممکن ہے - وہ دولت اور نام پر دم
دیتے ہیں - یہ خواہش اُن کے سینے سے برف کے
تودے کی طرح لگی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اُن کی
توجہ کسی اور طرف جتنے ہی نہیں پائی"

حبیب نے کروٹ بدلتے ہوئے دل میں کہا "آخر
ابا جان ہی کو میری ہر چیز پر کیوں اعتراض ہے -
اماں تو اُن سے کم پڑھی لکھی ہیں - لیکن اُنھوں نے آج
تک مجھے ذرا ذرا سی بات پر نہیں جھڑکا - ان کا تو اگر
سچ پوچھو میں اتنا ادب بھی نہیں کرتا جتنا ابا جان
کا کرتا ہوں ، بعض وقت تو مجھے خود افسوس ہوتا ہے کہ
اُن سے ضد کرتا ہوں اور انھیں پریشان کرتا ہوں
سمجھ میں نہیں آتا ان میں اور ابا میں اتنا فرق کیوں
ہے ؟

یہی سوچتے سوچتے حبیب کی آنکھ لگ گئی -

اب ذرا حبیب کے ابا جان کا حال سنئیے حبیب
کو ڈانٹ ڈپٹ کر . . . . اپنے کمرے میں
آئے جو حبیب کے کمرے سے ملا ہوا تھا - کپڑے بدلے
اور کرسی پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے - اُنھیں نہ جانے
کیوں اب کچھ افسوس سا ہونے لگا - آج دفتر میں
اُنھیں اُن کے افسر نے بڑی سخت ڈانٹ پلائی تھی ،
ان سے کہا گیا کہ وہ کسی کام کے لائق نہیں - اُنھیں
کسی کام کرنے کا سلیقہ اور تمیز نہیں - ابھی ابھی غصے
میں اُنھوں نے حبیب کو نالائق اور بدتمیز کہا تھا -
اُنھیں اسی بات کا افسوس تھا - سوچنے لگے بچارے
کا قصور ہی کیا تھا ، لڑکا ہے آج چھٹی کا دن تھا - کیا
بُرا تھا اگر ذرا سیر کو چلا جاتا - نہ معلوم میرے دل

ملا یہ بات کیوں نہیں کہتی ہے کہ آج کل کے لڑکے
بڑے بدتمیز اور آزاد ہوتے جا رہے ہیں۔ انھیں
بزرگوں کا ذرا بھی لحاظ نہیں۔ یہ میرا ہی خیال نہیں
بلکہ ہر شخص یہی کہتا ہے۔

وہ ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ حبیب کی
ماں نے دروازہ میں سے جھانکا: "کیوں کیا ہے؟"
حبیب کے ابا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ مگر یہ آپ ہر وقت لڑکے کو اس
بُری طرح جھڑکتے کیوں رہتے ہیں۔ بچوں کو سلیقہ
اور تمیز سکھانے کا یہ طریقہ نہیں کبھی نرمی سے اور
پھسلا کر بھی بات سمجھا دی جاتی ہے۔ اس طرح تو آپ
اس کو صرف ضدی بنا دیں گے۔ یہ ضد ابھی چھوٹی
ہے لیکن عمر کے ساتھ ساتھ بڑھ کر یہ ایک دن آپ
کا مقابلہ کرنے لگے گی۔ اس وقت پھر افسوس
کیجیے گا۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" حبیب کے ابا جان نے کہا
"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ ہم بچوں کو سمجھنے کی
کوشش نہیں کرتے۔ ہم اپنی دنیا میں ایسے مگن رہتے
ہیں کہ ان کی دنیا کو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے
مجھے خود آج اپنے بے جا غصے پر افسوس ہے۔ اچھا
میں حبیب کو منائے لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھے اور حبیب کے کمرے میں
جو دروازہ کھلتا تھا اسے کھٹکھٹا کر آواز دی: "حبیب میاں
ذرا دروازہ تو کھولو۔"

حبیب نیند سے چونک کر: "جی ابا جان"

"بھئی دروازہ کھولو۔"

حبیب:- ابا جان دروازہ تو آپ ہی کی
طرف سے بند ہے۔

حبیب کے ابا جان نے چٹخنی کھولی اور اس کے
کمرے میں یہ کہتے ہوئے داخل ہو گئے۔ "سچ کہتے ہو
بیٹا!

دروازہ ہمیشہ ہماری ہی طرف سے بند ہوتا ہے!!"

محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

بہار

سید حامد علیم درجۂ دوم تعلیمی مرکز جامعہ

رب نے خوشی دکھائی   آہا بہار آئی
کلیاں چٹک رہی ہیں   چڑیاں مٹک رہی ہیں
ٹھنڈی ہوا ہے چلتی   دل کی کلی ہے کھلتی
خوشیاں مناؤ بھائی   جلدی سے آؤ بھائی

رب نے خوشی دکھائی
آہا بہار آئی

عید کا دن

محمد اکرم لاہور

کیا بات ہے آج سحر ہی سے   ہیں ابا امی جاگ اُٹھے
امی سب کو نہلاتی ہیں   کپڑے بھی نئے پہناتی ہیں
باجی نے ہمارے سب کے لئے   اچھے کھانے تیار کئے
کیا اچھی سویاں پکائی ہیں   سب اپنوں کو بھجوائی ہیں
ہم پہلے سویاں کھائیں گے   پھر گھر سے باہر جائیں گے
بازار سے چیزیں لائیں گے   گھر آکر سب کو دکھائیں گے
اک موٹر دھک دھک کرتی   اک گاڑی چھک چھک چھک کرتی
ہم لائیں گے ایک غبارا بھی   اک بوا پیارا پیارا بھی
اک باجا بھی ہم لائیں گے   یہ باجا خوب بجائیں گے
ہے آج کا دن کیسا اچھا   ہے خوش ہر اک بچہ بڈھا
عید آئی ہے عید آئی ہے   خوش اس نے ساری خلقت کی ہے

بلی

عبدالودود خاں جامعہ نگر

ایک دن ہم نے بلی پکڑی   سیدھی سادی بھولی بھالی
بھوری بھوری کالی کالی   خوب شرارت کرنے والی
بال ملائم نازک ایسے   ریشم کے ہوں جیسے لچھے
کود کے میری گود میں آتی   میاؤں میاؤں کرتی جاتی
جب میں کھانا کھانے لگتا   پیچھے بھاگ کر پاس بلاتا
اس کو بھی میں دودھ پلاتا   دودھ پلا کر کھیل کھلاتا
شام کو جب میں باغ کو جاتا   اُس کو اپنے پیچھے پاتا
واپس آکر گوشت کھلاتا   تھپک تھپک کر اُس کو سلاتا
صبح کو جب میں سو کر اٹھتا   اس کو اپنے اوپر پاتا
چھوٹے بچے کھیلیں اس سے   چوہے ڈر کر بھاگیں اس سے

بلی میری کیسی منڈیا
کھیلنے کی ہے گویا گڑیا

اباجی کی فورڈ

یٰسین مومن علی حیدر آباد دکن

کتنی اچھی ہے یہ موٹر   اباجی چڑھتے ہیں اس پر
پوں پوں کرتی ہے یہ   تیز بہت ہی چلتی ہے یہ
رنگ ہے اس کا کتنا اچھا   اچھا اس کا پرزا پرزا
چلتی پھرتی رہتی ہے یہ   چلنے کا دکھ سہتی ہے یہ
کتنی اچھی ہے یہ موٹر   اباجی چڑھتے ہیں اس پر

پیارا انور

مبارک نساں خاں قائم گنج

ننھا منا پیارا پیارا — سارے گھر کی آنکھ کا تارا
ابا کے دل کا ہے پارا — چچی کو دل سے ہے پیارا
سب سے چھوٹا سب سے پیارا — سارے گھر کا راج دلارا
چھوٹے ہاتھ ہیں اس کے — ننھے منے پاؤں ہیں اس کے

انور ہے یہ سب کو پیارا
گھر کا اور باہر کا پیارا

محنت

سید حسن اصغر کاظمی انبالہ

یہ فرض ہے ہمارا محنت سے کام کرنا — اس کے بغیر یارو مشکل ہے کام چلنا
اس آسمان کے نیچے رہنا بہت ہے مشکل — اس کے لئے کہ جس نے محنت سے جی چرایا
کی ہم نے خوب محنت ہوگی ہماری عزت — محنت سے کام لینا ہر چیز سے ہے اچھا
زینہ بلندیوں کا محنت کو تم سمجھ لو — وقت اپنا مت گنواؤ اس پر اگر ہے چڑھنا

ناصر کی بات مانو کچھ کر کے تم دکھاؤ
دو دن کی زندگی ہے دو دن کا ہے زمانا

پیام تعلیم

اقبال حسین جگر دھرپور

شہرہ ہے کیوں پیام کا ہر سمت نام ہے
سرتاج ہے، رسالوں کا مقبولِ عام ہے

دلچسپ کھیل قصے معموں کے ماسوا
مضمون اور نظم کا خاص اہتمام ہے

پڑھتے ہیں اس کو شوق سے سب بچے بچیاں
ہر شہر کے سکولوں میں اس کا ہی نام ہے

یا ورنہ ہو پیام منگا کر کے دیکھئے
اور یہ اس میں شک نہیں سچا کلام ہے

اوصاف اس رسالے کے ہیچو نہ پوچھو تم
سرتاپا خوبیوں سے یہ لبریز جام ہے

روز افزوں اس کی اور ترقی ہو احسنا
اقبال کی دعا بھی بس صبح و شام ہے

دوستی

قمر الدین انصاری سرائے میر

ایک ہرن تھا اور ایک کوا — ایک تھا چوہا اور اک کچھوا
چاروں تھے آپس میں بھائی — کبھی نہ باہم کرتے لڑائی
ہرن پھنسا جو جال میں اک دن — بیچارہ تھا ابھی وہ کمسن
پچھتائے وہ تینوں ساتھی — آخر ایک تدبیر نکالی
چوہا جا کر جال کو کاٹے — جبھی ہرن اس بلا سے چھوٹے
چوہے نے جا کر جال کو کاٹا — اور غریب ہرن کو چھڑایا
اتنے میں صیاد بھی آیا — جال کو اپنے اس نے اٹھایا
گھر کی طرف اپنے وہ لوٹا — راستے میں کچھوے کو پایا
سوچا آج ہے خالی جھولا — مال غنیمت اس کو سمجھا
اٹھا کے اپنے جھولے میں رکھا — اب کچھوا بے حد گھبرایا
پھر ان تینوں نے گر اک سوچا — یعنی ہرن بن جائے لنگڑا
ہرن شکاری کے پاس جو پہنچا — سامنے جا کر بن گیا لنگڑا
خاک پر رکھ کر اپنا جھولا — گیا ہرن کا اس نے پیچھا
جا کر پھر چوہے نے جھولا — کاٹا اور کچھوے کو نکالا
ہرن کو کوے نے جا کے خبر دی — کچھوے نے بھی نجات پائی
بھاگ ہرن نے اپنی رہ لی — لوٹ کے آیا پھر وہ شکاری
دیکھا کچھوا بھی ہے غائب — اب وہ بالکل ہی تھا خائب
سمجھ میں جب اس کی یہ آیا — اس دن سے پھر کبھی نہ آیا

دیکھا تم نے پیارے بھائی
ہم سب ہوں ایسے ہی بھائی

سیپ محل

سید ابو طاہر بی ایس سی

(اس کا پہلا باب "کان کماری" پیام تعلیم سالنامہ ۱۹۴۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔)

کہتے ہیں کہ جونہی مہاراج پر کان کماری اور راجکمار وَرن کی اس خفیہ محبت کا حال کُھلا اس نے فی الفور کان کماری کو ایک طلسمی محل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید کر دیا اور اُس کی بناوٹ بموجب طلسم کے ایسی رکھی کہ اُس میں سے نہ اندر والا باہر آ سکتا اور نہ باہر والا اندر جا سکتا، نہ اندر کی چیز باہر سے دکھائی دیتی اور نہ باہر کی چیز اندر سے نظر آتی۔ پھر بھی کوئی بات ہو وہاں بن پہنچے نہیں رہتی یہ طلسم نہیں تو اور کیا ہے؟ تفصیل اس کی سیاحوں کی زبانی اس طور پر معلوم ہوئی کہ دور سے بس ایک پھاٹک نظر آتا ہے۔ جو مومی تختہ کا بنا ہوا اور اس پر سے بانات کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ اندر اس پھاٹک کے کتنے ہی طاقچے اور صنچیاں ہیں کہ جن میں نہ کہیں جوڑ نظر آتا ہے اور نہ دراز۔ بس دن رات مچھلی کی آنکھ کی طرح کھلا رہتا۔ اس پھاٹک میں قدم دھرو تو ایک دہانہ ملتا ہے جو سیپ محل کی خندق کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسا ٹیڑھا بکچا راستہ کہ اس میں خیال بھی ٹھوکریں کھائے اور لاکھ سر مارے آگے راستہ نہ پائے، دیواروں میں اس کی پیچھے ہوئے سوتوں کے خزانے ہیں کہ جن میں سر شیرے کے مثل گاڑھا گاڑھا مادہ خارج ہوتا رہتا۔ بے چارے بھولے بھٹکے مسافر اسی دلدل میں پھنس کر رہ جاتے، آگے قدم نہ بڑھا سکتے، اگر ہمت دستگیری کرتی تو تھوڑی دور بھٹکنے کے بعد ایک روشن دان نظر آتا کہ بموجب دیکھنے اُس کے سیاح جی میں پھولا نہ سماتا۔ خیال کرتا کہ چلو قلعہ کے اندر جانے کی راہ پائی، دلی مراد ہاتھ آئی۔ لیکن جونہی قدم آگے بڑھاتا سر کسی سخت چیز سے جا کر ٹکراتا۔ جب ہوش و حواس ٹھکانے ہوتے سبب ٹکر کھانے کا ظاہر ہو جاتا حقیقت میں

وہ روشن دان ایک طلسمی پردہ ہے کہ مثل
جس کا نہ تو آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں
نے سنا کیفیت اس کی یہ ہے کہ صفائی میں آب
رواں [illegible] میں ریشم، نزاکت میں چراغ
کی لو اور سختی اور تناؤ میں ابرو کے بل اس
کے سامنے ہیچ ہیں، مشہور ہے کہ اس پردہ میں
کان کماری کی جان ہے، جس دن ٹوٹ جائے
گا لاکھ کا گھر خاک ہو جائے گا۔ لیکن جونہی راجکمار
وَران جسے کان کماری کی محبت میں ایک لمحہ
بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہیں، اس پردہ
کے قریب آتا ہے، بموجب خاصیت اس
طلسم کے رزنے لگتا ہے، تمام سیپ محل میں
زلزلہ سا آجاتا ہے اور اس میں راجکمار کی
آواز گونجنے لگتی ہے، جو روشن دان سے
لگ کر اس طرح باتیں کرتا ہے کہ گویا خود
کان کماری کے حضور میں کھڑا ہے۔ طلسم کا
کمال تو دیکھیے کہ اِدھر اس کے منہ سے بول
نکلتے ہیں اور اُدھر اُسی کے ساز پر کان کماری
کے ہاتھ کا ستار خود بخود بجنے لگتا ہے۔ اصل میں
بھید اس کا پردہ کے پیچھے ہے، جہاں ایک
اندھیارے برج میں کہ جس میں نہ در ہے
نہ دروازہ، تین طلسمی کنیزیں، جسم پر جن کے
گوشت د پوست کا نہ نام ہے نہ نشان ایک

دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، دن رات
ایک ٹانگ پر کھڑی رہتی ہیں، تفصیل اُن کی
اس طور پر ہے کہ پہلی کنیز "موگری" پردے
کان لگائے رہتی ہے، دوسری کنیز "امرت"
اُس کے برابر اِستادہ ہے اور تیسری کنیز
رکاب اپنا سر روشن دان کے مقابل کی دیوار
پر لگائے کھڑی ہوئی ہے۔ جس دم راجکمار باہر
سے صدا دیتا، پردہ بدستور ہلنے لگتا اور دونوں
کنیزیں اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر، راجکمار
کے ساز پر باری باری تھرکتیں اور تیسری کنیز
بی رکاب اپنے سر کے ٹھوکوں سے دیوار
پر طبلہ سا بجانے لگتیں۔ اگر کوئی اس وقت سر
اس کنیز کا دیوار سے الگ کر دے تو اُسے
ایک روزن سا نظر آئے گا جو دراصل چور
دروازہ ہے سیپ محل کا اور وہیں مقام
ہے کان کماری کا، لیکن پتہ لگا لینا اس کا سخت
دشوار ہے، کیونکہ اگر کوئی روزن میں داخل
بھی ہو جائے تو پھر وہ خود کو ایک اندھیاری
باؤلی میں پائے گا، پانی جس کا اتنا ساکن ہے
کہ لہروں اور بلبلوں کا بھی سر اٹھاتے دم نکلتا
ہے۔ لیکن یہ نقشہ دم بدم بدلتا رہتا ہے کیا ہوتا
ہے کہ جس دم سر رکاب کنیز کا برج کی دیوار
ٹھوکے دیتا ہے اثر اُس کا روزن کے ذریعہ

[illegible] کے پانی میں پہنچ جاتا ہے۔ بس اسی دم سوئے جاگ اٹھتیں۔ مچھلیاں زندہ ہو جاتیں۔ بھنور بننے لگتے اور طوفان کی سی کیفیت نمودار ہو جاتی۔ صاف ظاہر ہو جاتا کہ راجکمار "روشن دان" کے دوسری طرف کھڑا اپنا حال کہہ رہا ہے، جبھی تو سوتے جاگ اٹھے اور مردے زندہ ہو گئے۔ پانی گھومتا، چکر کاٹتا، گڑگڑاتا باؤلی کی تہ میں اترتا نظر آتا۔ اگر اس دم کوئی اس کے بھنور میں پھنس جاتا فی الفور ہوش و حواس کھو بیٹھتا۔ جب آنکھیں کھولتا اپنے تئیں باؤلی کی تہ میں پاتا۔ جہاں بسبب پانی کے کچھ بھی نظر نہ آتا لیکن جس وقت آنکھیں ٹھہرتیں تو مچھلی کی طرح اطراف کے عجائبات دیکھ سکتا، یہاں تک کہ اس کی عقل حیران رہ جاتی اور زبان پر بے اختیار کلمہ "سبحان اللہ" جاری ہو جاتا۔ اگر آگے قدم بڑھاتا عمر بھر بھٹکتا پھرتا۔ راستہ باہر جانے کا نہ پاتا۔ سبب اس کا عمارت کی بناوٹ کا طرز ہے کہ گھونگھے کے خول کے مانند اوپر سے گنبد کی طرح گول اور فراخ نظر آتی اور جوں جوں نیچے اترتے جاتے تنگ ہوتی جاتی۔ راستوں میں اس قدر چکر ملتے کہ سر چکرانے لگتا۔ طرفہ ماجرا یہ کہ ایک ہی طرف

سیکڑوں راستے جاتے نظر آتے اور جوں جوں آگے بڑھتے جاتے تنگ ہوتے جاتے ہر قدم پر تاروں کے ان گنت جال تنے نظر آتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال لگا دئے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی کان کماری کا ستار ہے جس دم پانی کی لہریں ان تاروں کے درمیان سے گھومتی، بل کھاتی تھرکتی اور ناچتی گزرتیں تو یہ آپ ہی آپ بجنے لگتے ہیں۔ حیرت ہوتی کہ ایسے مست نغمے پانی کی انگلیوں سے کس طرح پیدا ہو رہے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی سریلے نغمے راجکمار ورن کے پیام ہیں جو باری باری سے روشن دان کے پرلے برج کی تین طلسمی کنیزوں اور باؤلی کے پانی کی موجوں کے ذریعے کان کماری کے ستار کے تاروں میں جھنکار پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن آج تک یہ راز کسی کو نہ معلوم ہوا کہ کان کماری خود کہاں روپوش ہے۔ مگر اتنا یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نغمے سیپ محل کی دیواروں میں سے چھن چھن کر باہر نکل جاتے اور وہاں سے طلسمی کبوتروں کی پیٹھ پر بیٹھ کر آتا تا مہاراج کے حضور میں پہنچ جاتے ہیں۔ جبھی تو وہ اپنے بند قلعہ میں بیٹھا سب کچھ سنا کرتا ہے۔ لیکن اگر آج راجکمار اپنی باتیں بند کر دے تو
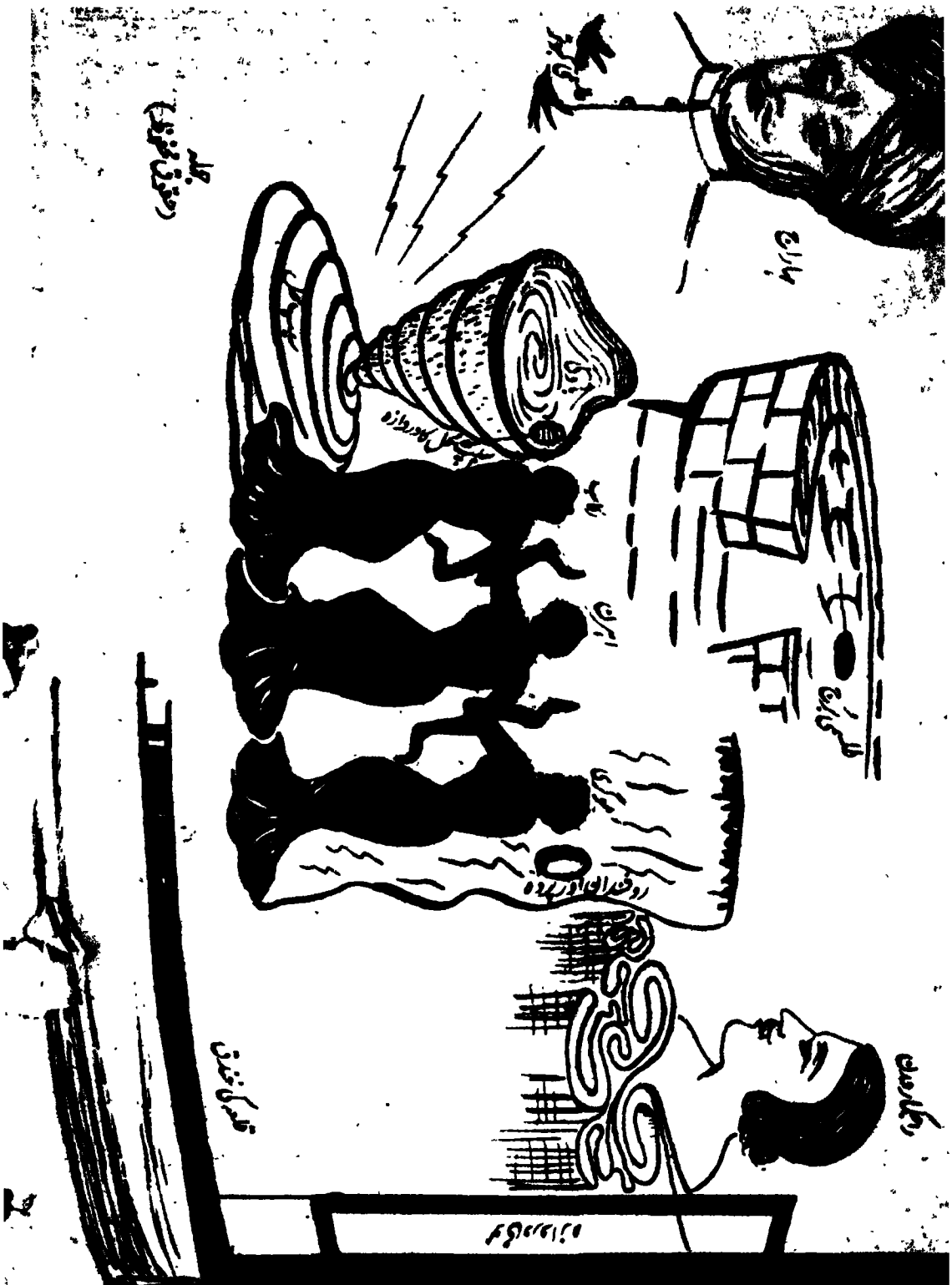
مہاراج
طلسمی برج
قلعہ کی خندق
جملہ (حقوق محفوظ)

بہت دنوں کا ذکر ہے، [illegible] کا، دنیا میں ایک بڑا زبردست زلزلہ آیا تھا زلزلہ تھا یہ، ارے بھائی دُنیا کا تمام نقشہ ہی ڈانواں ڈول ہو گیا۔ کتنے جزیرے اِدھر اُدھر ہو گئے، براعظم اُلٹ پھیر ہو کر دُوسرے ملکوں سے جا لگے۔ دُنیا کے تمام چرند پرند اور انسان سب مر کھپ گئے۔ صرف ایک بیچارہ انسان کسی بچھوے کی پیٹھ پر بہتا بہاتا اُس عذاب سے بچ گیا تھا۔ اُس نے پھر جو ان ملکوں کی سیر کی تو اُس کو دُنیا بڑی عجیب معلوم ہوئی۔ اُس نے اُس کا نقشہ بنا کر اپنے پاس رکھ لیا خدا کا کرنا کیا ہوا کہ جس روز وہ انسان مرا، اُسی روز پھر غضب کا زلزلہ آیا اور اس زلزلے سے ہی دُنیا جیسی پہلے تھی ویسے ہی پھر ہو گئی

ابھی ابھی کوئی نوا نے کم سو سال کا ذکر ہے کہ مجھے ایک عجیب طریقہ سے وہ نقشہ ہاتھ لگا۔ اور میں نے اُسے تم لوگوں کے لئے بھیج دیا۔ ذرا دیکھو تو یہ کتنا دلچسپ ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس میں کیا کیا اُلٹ پھیر ہے؟ ہاں مگر اس کو دیکھتے وقت ذرا اُن بڑے بڑے اور اہم جزائر کا خیال ضرور رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ اِن کو دُرست کرتے وقت تم ایک تیسرا زلزلہ کر بیٹھو۔ تو اب ذرا کوشش تو کرو۔
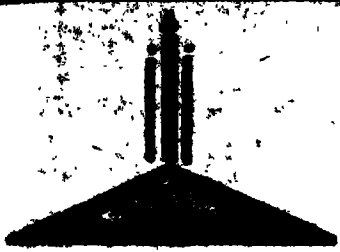
عزیزی! خوش رہو!

تمھارا خط ملا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ بہت دنوں سے ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں ہر طرف پانی ہی پانی ہے۔ اس دنیا میں طوفان اور موجوں کی حکمرانی ہے زمین کے بسنے والوں سے ہمیں چھوٹے ہوئے مدت ہوئی پر جب تمھارا خط ملا تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ہم تم ہی میں ہیں۔ آج کل ہم ایک نہایت ہی چوڑے چکلے سمندر کے سینے پر ہیں۔ اس سمندر کو جغرافیے کی زبان میں۔ بحرالکاہل۔ کہتے ہیں۔

بحرالکاہل کے شمال میں امریکہ کا الاسکا اور ایشیا کا کمچٹکا ہیں۔ جنوب میں امریکہ کا کیپ ہارن اور آسٹریلیا کا سڈنی۔ یہ سمندر شمال میں ۶۰ درجے اور جنوب میں ۶۰ درجے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ بحرِ ہند سے کوئی ڈھائی گنا ہے۔ اس سمندر میں سیکڑوں چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ نیوزی لینڈ، جزائر جاپان، جزائر فجی، فرینڈلی، سانڈوچ، نیوگنی بورنیو، فلپائن بڑے بڑے جزیرے ہیں۔ بحرالکاہل کے ایک طرف شمالی اور جنوبی امریکہ اور دوسری جانب براعظم ایشیا اور آسٹریلیا ہیں۔ دنیا کے سارے سمندروں میں یہ سب سے گہرا ہے۔ اس وسیع سمندر میں بحری رَوئیں (گرم اور سرد) کہ اور دھند سبھی کچھ ملتے ہیں۔ جاپانی یا کیوروسیو کی گرم رَو خطِ استوا سے نکل کر ایشیا کے مشرق سے ہوتی ہوئی شمال کی طرف امریکہ کے مغربی کنارے تک جاتی ہے اور یہاں سے خطِ استوا کی طرف پلٹ کر پھر ایشیا کی طرف مڑ جاتی ہے۔ یہ بڑی فائدہ دینے والی رَو ہے۔ اس کی وجہ سے امریکہ سے ایشیا آنے والے جہازوں کو بہت بڑا فائدہ ہے! اس رَو کی ایک شاخ آسٹریلیا کے مشرقی کنارے پر قطبین سے آنے والی سرد رَو سے ملتی ہے۔ قطب شمالی سے جزیرہ کمچٹکا کی طرف چلنے والی سرد رَو جاپان کے نزدیک گرم رَو سے ملتی ہے کہ جو کہ قریب نیو فاؤنڈ لینڈ کی سی حالت ہے۔ یہاں بہت سارے رَوؤں کے ملنے سے کئی ایک بھنور پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر بھولے سے جہاز ان بھنوروں میں پھنس جائیں تو

[...] کا فریب گھوم کر ہمیشہ کے لئے پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ان خطروں سے بچنے کے لئے یہاں خالی کوپنے ڈال دیے جاتے ہیں۔ بھنور کے اثرات کئی میل تک ہوسکتے ہیں۔ سطح سمندر کے نقشے بنا لئے گئے ہیں جن کی مدد سے جہاز بھنور کی زد سے بچ جاتے ہیں۔

عزیزی! خط بہت لمبا ہو رہا ہے لیکن شاید میرے سفر کی چند عجیب اور نئی باتیں تمہاری دلچسپی بڑھا سکیں۔

دورانِ سفر میں بہت سے طوفان آئے۔ کوئی ہفتہ بارش سے خالی نہیں! موسمی ہوائیں بھی اس سمندر پر اپنا خوب زور دکھاتی ہیں۔ کبھی کبھی قطبین سے آنے والی ہوائیں ایک دوسرے سے مل کر سارے سمندر میں ہل چل ڈال دیتی ہیں۔ ایسے وقت پانی کی لہریں چکر لگاتی ہوئی سطح سے بلند ہو جاتی ہیں۔ یہ منظر دلکش ضرور ہوتا ہے مگر جہازوں اور کشتیوں کے لئے خطرے سے خالی نہیں۔

اس قسم کا ایک واقعہ ہمارے ساتھ بھی پیش آیا جب ہم گر ینچ   کے مغرب میں پہنچے تو شمال سے طوفان اٹھتا دکھائی دیا۔ خطرے کو بھانپ کر فوراً ہی جہاز کی سمت بدل کر جزائر فجی کا رُخ کیا گیا۔ اس طوفان میں سمندر کی موجیں چاروں طرف سے اپنی پوری قوت سے بلند ہوتی ہیں اور پھر ایک دوسرے پر گر جاتی ہیں۔

تم نے جغرافیے میں جزائر فجی کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ یہ وہی جزیرہ ہے جہاں پہلے ہندوستانی مزدور لے جائے گئے تھے اور ان سے سخت سخت کام لئے جاتے تھے اور اب بھی یہاں کچھ ہندوستانی مزدور ہیں لیکن اب حالت کچھ سدھر گئی ہے۔ ہم یہاں صرف ایک دن رہے یہاں ہندوستانی مزدوروں کو دیکھ کر مجھے اور ایک ہندوستانی آدمی کو دیکھ کر انھیں کتنی خوشی ہوئی! ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان میں ہماری باتیں ہوئیں۔ جزائر فجی سے جزیرہ سامئن کے گرد چکر لگا کر ہم نے پھر خط استوار کو پار کیا۔ اس وقت ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی۔

دوپہر کا وقت تھا، کوئی دو یا تین بجے ہوں گے سمندر پُرسکون تھا۔ اتنے میں دور فاصلے پر دھوئیں کے بادل اُٹھتے دکھائی دئے۔ یہ دیکھ کر میرا ایک ساتھی کہنے لگا اب تو جہاز کی تباہی یقینی ہے وہ دھوئیں کے بادل دیکھے تم نے؟ یہ سمندر کی جوالا مکھی ہے! یہ زمین کے آتش فشاں کی طرح نہیں ہے بلکہ سمندر کے پیٹ سے اکثر اس قسم کا مادہ پھوٹتا ہے اس سے سمندر میں نئے نئے جزیرے پیدا ہوتے ہیں یہ جیسا کہ ہمیں نظر آرہا ہے اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے ورنہ اس کے اثر سے سمندر کا پانی جوش مارنے لگتا ہے اور موجیں سینکڑوں فٹ بلند ہو ہو کر گرتی ہیں۔"

ہمارے کپتان نے یہ کیفیت دیکھ کر پھر جہاز کا رُخ بدل دیا۔ کہر، دھند اور قوسِ قزح کی تو بھرمار تھی! سچ تو یہ ہے کہ بحری سفر کا لطف رات میں آتا ہے۔ جب سمندر پُرسکون ہوتا ہے تو نیلے آسمان

پر [illegible] بیتاب سے
بہت ہی [illegible] ہیں۔ سمندر پر سفر کرنے والوں کے
ساتھی اس وقت کون ہوتے ہیں اچھلانگ مارنے
والی مچھلیاں، تیرنے والے پرند، چاند اور [illegible]
خط بہت لمبا ہوگیا۔ اب آئندہ پھر کبھی
نئی نئی باتیں لکھوں گا۔

ٹکٹ

اطلاع:۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ آنا ضروری ہے۔ ورنہ عدم تعمیل حکم پر شکایت معاف۔ ایک روپیہ سے کم کا وی، پی نہ بھیجا جائے۔ ایک روپیہ سے زیادہ کی خریداری میں قیمت بذریعہ منی آرڈر آنی چاہئے، محصول ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا۔ ایک روپیہ کی خریداری پر اقبال یا حالی یا جامعہ کی کوئی منظوم کتاب انعام۔

۲۔ ساترا ۱ر	۱۔ جوہر ۱ر	۶۔ حیدرآباد ۱ر	۵۔ ہندوستانی ریاستیں ۱ر
۲۔ سراوک ۱ر	۴۔ نیوزیلینڈ ۱ر	۲۔ عرب ۱ر	۵۔ ایشیائی ممالک ۱ر
۱۔ گڈا ۱ر	۵۔ آئرلینڈ ۱ر	۶۔ ناروے ۱ر	۱۰۔ یورپین ممالک ۱ر
۲۳۔ برما جدید ۱ر	۱۰۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ ۱ر	۳۔ رومانیہ ۱ر	۸۔ امریکن ممالک ۱ر
۲۰۔ برما قدیم ۱ر	۱۲۔ انگلستان ۱ر	۵۔ ڈنمارک ۱ر	۲۵۔ مختلف ممالک ۱ر
۸۔ ٹرانکور ۱ر	۱۲۔ جرمنی ۱ر	۵۔ فرنچ مقبوضات ۱ر	۳۔ سلانگور ۱ر
۴۔ ملایا ۱ر	۶۔ آسٹریا ۱ر	۴۔ ممالک اسلامی ۱ر	۴۔ ریاستہائے ملایا ۱ر
۲۔ کلنتن بڑا سائز خوبصورت ۱ر	۶۔ آسٹریلیا ۱ر	۲۔ گوالیار اسٹیٹ ۱ر	

مقصود احمد صدیقی راجہ پور سکرور سرائے میر اعظم گڈھ

عزیز بچیو! نیا سال مبارک! خوش رہو اور تندرست۔ لو صاحب! بات کی بات میں ایک سال اور گذر گیا نیا سال آپہنچا اور اس کے ساتھ تمہارے پیام تعلیم کا سالنامہ بھی! مگر کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ نئے سال اور سالنامے کی آمد کے ساتھ تمہاری ننھی سی عمر میں ایک پورے سال کا اضافہ ہوگیا یعنی تم ایک سال اور بڑی ہوگئیں اور اسی حساب سے تمہاری عقل اور سمجھ بھی بڑھ گئی۔ روزمرہ کے کام بھی کچھ زیادہ ہوگئے تو اسی طرح جب تم خوب بڑی ہو جاؤ گی تو تمہارے کام کتنے بڑھ جائیں گے! ابھی تم گڑیوں کی طرح گھر بھر کے لئے کھلونا ہو۔ جی چاہا پڑھ لیا جی چاہا کھیلتی پھریں۔ کبھی کبھار اپنی بساط کے لائق گھر کا کوئی کام کر لیا۔ نہیں تو کوئی فکر نہیں۔ اب بھی تم اپنے گھر کی مالک ہو مگر ایسی کہ کوئی ذمہ داری گھر کی تم پر نہیں ہے نہ گرہستی کے کاموں سے کوئی واسطہ! یہ سب باتیں تو امی جان کے ذمے ہیں اور بڑی آپا اُن کا ہاتھ بٹاتی ہیں، مگر بڑی ہو کر جب تم ایک ایسے ہی گھر کی مالک بنو گی تو اس گھر کی ساری ذمے داری تم پر ہوگی۔ گھر کے سارے ہی کام خود کرنا یا اپنی نگرانی میں کرانا ہوں گے۔ کئی آدمیوں کی اچھی یا بُری زندگی بسر ہونے کا دار مدار بہت کچھ تمھی پر ہوگا۔ اُن کو خوش یا رنجیدہ رکھنا تمہارے اختیار میں ہوگا تم چاہو تو اس گھر کو اپنے اور سارے گھر والوں کے لئے جنت بناؤ یا دوزخ کر دو۔ ایک گھر ہی پر کیا دُنیا کے نہ معلوم کتنے کام تمہیں کرنا پڑیں گے! جن کا انجام دینا تمہارا فرض بن جائے گا، تو اب یہ تمہاری لیاقت پر منحصر ہے کہ تم اپنے فرائض کو اچھی طرح پورا کرو یا بُری طرح۔

اگر تم ایک اچھی اور قابل لڑکی ہو تو اپنے سارے فرائض ایسی خوبی کے ساتھ انجام دو گی کہ دیکھنے والے واہ واہ کریں گے۔ لوگ تمہاری عزت اور تعریف کریں گے۔ تمہاری زندگی بھی آرام و خوشی کے ساتھ بسر ہوگی مگر یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ تم ابھی سے اچھی اور قابل لڑکی بننے کی کوشش کرو۔ تم کہو گی واہ! کیا ہم اچھے نہیں ہیں ہم تو خوب جی لگا کر پڑھتے ہیں۔ سبق یاد کرکے فرفر ماسٹر صاحب کو سُنا دیتے ہیں، شاباش! تم بہت اچھی لڑکی

[illegible] اچھی [illegible] بننے کے لئے صرف پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم کے ساتھ [illegible]
[illegible] ضروری ہے۔ ان کے بغیر تعلیم پوری نہیں ہو سکتی۔ تم اچھی لڑکی بن سکتی ہو [illegible]
[illegible] دوسروں کو خوش رکھ سکتی ہو۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ تمھیں یہ چیزیں بھی سیکھنی چاہئیں [illegible]
[illegible] سیکھو۔ کتابوں میں جو اچھی اچھی باتیں پڑھو ان پر عمل بھی کرو۔ جس آدمی میں عمل نہیں اس کی تعلیم غلط اور بے کار
ہے۔ دوسروں کی بُری باتوں کی نقل نہیں کرنا چاہیے نہ اُن کی برائی کی مثال دینا چاہیے۔ اُن میں جو اچھی اور نیک
باتیں ہوں وہ سیکھنا چاہئیں۔ ہمیشہ اچھائی سے سبق لینا چاہیے اور اچھے اخلاق اور نیک عادتیں اپنے میں پیدا
کرنا چاہئیں۔ بڑے کوئی نصیحت کریں تو اُسے گرہ میں باندھ لو۔ یہ نہیں کہ اس کان سُنی اور دوسرے کان اُڑا دی
جب تم نصیحت پر توجہ ہی نہ دوگی تو اس پر عمل کیسے کروگی!

اکثر دیکھا گیا ہے کہ پڑھی لکھی لڑکیاں ان پڑھ یا تھوڑی پڑھی ہوئی لڑکیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتیں۔
اور ان کا مذاق اُڑاتی ہیں۔ یہ بات اُنھیں ہی بھاتی ہو! اچھے لوگوں کو تو ذرا اچھی نہیں لگتی۔ اس سے غرور اور
بُرے اخلاق کا ثبوت ملتا ہے اور دیکھنے والوں کی نظر میں ایسی لڑکیوں کی قدر گھٹ جاتی ہے۔ پڑھنے لکھنے کے
یہ معنی نہیں ہیں کہ بے پڑھوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جائے تعلیم تو دوسروں کی عزت کرنا اور ان کے ساتھ اچھا
سلوک کرنا سکھاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کو اپنی پڑھائی سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دیا جائے۔ خود
سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ جس سے بلو تمیز اور اخلاق سے پیش آؤ۔ پھر دیکھو تمھاری کتنی عزت ہوتی ہے اور
تمھیں کتنی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اپنی تعلیم سے دوسروں کو فائدہ پہنچاکر جو سچی خوشی ہوتی ہے وہ خود تعلیم حاصل کرنے
میں نہیں ہوتی۔

اسی طرح بعض امیر لڑکیاں غریب لڑکیوں سے ملنے میں اپنی توہین سمجھتی ہیں اور اپنے برابر والی یا اپنے سے
زیادہ امیر لڑکیوں سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ میری عزیز بچیو! امیری کا غرور بہت ہی بری چیز
ہے مثل مشہور ہے غرور کا سر نیچا۔ مغرور آدمی کو ایک نہ ایک دن ذلیل و شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ امیری ہو
یا غریبی یہ سب خدا کی دین ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے جس سے چاہتا ہے لیتا ہے۔ عزت اور ذلت امیری
اور غریبی سے نہیں ہوتی بلکہ اچھے بُرے اطوار سے ہوتی ہے۔ جب تم کسی کو سہیلی بناؤ تو اس کے امیرانہ ٹھاٹھ
دیکھ کر نہیں بلکہ اچھے اخلاق اور نیک عادتیں دیکھ کر، تاکہ اپنی سہیلیوں سے بھی تمھیں اچھی ہی باتیں سیکھنے کا موقع
ملتا رہے اگر تم ایسی ہی تمام اچھی باتوں کو اپنی تعلیم کا ایک جُز بنا لو تو اس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم رفتہ رفتہ ان کی عادی بن جاؤ

تمھاری طبیعت اُن کے موافق ڈھل جائے۔

آج کل آزادی آزادی کا بہت چرچا ہے۔ آزادی کوئی بُری چیز نہیں ہے دُنیا میں ہر آدمی آزاد رہنا چاہتا ہے۔ مگر آج کل آزادی کا مطلب دُوسروں کی دیکھا دیکھی۔ بچّوں نے جو سمجھ لیا ہے وہ یہ ہے کہ اُن کے بڑے اُن کے کسی معاملے میں دخل نہ دیں۔ روک ٹوک اُنھیں بالکل نہیں بھاتی۔ ہر بات میں وہ اپنی ہی من مانی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اگر تمھاری مرضی کے خلاف تم سے کوئی کام کرایا جائے تو تمھارے جی کو ضرور بُرا لگے گا وہ نہ کیا جائے جو تمھارا جی چاہتا ہو تو تمھیں رنج ہوگا۔ مگر بچو! تمھارے کاموں کے ذمّے دار تو تمھارے بڑے ہیں۔ اس لئے کہ تُم چھوٹے ہو، نادان ہو، اور اپنے کاموں کے اچھّے یا بُرے نتیجے کو نہیں جان سکتے۔ ہر آدمی کو دُنیا میں رہ کر اپنے کاموں کے نتیجے کا خیال کرنا پڑتا ہے اور اکثر بڑوں کو بھی بہت سے کام اپنی مرضی کے خلاف کرنا پڑتے ہیں اور دوسروں کی مرضی پر چلنا پڑتا ہے۔ وہی آدمی عزّت کے ساتھ رہتا ہے جو اپنے کام کے نتیجے کو سوچ کر کرے۔ ہمیشہ وہی نہ کرے جو اُس کے دل کو بھائے بلکہ وہ کرے جو سب کو بھائے اور جس میں سب کی خوشی اور بھلائی ہو۔ اس لئے کہ آگے چل کر سب کی خوشی اور بھلائی میں خود اُس کی بھلائی اور خوشی ہوتی ہے۔

یہ باتیں تمھارے بڑے تم سے زیادہ سوچ سکتے ہیں کیونکہ اُنھیں دُنیا کی بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اُن کا تجربہ بڑا ہوتا ہے۔ وہ تم سے جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ اگر اُن کا کہنا کبھی تمھاری مرضی کے خلاف ہو تو تمھیں بُرا نہ ماننا چاہیے، بلکہ خوشی سے اُن کے کہنے پر عمل کرنا چاہیے۔ اس میں تمھاری سلامتی ہے تو بس یہی باتیں ہیں جن کی بدولت تم اپنی آیندہ زندگی خوب اطمینان سے گذار سکو گی۔ اور تمھارے چھوٹے بڑے سبھی تم سے خوش رہیں گے۔

عطیہ نے پکڑلی اک بھنبیری

مریم عقیل علی گڑھ

میں اپنی چھت پہ سایہ میں کھڑی تھی
کہ اُڑتی اُڑتی آئی اک بھنبیری
بہت لمبے سفر سے آرہی تھی
بچاری اُڑتے اُڑتے تھک گئی تھی
جو دم لینے کی خواہش دل میں آئی
وہیں دیوار کے کونے پہ بیٹھی
جو یہ دیکھا تو میرے دل میں آیا
کسی ترکیب سے پکڑوں بھنبیری

جہاں بیٹھی ہوئی تھی وہ بھنبیری
بہت آہستہ آہستہ میں پہنچی
ارادہ تھا کہ چپکے سے پکڑ لوں
مگر وہ بھی بہت ہشیار نکلی
بڑھایا جوں ہی میں نے ہاتھ اس تک
ہوا میں اُڑ گئی وہ دُم ہلاتی

جو یہ دیکھا تو ماجد مسکرائے
ہنسی بجیا کو بھی کچھ اس پہ آئی
جوں ہی ہنستے ہوئے ان سب کو دیکھا
بڑی مجھ کو ہوئی شرمندگی سی

منٹ دس پانچ گذرے ہوں گے شاید
کہ اتنے میں پھر آئی اک بھنبیری
اُڑی پہلے تو دائیں اور بائیں
سمجھ کر سوچ کر کھمبے پہ بیٹھی
پکڑنے کا کیا میں نے ارادہ
دبے پاؤں میں اُس کے پاس پہنچی
مرے جوتے کی کچھ آہٹ سی پاکر
ہوا میں اُڑ گئی وہ تلملاتی
میاں ماجد ہنسے بجیا یہ بولیں
"عطیہ بس پکڑ لی اک بھنبیری"

عطیہ کا چھوٹا بھائی

پڑا جو کر [illegible] کہنا | بہت ہی میرا جلایا جی [illegible]
بہت بجیا نے جب مجھ کو ستایا | میں روتی روتی امی پاس پہنچی

سنا جب اچھی امی نے یہ قصہ | تو سمجھایا بہت، ہمت بڑھائی
کہا جاؤ کرو کوشش دوبارہ | ابھی پھر آتی ہوگی وہ بھنبیری
یہی ہے کام اچھے بچوں کا | کہ وہ ہمت نہ ہاریں گے کبھی بھی

خوشی کی لہر سی اک دل میں دوڑی | جو اتنے میں پھر آئی اک بھنبیری
یہ مانا تھی بہت چلتی ہوئی وہ | بہت ہشیار میں بھی ہوگئی تھی
لپک کر میں نے پکڑا اس کی دم کو | جوں ہی لکڑی کے کونے پر وہ بیٹھی
بہت ہی تلملائی پھر پھرائی | مری چٹکی میں اس کی دم جب آئی
پروں سے کچھ طمانچے میرے مارے | کبھی پنجوں سے میری ناک نوچی
بڑی محنت سے پکڑی تھی بھنبیری | بھلا کس طرح سے میں چھوڑ دیتی
مگر اس کی مسلسل کوششوں سے | مری چٹکی ہوئی جاتی تھی ڈھیلی
پکارا میں نے بجیا کو کہ آپا | ذرا جلدی سے لاؤ ایک ڈوری
یہ سنتے ہی جھپٹ کر آئیں بجیا | لپک کر پھر گئیں دالان میں بھی
بالآخر ڈھونڈتی جلدی سے پہنچیں | جہاں امی کی تھی سینے کی پیٹی
لئے ریچک وہ میرے پاس آئیں | بہت خوش خوش لپکتی اور جھپکتی
بڑا سا ایک دھاگا دم میں باندھا | جہاں تک ہو سکا لمبی سی کر دی
سرا دھاگے کا اپنے ہاتھ میں لے | اڑائی پھر ہوا میں وہ بھنبیری
ہوا ہر سمت شور اور غل غپاڑا | "عطیہ نے پکڑ لی اک بھنبیری"
میاں ماجد بھی میرے پاس دوڑے | چچا تو بھی آئے لے کے لکڑی
یہی سب کہہ رہے تھے باری باری | اڑانے کو ذرا دے دو ہمیں بھی

مگر افسوس پھندا تھا جو ڈھیلا | دبا کر دم نکل بھاگی بھنبیری
رہا دھاگا تو ہاتھوں میں ہمارے
ہوا میں اڑ گئی "آفت کی پتلی"

ایک لکڑہارے کی کہانی

محمد صالح درجہ سوم تعلیمی مرکز
عمر ۹ سال

ایک لکڑہارا تھا وہ جنگل سے لکڑیاں بینتا۔ اور بازار میں جا کر بیچ دیتا اس سے جو پیسے ملتے ان سے اپنا خرچ چلاتا۔

اس کے دو بیٹے بھی تھے ایک پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اور دوسرا تیسری میں ایک دن وہ لکڑہارا لکڑیاں بازار میں بیچ کر گھر واپس آرہا تھا تو راستہ میں اس کو ایک عورت ملی جو پیاس سے بیتاب ہو رہی تھی اس لکڑہارے نے اس پر ترس کھا کر اس کو پانی پلا دیا۔ وہ عورت اس لکڑہارے کو دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر چلی گئی۔

جاڑا

مطیع اللہ خاں تعلیمی مرکز دہلی جماعت سوم

گرمی گئی جاڑا آیا۔ لوگوں نے ٹھنڈے کپڑوں کی جگہ گرم کپڑے پہن لئے۔ باہر ہوا میں سونے کے بجائے اندر کمروں میں لحاف اوڑھ کر سونا شروع کر دیا۔ اُف آج کس قدر سردی ہے سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہا ہے۔ لحاف سے باہر قدم رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہوا بھی بہت تیز اور ٹھنڈی ہے یہ دسمبر کا مہینہ ہے جبھی تو اس قدر سردی ہے بلا کی سردی پڑ رہی ہے۔ بچوں کا تو بستر سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا ارے ہو نو بج گئے، مدرسے کا وقت ہو گیا۔ لپک جان چائے لاؤ۔ ذرا گرم ہو کر مدرسے جائیں۔ جلدی کرو اگر دیر ہو گئی تو غیر حاضری لگ جائے گی۔

چین کی ایک کہانی

محمد طارق بنارس

بہت دنوں کی بات ہے، چین کے ملک میں ایک آدمی بہت امیر اور ظالم تھا۔ اس کے ایک لڑکی تھی اس کا نام کونگ سی تھا وہ آدمی چاہتا تھا کہ اپنے ایک ظالم دوست سے اس کی شادی کر دے۔ لیکن لڑکی کہتی تھی میں نے آپ کے سکریٹری چانگ سے وعدہ کر لیا ہے۔ وہ آدمی اس کے یہ کہنے سے بہت خفا ہوا اور اسے ایک چھوٹی سی کوٹھری میں بند کر دیا۔ اب وہ بہت پریشان رہا کرتی تھی، ایک روز اس نے چانگ کا خط پایا۔ لکھا تھا کہ میرے پاس آکر شادی کر لو۔ اس نے جواب میں لکھا "اگر تم بہادر ہو تو مجھے آکر لے جاؤ، وہ ایک روز آیا اور کونگ سی کو لے گیا اور دونوں نے شادی کر لی، لیکن اس ظالم نے ایک روز رات میں اِن کے گھر کو آگ لگا دی مگر وہ دونوں کبوتر بن گئے۔

ایک غریب آدمی

ہمایوں عمر ملک ہوشیار پور

کسی گاؤں میں ایک غریب آدمی رہتا تھا۔ ایک دن جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کے لئے جا رہا تھا کہ ایک شیر نے اُس پر حملہ کر دیا۔ اس نے بھی کلہاڑے سے اُس پر حملہ کر دیا تھوڑی سی دیر میں اُس نے شیر کو مار کر اُس کی کھال اُتار لی۔ وہ کھال کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ اُن دنوں شیر کی کھال بڑی قیمتی چیز ہوتی تھی۔ بادشاہ کھال کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کر دی اور اُسے اپنا ولی عہد بنا لیا۔

وہ غریب آدمی پھر ایک امیر آدمی ہوگیا۔

ہزار سال پہلے کا قانون

از مشتاق احمد کوثر بھوپالی

"خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو میں بے گناہ ہوں۔ یہ کیا ظلم ہے کہ دوسرے کے جرم میں مجھے سزا دی جا رہی ہے" ایک غلام نے فریاد کی۔ اُس کے آقا امیر قبوطم نے امیر ناکم کے غلام کو آگ میں ڈال کر مار ڈالا ہے۔ اور قانون کی رُو سے اس کے آقا کی بجائے اس غلام کو آگ کی بھٹی میں ڈالا جا رہا ہے۔

خونخوار سپاہی اسے رسّوں سے کسے ہوئے دہکتی ہوئی بھٹی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بیچارہ غریب دردناک آواز سے چلّا چلّا کر سپاہیوں سے کہہ رہا ہے "خدا کے واسطے مجھے چھوڑ دو کیا تمہارا یہی انصاف ہے کہ بجائے ایک امیر کے اُس کے غلام کو آگ میں ڈالا جا رہا ہے" تھا کہ ایک خونخوار سپاہی اپنے سردار کے حکم سے آتا ہے اور غریب غلام کے برہنہ جسم پر کوڑے مارتا ہے اور کہتا ہے "اے بے وقوف خاموش بہت بک چکا۔ او نابکار تُو اپنی قسمت کا فیصلہ سن بادشاہ نے تیرے لئے یہ حکم صادر فرمایا ہے:

"تحقیق سے اچھی طرح معلوم ہوگیا ہے کہ امیر قبوطم نے امیر ناکم کے نوجوان غلام کو آگ میں گرا کر مار ڈالا ہے۔ اس لئے ہم قانوناً یہ حکم دیتے ہیں کہ جس طرح امیر قبوطم نے امیر ناکم کے جوان غلام کو آگ میں ڈال کر مار ڈالا ہے اسی طرح امیر قبوطم کے غلام کو بھی دہکتی آگ کی بھٹی میں ڈال کر ختم کر دیا جائے۔"

نوجوان غلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور ایک آہ بھر کر کہنے لگا خدا تم لوگوں کی حالت پر رحم کرے یہ اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ چند وحشی سپاہی چلّائے۔ سردار بھی تیار تھے۔

سردار نے سپاہیوں کی طرف مخاطب ہو کر حکم دیا۔ "بہادرو تیار ہو جاؤ"۔

چار سپاہی آگے بڑھے اور غلام کو گھسیٹتے ہوئے اس بھٹی کے پاس لے گئے جو اب دوزخ کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ پھر سردار نے حکم دیا ہوشیار ہو جاؤ۔ چاروں سپاہیوں نے غلام کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھا لیا۔

پھر سردار نے نہایت وحشی آواز میں گرج کر حکم دیا "ڈال دو" اور ان بے رحم سپاہیوں نے اس غریب کو دہکتی ہوئی بھٹی میں ڈال دیا اور آگ کے شعلوں نے لپک کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

آج سے چار ہزار سال پہلے ایسے ہی قانون تھے۔ بابل اور نینوا سے جو تختیاں دستیاب ہوئی ہیں اُن سے اچھی طرح اُس زمانہ کی حالت کا پتہ چلتا ہے۔ ان تختوں کا ترجمہ امریکہ کے مشہور

[illegible] یہ الٹرا وائلٹ۔ پی ایچ نے بڑی محنت سے کاپی کی

سائنس کا مشغلہ

محمد خلیق الزماں اندور

پتھر، تانبا، پیتل، جست یہ ایسی چیزیں ہیں جو پانی میں نہیں گھلتیں مگر کچھ تیزاب ایسے ہیں جن میں یہ چیزیں گھل جاتی ہیں۔ اگر تم کسی ڈاکٹری دکان پر سے ہائڈرو کلورک ایسڈ لا دو تو میں تمہیں پتھر اس میں گھلا کر بتاؤں۔

اس کے کرنے میں ان چیزوں کی ضرورت ہوگی ایک کانچ کی شیشی ایک سنگ مرمر کا چھوٹا سا ٹکڑا اور ایک دو بوند پانی۔ اور ایک موم بتی۔

سنگ مرمر کا ٹکڑا اس شیشی میں ڈال کر اور تھوڑا سا پانی ڈال کر دو بوندیں ہائڈرو کلورک ایسڈ کی ڈال کر ۱۰ منٹ تک رکھ دو جب وہ ٹکڑا اس میں گھل جائے تو موم بتی جلا کر اس شیشی کے منہ پر لگاؤ۔ وہ موم بتی بجھ جائے گی۔ یہی بھاپ ریل میں ہوتی ہے۔ کہ اگر ریل میں آگ لگ جائے تو جلد سے جلد بجھائی جا سکے۔

آسمان

ایم۔ خادم اللہ نثار۔ چارسدہ

جدید تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ آسمان چھت نہیں بلکہ حد نظر ہے یعنی اس مقام کے آگے انسان کی نظر جا نہیں سکتی۔ حال ہی میں ہوائی جہاز پر اڑنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ جوں جوں انسان کرۂ ہوائی کے اوپر جاتا ہے۔ آسمان بھی اتنا ہی اوپر نظر آتا ہے۔ اور مختلف بلندیوں پر اس کا رنگ بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۲ ہزار فٹ تک آسمان کا رنگ سمندر کے نیلے پانی کی طرح ہوتا ہے اس کے بعد ۲۰ ہزار فٹ کی بلندی پر گہرا نیلا۔ ۴۰ ہزار فٹ کی بلندی پر گہرا ارغوانی ۵۵ ہزار فٹ کی بلندی پر گہرا ارغوانی ۶۵ ہزار فٹ کی بلندی پر بھورا مائل ارغوانی اور [illegible] ہزار فٹ کی بلندی پر آسمان گہرا بھورا نظر آتا ہے۔

جمشید پور

سرجیت سنگھ ٹاٹا نگر

جمشید پور ہندوستان کے بہت خاص شہروں میں ہے۔ یہاں لوہے کا بہت بڑا کارخانہ ہے۔ اس کارخانہ کو ایشیا کا سب سے بڑا کارخانہ ہونے کا فخر حاصل ہے اور اس کارخانہ میں لاکھوں مزدور کام کرتے ہیں۔ جمشید پور کو بسانے والے ٹاٹا کمپنی کے بانی جمشید جی ٹاٹا ۳ مارچ ۱۸۳۹ء میں گجرات میں بمقام نوساری پیدا ہوئے تھے آپ کے والد کا نام جمشید جی نوشیرواں جی ٹاٹا تھا جو کہ ہندوستان کے معزز تاجر تھے۔

آپ کا کارخانہ اب بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ ہر سال ٹاٹا کے جنم دن یعنی ۳ مارچ کو کارخانہ دیکھنے کی عام اجازت تھی۔ لیکن آج کل لڑائی کی وجہ سے نہیں جانے دیتے کارخانے کے چاروں طرف بہت مضبوط دیوار بنا دی گئی ہے جمشید پور میں ٹاٹا کمپنی کے علاوہ اور بھی بہت سے کارخانے ہیں۔ ان میں تار کمپنی ٹن پلیٹ مشہور ہیں۔ پورے شہر میں بجلی اور پانی کا خاص انتظام ہے۔ مکانات ہوادار اور خوبصورت ہیں صفائی کا بہت اچھا انتظام ہے۔ رات کے وقت تو شہر بجلی کی وجہ سے جگمگا اٹھتا ہے۔ لڑکوں کی تعلیم کے لئے بھی کئی اسکول ہیں۔

پیاری بچیو اور بچو خوش رہو اور تندرست! تم نے سالنامہ پورا پڑھ لیا! کہو کیسا ہے۔ وہ تو وقت کے وقت ہمیں
ے کم کرنا پڑے ورنہ تمہیں اور بھی اچھے اچھے مضمون پڑھنے کو ملتے۔ یہ مضمون تم پیام تعلیم کے آئندہ پرچوں میں پڑھنا کاغذ
ی مہنگائی اب اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ ہمیں رسالہ وقت پر شائع کرنے میں بھی دقتیں پیش آرہی ہیں۔ ایک ہمارا ہی کیا سب اخبارون
ور رسالوں کا یہی حال ہے۔ ہم تو انشاء اللہ جہاں تک امکان میں ہوگا۔ رسالے کو اسی اہتمام سے نکالتے رہیں گے۔ جہاں
ک مضامین وغیرہ کا تعلق ہے۔ اگلے سال اور بھی اچھے اچھے اور دلچسپ مضمون شائع ہوں گے۔ لیتھو کی تصویریں بھی
یادہ ہوں گی اور دلچسپی کی دوسری چیزیں بھی بڑھائی جائیں گی۔

اس مرتبہ لڑائی نے ایک نئی کروٹ بدلی ہے۔ یعنی جاپان بھی میدان میں آگیا ہے۔ اس کا خطرہ بہت پہلے سے تھا
ر جس انداز سے یہ حملہ شروع ہوا ہے۔ لڑائی کے اصول کے مطابق نہیں ہے۔ ابھی امریکہ اور جاپان میں سمجھوتے کی بات چیت
ہو ہی رہی تھی کہ جاپان نے پرل ہاربر فلپائن اور ملایا کے جزیروں اور سیام پر حملہ کر دیا اور جب سے اب تک وہ مختلف مقامات
پر بہت زوروں سے حملہ کر رہا ہے۔ وہ امریکہ اور انگلستان کے کئی بڑے بڑے جہاز بھی ڈبو چکا ہے۔ سنگاپور پر بھی ہوائی
ملہ ہو چکا ہے۔ ہانگ کانگ کے بارے میں تو یہ خبر بھی اڑ چکی ہے کہ جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا مگر خود وہاں کے گورنر نے اس
کی تردید کی ہے۔ برما کے جنوبی علاقے پر بھی ہوائی حملے کی خبر ہے۔ بنگال کا مشرقی حصہ بھی خطرے میں ہے۔ چنانچہ کلکتہ آہستہ آہستہ
خالی ہو رہا ہے۔ ادھر روس میں کچھ تو حد سے زیادہ سردی کی وجہ سے اور کچھ روسیوں کی زبردست تیاریوں کی وجہ سے ماسکو
پر جرمنی کا حملہ ناکام رہا۔ دوسرے مقامات پر بھی روسیوں کی کامیابی کی خبریں سننے میں آرہی ہیں۔ افریقہ کے محاذ پر انگریزوں کو
کامیابی ہو رہی ہے اور جرمنی اور اٹلی کی فوجیں پیچھے ہٹتی چلی جا رہی ہیں۔ ولایت کے اخبارات کا خیال ہے کہ اب جرمنی
اٹلی کی مدد کے لئے ادھر اسپین اور ادھر ترکی کی طرف سے بڑھے گا۔ اور اس طرح لڑائی کا ایک اور میدان بننے والا ہے۔

ہندوستان میں لڑائی کے اس قدر قریب آجانے سے چیزوں کی مہنگائی کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں پیدا ہوئی
ہے۔ یہاں کانگریس اور مسلم لیگ کی علیحدگی کی وجہ سے حکومت کو پریشانی ضرور ہے۔ پچھلے نومبر کو حکومت نے حالات

گورنمنٹ نے سلامتیاگرہیوں کی رہائی کا حکم دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ خود انگلستان کے بعض دانش لوگ ہندوستان کی سیاسی حالت سے مطمئن نہیں ہیں اور انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر چرچل سے ہندوستان کی آزادی کے بارے میں کوئی بات کہلوانا چاہتے ہیں۔

پچھلے معمے (معما ۴۴) کے سلسلے میں بہت سے پیامیوں کی شکایتیں آئی ہیں ان میں سے کسی کے حل بھی دفتر میں نہیں پہنچے۔ یہ شکایت پہلے بھی کچھ نہ کچھ تھی مگر اس قدر زیادہ نہیں۔ معما بنانے والے صاحب کو اس کا بہت افسوس ہے۔ انھوں نے اس کا حل یہ تجویز کیا ہے کہ ہم خود اپنے ٹکٹ چھپوائیں۔ یہ ٹکٹ بس معما حل کرنے والوں کے لئے کارآمد ہوں گے۔ ان کی قیمت ا/ ۔ ۲/ ۔ راور ۔ ر ہو گی اگر وقت پر تیار ہوگئے تو ان کا نمونہ اسی سالنامے میں چھاپ دیا جائے گا۔ پیامی یہ ٹکٹ ہم سے خرید لیں۔ بجائے ڈاک کے ٹکٹوں کے یہی معمے کے ساتھ بھیجا کریں۔ اس تدبیر سے آئندہ ان کے خط انشاء اللہ ضائع نہ ہوں گے اور نہ شکایت کا موقع ملے گا۔

ہاں ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی معمے کا انعام بڑھا دیا گیا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ اس مرتبہ پیامی زیادہ سے زیادہ معمے حل کرکے بھیجیں گے۔ اب کے اُس پیامی کو بھی ایک خاص انعام دیا جائے گا جس کے حل تعداد میں سب سے زیادہ آئیں گے۔ معما بنانے والے صاحب نے ہمیں یہ اعلان کرنے کی ہدایت کی ہے۔ کہ آئندہ سال بھر میں جس پیامی کے انعاموں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ اُسے بھی ایک خاص انعام دیا جائے گا۔ اچھا صاحب اب رخصت اب مارچ میں ہماری تمھاری ملاقات ہوگی۔ فروری میں ہمارا انتظار نہ کرنا۔

محمد حسین حسان

دیکھئے!

۱۔ یہ پرچہ جنوری اور فروری کا ہے۔ آئندہ پرچہ مارچ میں شائع ہوگا۔

۲۔ خط لکھتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کیجئے۔

۳۔ پیام تعلیم کے خریدار بڑھانے کی کوشش کیجئے۔ جو سب سے زیادہ خریدار پیدا کرے گا، اُسے انعام دیا جائے گا۔

منیجر

معمّہ نمبر ۲۶

(داشعہ میں کتابیں بھی جائیں گی)

پہلا انعام ـــ ۵؍

دوسرا انعام ـــ ۲؍

دائیں سے بائیں

ی خوشی کی بات ہے کہ آج پیام تعلیم کا ..... سالگرہ نمبر آپ دیکھ رہے ہیں

میں کسے۔ ہوسکتا ہے کہ جاپان کے حملے سے ہندوستان خطرے میں پڑگیا ہے۔

یکھے ہندوستان کی .... کس کے پاس رہتی ہے۔

کل ..... کے سفر میں بڑی دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں (بے ترتیب)

ظ بمعنی فتنہ دار (بے ترتیب)

بھگوان کا گھر (الٹا)

سالِ نو آیا عجب انداز سے گاتا ہوا
پھول برساتا ـــ کلیوں کو چٹکاتا ہوا
احسان

ب کلکتے میں لوگوں کا .... خطرے سے خالی نہیں۔

ناول نگار اور مورخ دونوں کی حیثیت سے مولانا ـــ اردو میں
بہت مشہور تھے۔

بھوک میں اگر ..... روٹی بھی مل جائے تو نعمت سمجھو۔

اوپر سے نیچے

۱۔ حقیقت میں .... وہی ہے جو صرف ظاہر میں دوست بنا رہے۔

۲۔ لفظ بمعنی مانند۔

۳۔ ... دن گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے۔

۴۔ یہ ملک جزائر برطانیہ و آئرلینڈ سے پانچ گنا بڑا ہے۔

۶۔ جو ... ہمیشہ سوچ سمجھ کر ...

۷۔ روپیہ ہے نہ پائی ہے کیا خوب کمائی ہے
خرچ کرے سے بڑھتی ہے

۱۰۔ اب حکومت کے لئے .... ہے کہ ہر صورت سے ہندوستانیوں
کی پوری ہمدردی حاصل کرے۔

۱۱۔ معمے کی کامیابی کا دارو .... اشاروں کے سمجھنے پر ہے۔

۱۳۔ مرنے والے کے نام کے بعد .... م لکھتے ہیں۔

۱۴۔ اب تو لڑکے معموں میں .... دلچسپی لینے لگے ہیں۔

۱۵۔ کتے کو دھتکارنے کی اور اونٹ کو بٹھانے کی آواز۔

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳؍۔ آٹھ حلوں کی ۸؍ ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۰ تاریخ تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ، دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۹۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۰۔ دال اور ڈال کا نمایاں فرق ہو (ڈ ۔ د)

۱۱۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ (ی ۔ ے)

۱۲۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو۔ وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہئے۔

۱۳۔ املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۴۔ حلوں کے بارے میں شکایتی خطوں کے لئے جوابی کارڈ یا لفافے کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔ شکایت ٹھیک ہوئی تو اُن کے پیسے انعام میں شامل کرلئے جائیں گے ورنہ اطلاع مل جائے گی۔

۱۵۔ پتہ:۔ سب ایڈیٹر پیام تعلیم ۔ مکتبہ جامعہ ۔ دہلی ۔ قرول باغ

معمّا نمبر ۲۶ کا صحیح حل

ا	[illegible]	آ	■	ی	د	ر	س
[illegible]	■	گ	ز	گ	■	■	ن
س	ا	■	ا	■	ف	ل	ا
ا	■	م	ر	ی	ن	■	ر
س	■	ض	■	ز	■	ا	■
■	ن	م	■	ی	ہ	ب	گ
ر	ا	و	گ	و	■	■	■
■	ی	ن	ح	■	م	د	ق

صحیح حل — انعام اوّل — فی کس ۱۲؍

۱۔ زیبا سلطانہ ۔ حیدرآباد دکن	۵۔ حبیب انصاری ۔ لکھنؤ
۲۔ قیصر آرا بیگم ۔ تو ادہ	۶۔ سید محمد علی ۔ شیخوپورہ
۳۔ محمد اختر عالم ۔ کٹنی	۷۔ محمد یامین ۔ دہلی
۴۔ عبد الواحد ۔ حیدرآباد	۸۔ بشیر محمد خاں ۔ بریلی

ایک غلطی — انعام دوم — فی کس ۸؍

۱۔ معراج پروین قریشی ۔ پشاور	۷۔ محمد اقبال احمد صدیقی ۔ کیمپگر
۲۔ سید اقبال حسن کرمانی ۔ اندور	۸۔ سید نسیم رضا ۔ دہلی
۳۔ محمد سلیم الدین صدیقی ۔ لکھنؤ	۹۔ محمد احمد نبو ۔ دریاؤ
۴۔ محمد باقر ۔ دہلی	۱۰۔ رشیدہ بیگم ۔ ورنگل
۵۔ محمد اقبال صدیقی ۔ گنگا دتی	۱۱۔ سرجیت سنگھ ۔ بجلائی
۶۔ سیدہ کنیز زہرا ۔ مونگیر	۱۲۔ آمنہ خاتون ۔ پالم

معما نمبر ۲۶
کوپن نمبر
نام
پتہ

معمانمبر ۲۶
کوپن نمبر
نام
پتہ
معمانمبر ۲۶
کوپن نمبر
نام
پتہ
معمانمبر ۲۶
کوپن نمبر
نام
پتہ
معمانمبر ۲۶
کوپن نمبر
نام
پتہ

پیام تعلیم

مسجد سیدنا حسین

ایک مسجد کے اندر کا حصہ (منبر اور محراب)
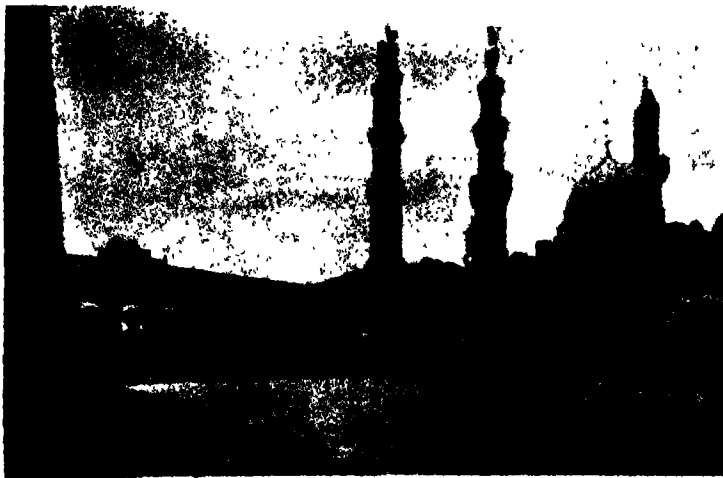
مسجد ازہر

بہار
محمد شمیع الدین نیر
اب خزاں
ہوگئی ساری دنیا بنی لالہ زار
باغِ عالم میں آئی بہار
ایک ہر طرف
کھلتے پھولوں نے پھول ہی پھول ہیں ہر طرف
دو دس نہیں سو ہزار
باغِ عالم میں آئی بہار
بلبلیں چہچہانے ستاروں کا دل اُن پہ لوٹے
ہے چاند سورج ہیں اُن پہ نثار
باغِ عالم میں آئی بہار
دیکھ کر لطف لگیں قمریاں گیت گانے لگیں
باغِ عالم میں آئی بہار
طرف ہے سہانا سماں
آئی پروردگار
شکر پر ہو اُس کا سہانے زمیں آسماں
باغ ہیں سبز ہیں دشت ہیں اور کوہسار
باغِ عالم میں آئی بہار
جس نے موسم یہ ہم کو دیا
اُس کے احسان ہیں بے شمار
باغِ عالم میں آئی بہار
(سعادت)

پیام تعلیم

پیام تعلیم دہلی، یوپی، سی پی، تعلقات، بنگال، بہار، تعلیم انڈور، بھوپال، حیدرآباد، اور پنجاب کے محکمہ ہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

نمبر ۳

جلد ۲۵

ایڈیٹر محمد حسین حسان

فہرست مضامین

قیمت سالانہ عہ/ [?]

فی پرچہ ۳/

اختر

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی ۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچوں سی باتیں

ایڈیٹر

اختر

تمہارا سالنامہ کیا بچوں اور کیا بڑوں سبھی نے پسند کیا۔ بہت خوشی کی بات ہے۔ جناب ایڈیٹر صاحب رتن اپنے ایک عنایت نامے میں تحریر فرماتے ہیں "پیام تعلیم کے شاندار نمبر پر دلی مبارک باد قبول فرمائیے ختم کئے بغیر چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔"

حضرت شاغل فخری ایڈیٹر "غنچہ" اپنے ایک طویل خط میں لکھتے ہیں "اس جنگ کے زمانے میں پیام تعلیم کا اپنے سالنامے کے شاندار معیار کو قائم رکھنا معجزے سے کم نہیں ہے۔ پھر جغرافیہ جیسے خشک موضوع کو آپ نے جس انداز میں سمیٹا ہے اور ایک مفید اور مکمل چیز پیش کی ہے وہ اور بھی حیرت انگیز ہے ...... یوں تو سبھی مضمون اچھے ہیں یعنی بھرتی کی ایک چیز بھی نہیں لیکن تیر صاحب کی کہانی "انوکھی چھتری" اور مسعود حسین خاں صاحب کی کہانی "دروازہ کس طرف بند ہوتا ہے" مجھے خصوصیت سے پسند آئیں۔

ان کے علاوہ بہت سے پیامی بچوں اور بچیوں کے آئے ہیں ان سب نے اپنے رسالے کی بہت تعریف کی ہے۔

یہاں چند بچوں کے نام لکھے جاتے ہیں جنھوں نے لمبے لمبے خطوں میں دل کھول کر اپنے سالنامے پر رائے ظاہر کی ہے

عبدالحق صدیقی بنارس، غلام جیلانی حیدر آباد نورالحسن خاں، کلکتہ۔ محمد سلیم کان پور۔ حسن اصغر کاظمی انبالہ۔ ادریس احمد علی گڑھ۔ مبارک حسین ازہر الحسین بھوپال۔ محمد احمد پشاور۔ محمد موسیٰ جہلم۔ فہیم جہاں بیگم قزلباش آگرہ۔ سید احمد بمبئی۔ سلیم الزماں مدراس۔ افسوس ہے کہ گنجائش کی کمی کے سبب ہم ان خطوں کو شائع نہیں کر سکے۔

اس پرچے میں زیادہ تر وہی مضمون ہیں جو سالنامے کے لئے آئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک مضمون بہت دلچسپ اور مفید ہے اور ہمیں امید ہے کہ تم انھیں نہایت غور اور دلچسپی سے پڑھوگے۔ "تمباکو" اور "جامعہ عثمانیہ" والے مضمون کے لئے جگہ نہ نکل سکی۔ یہ اگلے پرچے میں چھپیں گے۔ ان کے علاوہ اور اچھے اچھے مضمون بھی۔

ملاپ

مولانا محمد شفیع الدین نیر

زبیدہ بیٹھی گڑیاں کھیل رہی تھی گڑیا کا کاٹھ کا گھروندا اس کے سامنے رکھا تھا، اس میں گھر کی سبھی ہر چیز تھی، کمرے دالان، صحن، سب کو زبیدہ نے بڑی خوبی سے سجایا تھا۔

ایک کمرے میں گڑیاں تھیں۔ کچھ اپنے اپنے بستر پر لیٹی اور کچھ قالین پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھی تھیں۔ ایک گڈّے میاں بھی کرسی پر بیٹھے آرام فرمارہے تھے ایک چینی کی گڑیا زبیدہ کی خالا نے اُس کو نمائش سے منگوا کر دی تھی۔

یہ گڑیا بہت ہی خوب صورت تھی اس کا بدن، اس کا چہرا، اس کی آنکھیں اس کے بال سب ہی خوب صورت تھے یہ زبیدہ کو سب گڑیوں سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ ہر روز صبح سویرے اُٹھ کر اُس کا مُنہ دُھلاتی۔ اُجلے کپڑے بدلتی۔ آنکھوں میں سرمہ لگاتی، ناشتہ کراتی۔ وہ بیمار پڑتی تو یہ گھنٹوں اس کی دیکھ بھال میں لگی رہتی۔

طاہر اس کا بھائی تھا وہ آتا تو شرارت سے ان گڑیوں کو ضرور چھیڑتا۔ جگہ سے

سے جنگ کرتا۔ یہ بات زبیدہ کو بہت بُری معلوم ہوتی۔ اور جھگڑے کا سبب بن جاتی
ایک دن زبیدہ اپنی اس گڑیا کو کپڑے پہنا رہی تھی کہ طاہر آیا اور بولا۔
بھنو! یہ گڑیا مجھے دکھا دو۔
زبیدہ:۔ ذرا ٹھہرو۔ میں اسے کپڑے پہنا رہی ہوں۔
طاہر:۔ نہیں۔ مجھے ابھی دو۔ میں دیکھ کر لوٹا دوں گا۔
زبیدہ:۔ میں کپڑے پہنائے بغیر ہرگز نہ دوں گی۔
طاہر کو ضد تھی کہ گڑیا لے کر چھوڑوں گا۔ زبیدہ بھی اڑ گئی کہ ہرگز نہ دوں گی۔ بات بڑھی۔ چھینا جھپٹی شروع ہوئی۔ اس چھینا جھپٹی میں گڑیا زبیدہ کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی۔ گڑیا کا ٹوٹنا تھا کہ زبیدہ جھلا اُٹھی۔ وہ عمر میں ذرا چھوٹی تھی پھر بھی بھائی سے جھٹ گئی۔ اُس نے اس کے بال پکڑ کر خوب کھینچے۔ اُس نے بھی اس کو نوچا۔ اس پر دونوں رونے لگے۔ ان کی اماں اپنے کام میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ یہ شور سن کر دوڑی آئیں۔
زبیدہ:۔ دیکھئے اماں! بھیا نے میری گڑیا توڑ ڈالی۔ چینی کی گڑیا۔ وہی جو خالا نے مجھے نمائش سے منگوا کر دی تھی۔
طاہر:۔ میں نے نہیں توڑی
زبیدہ:۔ اِنھی نے توڑی ہے۔
طاہر:۔ میں نے نہیں توڑی۔ یہ اِنھی کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹی ہے۔
زبیدہ:۔ یہ چھین رہے تھے۔ اس لئے وہ گری۔
طاہر:۔ نہیں مجھ سے نہیں گری۔ اس نے میرے بال نوچے۔

زبیدہ:۔ میری گڑیا انھوں نے چھینی اور توڑی ۔ میں نے بھی اُن کے بال نوچے ۔

اماں:۔ (طاہر کی طرف دیکھ کر) طاہر کیا بات ہے کہ تم ہمیشہ اپنی بہن سے لڑتے ہو؟

طاہر:۔ میں نہیں لڑتا یہی چڑچڑی ہوگئی ہے

زبیدہ:۔ میں چڑچڑی کیوں ہوتی؟ یہی مجھے ہر وقت تنگ کرتے ہیں۔ یہ میری گڑیوں کو چھیڑتے اور تنگ کرتے ہیں۔

ماں پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ پہل طاہر نے کی ہے۔ یہ اس پر بہت خفا ہوئی اور کہا " تم لڑتے ہو تو الگ الگ کھیلو "

زُبیدہ کو گڑیا کے ٹوٹ جانے کا اتنا قلق تھا کہ وہ برابر روتی رہی۔

زُبیدہ کو روتے ہوئے بہت دیر ہوگئی۔ طاہر پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اُس نے دل میں کہا۔" بہنو کی گڑیا ٹوٹ گئی اس سے اس کو بڑا دُکھ پہنچا ہے۔ میری بہن بہت اچھی ہے۔ ہم دونوں مل کر کھیلتے ہیں تو بڑا مزا آتا ہے۔ میں نے چھیڑ کر ناحق اُسا کو دُکھ دیا۔ کچھ سوچ کر اُس نے ٹوٹی ہوئی گڑیا کے ٹکڑے اکھٹے کئے۔ اپنے بکس سے ایک روپیہ جو اس نے دو دو چار چار پیسے کرکے جمع کیا تھا نکالا۔ وہ دوڑا ہوا اپنی خالا کے گھر پہنچا۔ اور ان سے کہا۔ اچھی خالا جان! ایسی ایک گڑیا اور منگا دیجئے۔

گڑیا آگئی تو اُسے لے کر طاہر گھر آیا وہ اس کمرے میں گیا جہاں زبیدہ بیٹھی تھی وہ ایک چوکی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرا اب بھی اُداس تھا۔

طاہر چپکے سے اُس کے پاس جاکر
بیٹھ گیا اور بولا
"بھنّو!"
زُبیدہ نے اپنا مُنہ پھیر لیا۔
طاہر پھر بولا:۔ بھنّو مجھے بہت افسوس
ہے کیا تُم خفا ہو گئیں؟
زُبیدہ:۔ جی ہاں! آپ کو افسوس ضرور
ہے تبھی تو آپ نے میری ایسی اچھی
گڑیا توڑ ڈالی۔
طاہر:۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ یہ دیکھو
تمھاری گڑیا ٹھیک ہو گئی۔ میں
نئی گڑیا تمھارے لئے لایا ہُوں
اس کی قیمت میں نے اپنے پاس سے
دی ہے۔
یہ کہتے ہوئے اس نے ڈبّا کھولا
زُبیدہ کی نظر خوب صورت گڑیا پر پڑی۔
وہ رونا دھونا سب بھول گئی۔ اور
اک دم چلّا اُٹھی، اہا کیسی اچھی پیاری
گڑیا ہے!! اُس کا چہرا خوشی سے پھول کی طرح
کھل گیا۔ یہ دیکھ کر طاہر بھی خوش ہوا۔ اُس نے
کہا "بھنّو! میں تمھیں اب کبھی پریشان نہ کروں
گا اور تمھاری گڑیوں کو کبھی نہ چھیڑوں گا۔"
اس پر بھائی بہن میں ملاپ ہو گیا۔ اِس کے
بعد دونوں بڑے پیار سے پھر کھیلنے لگے۔

(حقوق محفوظ)

تم نے کہانیاں تو بہت سنی ہوں گی آج ہم تمہیں ایک اور طرح کی کہانی سنائیں بڑی مزے دار! کھانے کی۔

آج سے لاکھوں لاکھ برس پہلے کا ایک بچّہ

آج سے ہزار ہا ہزار سال پہلے لوگ ہماری تمہاری طرح تو رہتے نہیں تھے۔ اُن کا کھانا پینا بھی ایسا نہ تھا۔ لباس کا تو خیر ذکر ہی کیا۔ بے چارے اندھیرے غاروں میں رہتے تھے یا درختوں پر بسیرا کرتے تھے۔ کچّا گوشت کھاتے تھے اور سردی گرمی سے بچنے کے لئے جانوروں کی کھال بدن پر ڈال لیتے تھے۔

سب سے زیادہ دِقت کھانے کی تھی۔ بچّوں کو بھوک خوب ستاتی تو جنگل میں چلے جاتے اور جنگلی بیروں اور جنگلی پھلوں سے پیٹ بھر لیتے یا اُن کا باپ جھیل سے مچھلیاں اور جنگل سے کوئی جانور مار لاتا آج کل کی طرح کوئی بندوق تو اُن کے پاس تھی نہیں۔ تیر کمان بھی نہیں تھا۔ بس ایک ڈنڈا

مچھلیاں اور شکار مار کر لائے ہیں۔

سے کوئی نکیلا پتھر باندھ لیا۔ یہی ان کا ہتھیار ہوگیا۔ ہاں مچھلیاں پکڑنے کے لئے ہڈی کا کانٹا بنالیتے تھے۔ یہ سب چیزیں کچی کھائی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں کوئی آگ کا تو نام بھی نہیں جانتا تھا۔

اب آگ کا پتہ کیسے چلا۔ کوئی صحیح بات بتانا تو دشوار ہے۔ پرانے بہت ہی پرانے زمانے کے یونانیوں کا خیال ہے کہ اُن کے ملک کا ایک آدمی بہت نیک اور بہادر تھا دیوتاؤں نے خوش ہوکر اُسے آسمان کی سیر

ارے یہ کیا؟

کرائی، یونانی کے پاس بانس کا ایک کھوکھلا ڈنڈا بھی تھا۔ لوٹتے میں دیوتاؤں کی آنکھ بچا کر وہ ایک چنگاری اپنے ڈنڈے میں چھپا کر لیتا آیا۔ مگر یہ تو ہوئی قصہ کہانی جس کا نہ ہمیں یقین ہے نہ تمھیں تو پھر آگ کا پتہ کیسے چلا۔ بھئی ہمارے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ کوئی بچہ کھیل ہی کھیل میں سوکھی ہوئی دو لکڑیاں رگڑ رہا تھا اس طرح دیر تک رگڑنے سے شاید چنگاری نکلنے لگی ہوگی اور کیا عجب کہ دنیا میں سب سے پہلی چنگاری یہی ہو۔ یکایک اس چنگاری کو دیکھ کر لڑکا بہت سہما ہوگا۔ اور اپنے باپ کو جا کر خبر کی ہوگی اس خبر سے انھیں بھی تعجب ہوا ہوگا۔ پھر کھیل ہی کھیل میں ان بچوں نے اس کا تجربہ بھی خوب کیا ہوگا

آخر یکایک اُن کے ذہن میں یہ بات آئی ہوگی کہ بھئی
اس سے تو کوئی کام لینا چاہیے۔ کام بھی اُن کی سمجھ
میں آگیا بس جونہی سردیوں کا موسم آیا جنگل سے
لکڑیاں کاٹ لائے انھیں آگ لگائی اور خوب تاپنا شروع
کیا۔ سردیاں اس طرح کٹ گئیں مگر ان کی عقل میں
ابھی تک یہ بات نہ آئی تھی کہ آگ سے کھانا بھی
پک سکتا ہے۔ تو انھوں نے کس طرح پکانا شروع
کیا۔ اس کا قصہ بھی سن لو۔ بہت پرانے وقتوں کی بات
ہے چین میں ایک شخص کے یہاں بہت سے جانور پلے
ہوئے تھے وہ ان جانوروں سے بہت محبت کرتا
تھا۔ ایک دفعہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی۔ چینی سب سے
پہلے ان جانوروں کے بچانے کے لئے دوڑا مگر جانور
بے چارے جل چکے تھے۔ بدحواس تو تھا ہی دل میں
کہنے لگا لاؤ یہ مرے ہوئے جانور ہی آگ سے باہر
نکال لوں مگر ان میں ایک کو جیسے ہی ہاتھ لگایا
انگلیاں جل اُٹھیں بس بے قرار
ہوگیا اور فوراً انگلیاں منہ میں
رکھ لیں۔ یہ جانور آگ سے بالکل
پک گیا تھا اس کا ذرا سا گوشت بھی انگلی میں چپک
گیا۔ یہ گوشت چینی کو بڑے مزے کا معلوم ہوا
اور وہاں یہ بات عام ہوگئی کہ جب انھیں گوشت
کھانا ہوتا تو جانور کو مکان میں بند کر دیتے اور
پھر اس میں آگ لگا دیتے۔

مگر آہستہ آہستہ لوگوں نے مٹی کے برتن بنانا
سیکھ لئے اب گوشت انھی برتنوں میں پکنے لگا جنگلی
جانور پکڑتے پکڑتے انھوں نے چڑیاں پکڑنا بھی
سیکھ لیں ایک پھندا سا بنا لیتے تھے اور چھپے چھپے
پیچھے سے جا کر چڑیا کے گلے میں ڈال دیتے تھے یہ
کام اتنی تیزی اور پھرتی سے ہوتا تھا کہ چڑیوں کو پتہ
بھی نہیں چلتا تھا۔

نکیلی لکڑی سے زمین کھودی جا رہی ہے

معلوم ہوتا ہے یہ جنگلی لوگ جنگلی پھلوں کے
علاوہ گھاس پات اور ان کے بیج بھی کھاتے تھے۔ ایک
بیج انھیں بہت اچھا لگا۔ یہ گیہوں تھا اسے بونے بھی لگے
کسی ڈنڈے یا نکیلی لکڑی سے تھوڑی سی زمین

کھو دیتے اندر اس میں اور اس میں گیہوں کے دانے ڈال دیتے۔ پھر کچھ دنوں بعد جانے لگے۔ بعض

عقل مند آدمیوں کی سمجھ میں آیا کہ بونے سے پہلے زمین ذرا نرم کرلی جائے تو غلہ اچھا پیدا ہوگا۔ ہل کی ایجاد اسی ضرورت سے ہوئی۔ پہلے زمانے میں مصر والوں کا خیال تھا کہ گیہوں اُن کے دیوتاؤں نے انھیں کھانے کے لئے دیا ہے۔ چینیوں کا عقیدہ ہے کہ گیہوں آسمانی غذا ہے۔ غرض ہم اِس غذا کو ہزاروں برس سے کھاتے چلے آرہے ہیں۔ تھوڑے دنوں سے گیہوں کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے۔ کناڈا میں تو ہزاروں میل تک گیہوں کے کھیت چلے گئے ہیں آسٹریلیا اور روس میں بہت گیہوں پیدا ہوتا ہے۔ اِن ملکوں میں کھیتی باڑی زیادہ تر ٹریکٹروں کے ذریعے ہوتی ہے۔

ٹریکٹر

یہ مشین ایک دن میں اتنا کام کرلیتی ہے کہ ایک ہزار مزدور بھی نہیں کرسکتے۔ یہ ایک دن میں سینکڑوں میل زمین جوت دیتی ہے۔ فصل کاٹنے میں بھی اسی سے مدد لیتے ہیں۔

اسی طرح مکئی کا رواج بھی بہت دنوں سے ہے کولمبس امریکا پہنچا ہے تو وہاں کے ریڈ انڈین بہت کافی مقدار میں مکئی بوتے تھے۔ پہلے مکئی یا گیہوں دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر پیستے تھے ان پتھروں کی جگہ اب آٹا پیسنے کی چکّی نے لے لی۔ یہ تھوڑے دنوں پہلے

ہر گھر میں موجود تھی اور گاؤں میں تو اب بھی اس کا عام رواج ہے۔ مگر اب شہروں میں مشین کی چکیاں آگئی ہیں مگر دو پتھر اور مشین کی چکیوں میں بھی ہوتے ہیں۔

گیہوں اور مکئی کے علاوہ چاول بھی بہت پرانی غذا ہے۔ یہ ہمارے ہندوستان چین اور جاپان میں زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اسے امیر و غریب سبھی کھاتے ہیں امیر اس کا پلاؤ، بریانی، متنجن پکاتے ہیں اور غریب محض اسے اُبال کر پیٹ بھر لیتے ہیں۔ یہ گیہوں سے سستا بھی ہے اس لئے غریب نواز ہے۔ چاول کے لئے پانی کی بہت ضرورت ہے۔ کم سے کم تین مہینے تک اس کی جڑوں میں پانی رہنا ضروری ہے۔ ان کھیتوں میں بونے اور کاٹنے کا کام زیادہ تر عورتیں ہی کرتی ہیں۔ یہ کسان لوگ بہت دکھی ہوتے ہیں۔ اپنے اپنے کھیتوں پر ایک ٹیلا سا بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ چڑیوں اور دوسرے جانوروں سے ذرا امن رہتا ہے۔

(باقی)

پہلے گیہوں یا مکی دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر پیستے تھے بس جیسے گھروں میں سِل بٹے سے مسالہ پستا ہے۔
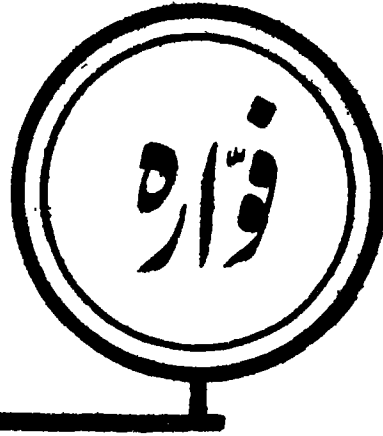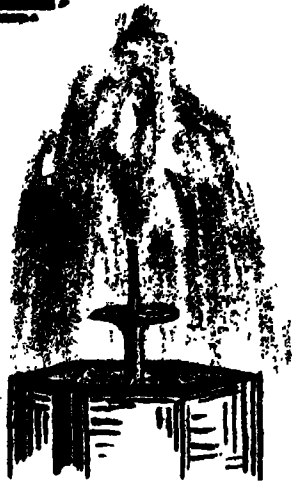
یہ نظم بہت دن ہوئے ایک اُردو رسالے میں چھپ چکی تھی نظم بہت اچھی تھی۔ اس لئے جناب مولینا حامد حسن قادری کی اجازت سے دوبارہ شائع کی جاتی ہے۔ اُمید ہے کہ پیامی اسے بہت پسند کریں گے۔ (ایڈیٹر)

اے فوّارے، اے فوّارے!
اچھے اچھے پیارے پیارے

کیا کہوں کیوں بھاتا ہے مجھے تو
کھیل نظر آتا ہے مجھے تو

یہ تیری شفاف پھواریں
ایسی ہیں جیسی دودھ کی دھاریں

یہ جو تری پانی کی جھڑی ہے
گویا اِک موتی کی لڑی ہے

تو بیٹھا ہے بن کر دولھا
یہ لڑیاں ہیں تیرا سہرا

تو نظر آیا اے فوّارے
اور میں اُچھلا خوشی کے مارے

دن میں آتش بازی چھوٹی
دیکھنے کو اک خلقت ٹوٹی

دیکھے جاؤں تماشا تیرا
جی نہیں بھرتا تیرے سے میرا

لیکن یہ تری حالت کیا ہے
کیوں پھنکاریں مار رہا ہے

آخر ہے تجھے غصہ کس پر
جوش میں کیوں آپے سے ہے باہر

حوض پہ میں جتنی بار آیا
تجھ کو برابر چلتا پایا

کیا تو کبھی تھکتا ہی نہیں ہے
کیا تو ٹھہر سکتا ہی نہیں ہے

تو نہ بتا کچھ اچھا، اچھا
اب میں سمجھا۔ اب میں سمجھا

تیرا ہر دم چلتا رہنا
جوش کے ساتھ اُبلتا رہنا

کرتا ہے مجھ کو یہ نصیحت
کام سے اپنے کروں نہ غفلت

تجھ کو ہے یکساں شام سویرا
کرتا ہے تو جو کام ہے تیرا

میں بھی اپنا کام کروں گا
میں بھی نہ اب آرام کروں گا

تیری پھواریں جاتی ہیں اونچی
پھیرنے شاید چرخ پہ کونچی

کرتا ہے تو قصد فلک کا
یا تو خود ہی پر ہے ملک کا

گو واں تک تو جا نہیں سکتا
کوشش سے لیکن تو نہیں تھکتا

تیرے ارادوں میں ہے بلندی
اس لئے ہے یہ اوج پسندی

میں بھی کوشش دل سے کروں گا
ہمت پست نہ ہونے دوں گا

شمالی مغربی راستہ

از نثار الحق صاحب بی اے ۔ ٹریننگ کالج علی گڑھ

سالنامے میں رونلڈ ایمنڈسن پر جناب فضل الدین صاحب اثر کا ایک مضمون چھپ چکا ہے ۔ اس مضمون میں ان کی ایک اور مہم کا ذکر ہے ۔ یہ مضمون بھی سالنامے ہی کے لئے آیا تھا مگر ہمیں ذرا دیر میں ملا ۔ اس لئے نہ چھپ سکا ۔ مضمون بہت مفید اور دلچسپ ہے ۔ اس کے پڑھنے سے پیامیوں کو اندازہ ہوگا کہ آزاد ملکوں کے رہنے والوں کو اپنا علم بڑھانے اور نئی نئی باتوں کے معلوم کرنے کا کتنا شوق ہوتا ہے اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لئے وہ کتنی دلیری اور ہمت سے کام لیتے ہیں ۔ بڑی سے بڑی رکاوٹ کو دھیان میں نہیں لاتے اور اپنے مقصد کے لئے جان قربان کر دینا بھی معمولی بات سمجھتے ہیں ۔

(ایڈیٹر)

۱۶ر جون ۱۹۰۳ء کی رات تھی ۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا ۔ بارش نہایت زور شور سے ہو رہی تھی ۔ ایسی حالت میں شہر کرسچائنا کے گھاٹ سے ملاحوں کا ایک چھوٹا جہاز روانہ ہوا ۔ یہ محض ۴۷ ٹن وزنی تھا ۔ اور اس پر سات آدمی سوار تھے ۔ ایسی بارش میں گھاٹ پر اُن کے چند احباب کھڑے ہوئے تھے جو ان لوگوں کو رخصت کرنے آئے تھے ۔ جہاز کا نام جوآ تھا روزانہ جب یہ ساحل ڈوگر کا چکر لگاتا تو خاص ہنگامہ بپا رہتا تھا ۔ لیکن آج کسی قسم کا انتشار و اضطراب نہیں پھیلا ۔ جہاز بندرگاہ سے روانہ ہو کر تاریکی میں غائب ہو گیا ۔ بندوقیں تک سر نہ کی گئیں ۔

اس واقعے کو تین سال گزر گئے ۔ ۳۱ر اگست ۱۹۰۶ء کو یہی چھوٹا جہاز الاسکا کے بندرگاہ نوم کے مقام پر کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہوا ۔ یا تو کرسچائنا سے روانگی کے وقت خاموشی کا دور دورہ تھا ۔ یا اس وقت اس کا پرجوش استقبال کیا گیا ۔ نوم کے مقام پر ساحل سے ایک برقی روشنی ڈالی گئی جس سے جوآ جگمگا اُٹھا ۔ چند امریکی افسر ایک چھوٹی کشتی پر سوار ہو کر سیٹی بجاتے ۔ شور و غل مچاتے اور خوشیاں مناتے ہوئے اس کی پیشوائی کو بڑھے ۔ جس وقت وہ خانی کشتی سے

جہاز اور ملاح ساحل پر آئے۔ ہزار ہا لوگوں نے اُن کا خیر مقدم کیا۔ شہر کے تمام آدمی تکتے سرکھڑے ہوئے تھے۔ اُن کی نگاہیں سمندر کی جانب تھیں۔ اور وہ ناروے کا قومی ترانہ گا رہے تھے۔

ان تین سالوں میں جوآ اور اس کے دلیر ملاحوں نے ایک لمبا بحری سفر کیا تھا۔ یہ سفر ہمیشہ تاریخ کا ایک زرین کارنامہ رہے گا۔

ملاحوں کے اس چھوٹے جہاز کو سفر میں وہ وہ مصیبتیں پیش آئیں اور ایسی ایسی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا کہ کولمبس کی پریشانیاں بھی اُن کے آگے گرد ہو گئیں اس کی شہرت کا خاص سبب یہ ہے کہ اس نے شمال مغرب کے سفر میں سب سے پہلا قدم اُٹھایا۔ تین سال تک دائرہ شمالی سے بہت آگے یہ آدمی اور اُن کا چھوٹا جہاز برف، طوفان اور دوسرے بہت سے خطروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہ خطرے کوئی عجیب بات نہیں ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان منجمد علاقوں کا کچھ تجربہ رکھتا ہے اِن خطروں سے بخوبی واقف ہے۔ جوآ اُن کے باوجود صحیح و سالم رہا۔ نہ صرف وہ خود تباہی سے بچا بلکہ اس کو ان مقامات پر نمایاں کامیابی ہوئی جہاں فرنیکلن جیسے نامی ملاحوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اس کامیابی کا سہرا خصوصاً ایک شخص کے سر رہا جو اس سفر میں سردار تھا۔ اور جس کا نام رونلد ایمنڈسن تھا۔ جوآ کی روانگی کے وقت تک اس کو کوئی نہ جانتا تھا۔

رونلڈ ایمنڈسن نے اپنے بحری سفر سے واپسی کے بعد تمام واقعات لکھے ہیں۔ قطب جنوبی تک سب سے پہلے یہی شخص پہنچا۔ قطب شمالی کے اوپر اس نے ہوائی جہاز سے سفر کیا۔ اس کے نام کو بیسویں صدی کے بڑے بڑے ملاحوں تینسن، اسکاٹ، شکلٹن اور اسٹیفنسن کے ناموں کے ساتھ جگہ دی گئی ہے۔

ایمنڈسن نے خواہ کچھ بھی کیا۔ اس کا اصلی کارنامہ وہی ہے جس سے اس نے پہلے پہل ثابت کر دیا کہ خلیج ہڈسن سے دور گرین لینڈ کے شمال اور قطب کے عین کنارے پر منجمد پانی سے ہو کر راستہ بنایا جا سکتا ہے۔

غریب ایمنڈسن اور اس کے ہمراہیوں کے لئے یہ سفر نہایت خطرناک ثابت ہوا۔ ناروے سے روانگی کے وقت ہی خطرے اُن کے سروں پر منڈلا رہے تھے۔ جہاز پر ایک تیرہ گھوڑوں کی قوت کی موٹر تھی جب ہوا بند ہو جاتی تو یہ موٹر اس کی رہنمائی کرتی۔ علاوہ اس کے پانچ سال کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دوسری چیزیں کافی مقدار میں فراہم کر لی گئی تھیں کنستر بن سے ایک انچ جگہ خالی نہیں تھی۔ کوئی چیز بھی اتفاق پر نہیں چھوڑی گئی۔

۱۹۰۱ء کے موسم گرما میں ایمنڈسن جوآ کو قطبی سمندر کی طرف لے گیا تھا۔ اس کو اپنے ذاتی تجربے

سے معلوم ہو چکا تھا کہ انتظام کس طرح کیا جاتا ہے
آدمیوں اور کتوں کے لئے کھانا ماہرین نے جانچ کر
ڈبوں میں بند کر دیا تھا۔

یہی تمام پیش بندیاں اس وقت بھی عمل میں لائی
گئیں۔ ایمنڈسن خود نہیں جانتا تھا کہ کامیابی میں کتنی
مدت لگے گی۔ اس زمانے میں ان ساتوں آدمیوں
کو اسی جہاز پر رہنا تھا۔ وہ لوگ متمدن دنیا سے الگ
ہو رہے تھے اور ان کا تمام تر دارومدار اسی ذخیرہ
پر تھا جو انھوں نے اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔

جوآ ساحل ناروے سے گرین لینڈ تک بغیر کسی
خرخشہ کے جا پہنچا۔ سامان کی زیادتی کی وجہ سے اس
کی رفتار نہایت سست تھی۔ ۹ جولائی ۱۹۰۳ء
کو ایمنڈسن اور اس کے ہمراہیوں نے پہلے پہل برف
دیکھا۔ برف کے ساتھ کہرا بھی تھا۔ یہ دونوں چیزیں
جوآ کو تمام سفر میں ملتی رہیں۔

ایک مہینہ اور گذر گیا۔ اہل سفر ڈال رمپل اڈک
جا پہنچے۔ یہ شمالی گرین لینڈ کی ایک چوکی ہے۔ یہاں پر
اسکاٹ لینڈ کی ماہی گیروں کی ایک کشتی نے جوآ کے واسطے
غلے کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم کر رکھا تھا۔ اس کے
۱۰۵ ڈبے مع ۶ تیل کے کنستروں کے جوآ پر بار
کر دئے گئے۔

جوآ پر بہت وزن ہو گیا تھا۔ اس کے بنانے والوں
کے تخیل میں بھی یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی۔ موٹر کے لئے
ایمنڈسن کا تیل کا ذخیرہ ہی ۵۴۲۲ گیلن تھا غلے کے
بوجھ سے عرشہ پانی کی سطح سے بھی نیچا ہو گیا تھا۔ ڈبے
تقریباً ہر جگہ چن دئے گئے تھے سکتے عرشے کے چاروں
طرف بندھے ہوئے تھے۔

۱۷ اگست کی صبح کو ۲ بج کر ۳۰ منٹ پر جوآ کا
لنگر اٹھایا گیا۔ جہاز آہستہ آہستہ شمال مغرب
کی جانب چل دیا۔ ہر قسم کے خطرات کا امکان تھا۔ لیکن
اسی وقت سورج چمکا۔ ایمنڈسن اور اس کے ساتھیوں
کی ہمتیں بڑھ گئیں۔

ایک ایسی کشتی میں جو اسباب کے وزن سے دبی
جاتی تھی۔ جس میں گنجائش نام کو نہ تھی اور جو اس قابل نہ
تھی کہ موسم کے گرم و سرد کا مقابلہ کر سکے۔ شمال مغربی
راستے کی تلاش کی کوشش شروع ہوئی۔ پندرہ روز
تک یہ لوگ چلتے رہے حسب معمول بحر منجمد شمالی کے موسمی
تغیرات کہرا، طوفان اور برف باری یکے بعد دیگرے
شروع ہوئے۔ ان کے سبب کوئی دن خطرات سے
خالی نہ جاتا۔ ایک روز تو غضب ہی ہو گیا۔ جوآ ایک
نشیبی جزیرے سے ٹکرا گئی۔ لیکن اس کو کوئی
صدمہ نہیں پہنچا۔

سیاح لوگ اب مقناطیسی قطب کے نزدیک آ گئے
تھے۔ ایمنڈسن کی تجویز تھی کہ ۹۰ میل مغرب کی جانب
کسی مناسب مقام پر موسم سرما گذارا جائے۔ باوجود
بہت سے خطرات کے یہ لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد

سے رہے تھے کہ بغیر زیادہ نقصان کے وہ دنیا کے کنارے اپنے پہلے سرمائی مستقر پر پہنچ گئے۔

اس کامیابی کا وہ پوری طرح لطف بھی نہ اُٹھا سکے تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا اس سے ان سب کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔

۴ اگست ۱۹۰۳ء کی شب کو جب ایمنڈسن اپنے سونے کے کمرے میں جا چکا تھا۔ عرشے کے اوپر سے ایک نہایت بھیانک شوروغل کی آواز سنائی دی۔ ایمنڈسن جاگ اُٹھا وہ دوڑا ہوا اوپر گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اندھیری رات میں انجن کے کمرے میں شعلے بھڑک رہے ہیں۔ انجن روم میں آگ لگ گئی تھی۔ اس سے وہ ٹنکی جس میں دو ہزار گیلن تیل بھرا ہوا تھا۔ چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ آہ! شمالی اُجاڑ علاقہ میں محض ایک بے مایہ ناؤ۔ اور اس پر شمال کے طویل موسم کی آمد۔

اگر کہیں ایک مرتبہ بھی تیل کی ٹنکیوں کو آنچ پہنچ جاتی تو جہاز مع ان تمام ملاحوں کے جو اس پر موجود تھے اُڑ جاتا سیاحوں میں رک نام کا ایک انجینیر بھی تھا۔ اس نے پہلے ہی اپنا کام شروع کر دیا تھا اب اور لوگ بھی اس کی مدد کو آ گئے۔ دو آگ بجھانے والے آلے جہاز پر موجود تھے اُن کو فوراً استعمال کیا گیا۔

آگ کے شعلے بھڑکنے شروع ہوئے۔ لیکن آخر کار پانی نے اُن کا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور محض دھواں باقی رہ گیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ آگ ایک جھاڑن کے ذریعے پھیلی۔ ٹنکی کے ٹپکنے سے جھاڑن جو اس کے نیچے پڑا ہوا تھا تیل میں بھیگ گیا۔ اس واقعے کی خبر ایک روز پیشتر ایمنڈسن کو دی گئی۔ اُس نے وہ ٹنکی وہاں سے ہٹوا لی۔ اگر اس میں ذرا سی غفلت برتی جاتی تو نزدیک کی ٹنکی میں آگ لگ جاتی اور پھر کوئی طاقت جہاز کو تباہی سے نہیں بچا سکتی تھی۔ اس خطرے کو مشکل سے ایک ہفتہ ہوا تھا کہ دوسرا زبردست حادثہ رونما ہوا۔

ایمنڈسن کے پاس پہلے ہی سے اس خطے کا نقشہ موجود تھا۔ اس پر تمام جزیرے ظاہر کئے گئے تھے۔ جب کوئی جزیرہ آتا یہ لوگ ہوشیار ہو جاتے۔ ایک روز جہاز یکایک کسی چٹان سے ٹکرا گیا۔ ایمنڈسن نے گھبرا کر نقشہ دیکھا اس میں اس مقام پر کسی جزیرے کا ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ غور و خوض کے بعد معلوم ہوا کہ پانی کے نیچے کوئی چٹان ہے۔ انھوں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر دوسری بار جہاز پھر ٹکرایا۔ اور آخر کار رک گیا۔

جوا پر وزن زیادہ تھا اس پر طرّہ یہ کہ اس وقت وہ دس فیٹ گہرے پانی میں کھڑا تھا۔ جانچ پڑتال کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے چاروں طرف اُتھلا سمندر ہے جس کو چٹانیں گھیرے ہوئے ہیں۔ موقع نہایت خطرے کا تھا لیکن دلیر ایمنڈسن کی خوگر مشکلات طبیعت نہ گھبرائی۔ اس نے ہمت کر کے اپنا جہاز آگے بڑھانے کی کوشش کی

(باقی آئندہ)

طوطا

از عبد اللہ میاں قریشی انگلش ٹیچر کلیان

بابو جی نے طوطا پالا ؛ سب سے انوکھا سب سے نرالا
رنگ ہرا ہے اُس کے پروں کا ؛ جھاڑ کے پتوں کا ہو جیسا
چونچ ہے اُس کی لال رنگیلی ؛ بانکی ٹیڑھی اور نکیلی
اس کے گلے میں ہے اک کنٹھا ؛ جیسے کسی نے ہار ہو پہنا
پنجرے میں ہردم رہتا ہے ؛ لوہے کا یہ گھر اُس کا ہے
بیچ میں ہے اک آڑی لکڑی ؛ پنجوں سے طوطے نے ہے پکڑی
کھاتا ہے پھل بڑے مزے سے ؛ بیر، جام، گولر، خربوزے
مرچیں شوق سے وہ کھاتا ہے ؛ خوب یہ من بھاتا کھاجا ہے
ٹیں ٹیں کرتے ہیں سب طوطے ؛ جھاڑوں پر ہیں اُڑتے پھرتے
بولتا ہے یہ جیسے انساں ؛ مٹھو میاں، مٹھو میاں
پڑھتا ہے جو پڑھاؤ اُس کو ؛ نبی جی بھیجو، نبی جی بھیجو!

لکھی ہم نے نظم قریشی
پڑھ کر خوش ہوں گے بابو جی

مصر کی چند اسلامی یادگاریں

مولانا سعید احمد انصاری فاضل ازہر، استاد جامعہ

مصر کی چند فرعونی یادگاروں کا حال تم پچھلے سالنامے سنہ ۵۳ء میں پڑھ چکے ہو۔ اس مضمون کے ذریعے میری خواہش ہے کہ پیامی مصر کی اسلامی یادگاروں سے بھی کچھ نہ کچھ واقف ہو جائیں۔

ہمارے پیارے رسول کے دوسرے جانشین حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں اسلام کے ایک نہایت جانباز اور بہادر سپہ سالار حضرت عمروؓ بن العاصؓ نے مصر کو فتح کر لیا۔ پورے ملک پر قبضہ ہو گیا تو حضرت عمرو بن العاص نے فسطاط کے نام سے ایک شہر آباد کر دیا۔ اس شہر نے بعد میں بہت ترقی کی اور ایک عرصے تک مصر کا دار السلطنت بھی رہا مگر اب اس کا صرف نام اور چند ویران اور ڈرانے کھنڈر اس کی یادیں باقی ہیں۔

اسی شہر فسطاط میں عمرو بن العاصؓ نے ایک مسجد بنائی تھی جو پہلے بہت چھوٹی اور سادہ تھی۔ محراب اور منار وغیرہ کچھ نہ تھے۔ مگر بعد میں شاہانِ اسلام اس کو ترقی دیتے رہے اور برابر اس کو مضبوط و خوب صورت بناتے رہے۔ اب یہ مسجد کافی لمبی چوڑی ہے ۲۳۰۰ ستونوں پر مسجد کی چھت قائم ہے۔ سامنے محراب بھی خوب صورت سی بنی ہوئی ہے۔ دیواروں پر عربی نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ دائیں بائیں دو مینار ہیں۔ یہ مسجد بعد کی مسجدوں کے مقابلے میں زیادہ خوب صورت تو نہیں ہے۔ لیکن اس سے زیادہ کوئی اور پرانی یادگار (مسلمانوں کی) مصر میں اس وقت موجود نہیں ہے۔ اس کے گرد کچھ حجرے بھی ہیں انھیں مصر میں زاویہ کہتے ہیں۔ ایک زاویے میں امام شافعیؒ (جو مسلمانوں کے چار دینی اماموں میں سے ایک ہیں) علم دین کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک کونے میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ کا مزار مبارک بھی ہے۔ یوں تو یہ مسجد زیادہ آباد نہیں رہتی۔ لیکن سال میں ایک مرتبہ شاہ مصر رمضان مبارک میں جمعۃ الوداع کی نماز اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ اس وقت البتہ تل دھرنے کو جگہ نہیں رہتی۔ میں نے بھی یہ نماز اسی میں ادا کی ہے۔

مصر میں مسجدیں تو بے شمار ہیں۔ ہر زمانے میں بادشاہوں اور امیروں نے اپنے حوصلوں کے مطابق چھوٹی اور بڑی سادہ اور خوب صورت مسجدیں بنائی ہیں۔ جو مصر کے چپّہ چپّہ میں پھیلی ہوئی ہوئی ہیں۔ مگر ان میں سے چند مسجدیں بہت مشہور اور خوب صورت ہیں

قاہرہ اور جامع ازہر

چودھویں صدی ہجری کے بیچ میں مصر پر اہل بیت کے ایک خاندان کی حکومت تھی جس کو فاطمی خاندان کہتے ہیں۔ اس خاندان نے مصر پر دوسو برس سے زیادہ حکومت کی۔ اس خاندان کا سب سے پہلا کارنامہ تو یہ ہے کہ فسطاط سے الگ لیکن اسی کے قریب ایک نیا شہر قاہرہ کے نام سے آباد کیا جس کی رونق آج تک نہ صرف باقی ہے بلکہ برابر ترقی پر ہے۔ اسلامی ملکوں میں قاہرہ ایک خوب صورت ترین شہر سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کے اور بڑے شہروں کے مقابلے میں بھی اس کی خاصی شہرت ہے۔ دریائے نیل کے دونوں کناروں پر بڑی خوب صورتی سے آباد کیا گیا ہے۔ اس وقت اس شہر کی آبادی ١٦٠١٥ لاکھ ہے مشرقی اور مغربی تمام قوموں کے لوگ اس شہر میں کچھ نہ کچھ آباد ہیں۔

قاہرہ کے بعد فاطمی خاندان کی سب سے بڑی یادگار جامع ازہر ہے۔ یہ مسجد نہایت عظیم الشان ہے۔ بارہ ہزار مربع گز زمین میں بنی ہوئی ہے۔ فاطمیوں نے اس کے اندر ایک بہت بڑا مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ جس کی شہرت اس وقت سے لے کر آج تک ہر زمانے میں بہت کافی رہی ہے۔ اس عظیم الشان مدرسے کو اب ایک ہزار برس گذر رہے ہیں۔ صرف اسلامی دنیا میں نہیں بلکہ ساری دُنیا میں اس سے زیادہ کوئی پرانا مدرسہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ یہ مدرسہ اب جامعہ ازہر یعنی ازہر یونیورسٹی کہلاتا ہے۔ مصر کی تمام دینی تعلیم اسی ازہر کے ذریعے ہوتی ہے۔ مصر کے سوا دوسرے دور دور ملکوں سے بھی طلبہ اس میں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ ازہر کے طالب علم تعداد میں اس وقت تیرہ چودہ ہزار سے کم نہیں اصل پرانا مدرسہ تو اب تک مسجد ہی میں ہے۔ طالب علموں کے رہنے سہنے کے لئے مسجد کے چاروں طرف کمروں کی قطاریں بنی ہوئی ہیں یہ تین چار منزل تک اونچی چلی گئی ہیں۔ کمروں کی یہ قطاریں عربی زبان میں رواق کہلاتی ہیں یہ رواق مصر کے مختلف بادشاہوں کے بنوائے ہوئے ہیں۔

جامع سیدنا حسین رضؓ

یہ مسجد جامع ازہر کے بالکل قریب اور اسی کے سامنے ہے۔ بہت خوب صورت اور شان دار

مسجد ہے۔ اس مسجد میں حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک مدفون ہے۔ فاطمی بادشاہوں کو اہل بیت سے قرابت اور دلی محبت و عقیدت تھی اس لئے اپنی حکومت کے زمانے میں وہ اپنے مشہور اسلاف کی بہت سی لاشوں کو باہر کے ملکوں سے کھود کھود کر مصر لائے اور یہاں بڑے اہتمام سے خوب صورت مقبرے بنوا کر اُن میں دفن کیا۔ مقبروں کے ساتھ شاندار مسجدیں بھی بنوائیں۔ چنانچہ اس قسم کی مسجدیں اور مقبرے مصر میں بہت ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور جامع سیدنا حسین، جامع سیدنا زینب، جامع سیدہ نفیسہ اور مسجد سیدہ سکینہ ہے۔ سیدہ زینب، حضرت فاطمہ زہرا کی صاحبزادی اور حضرت امام کی ہمشیرہ تھیں۔ سیدہ نفیسہ حضرت امام کی پرپوتی تھیں اور سیدہ سکینہ حضرت امام کی صاحبزادی تھیں۔ ان مسجدوں اور مزاروں میں زیارت کرنے والوں کا اکثر بڑا مجمع رہتا ہے۔ خاص خاص دنوں میں تو عورتوں اور مردوں کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں رہتی۔

یہ سب مسجدیں ایک خاص طرز کی بنی ہوئی ہیں۔ ازہر کے سوا اور مسجدوں میں صحن تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مسجد کا پورا حصہ تقریباً چھت سے بند ہوتا ہے۔ البتہ چھتیں بہت اونچی ہوتی ہیں اور ان کے پیچھے نہایت بڑے بڑے اور خوب صورت ستون ہوتے ہیں۔ محرابیں اور دریں بھی ہوتے ہیں لیکن وہ بھی بہت اونچے۔ چھتوں، محرابوں اور دیواروں پر خاص قسم کے خوب صورت نقش و نگار بھی ہوتے ہیں جو عربی نقش و نگار کہلاتے ہیں۔ تمام مشہور مسجدوں میں اندر نہایت قیمتی اور خوب صورت ترکی اور ایرانی قالین بچھے ہوتے ہیں ان قالینوں کی وجہ سے مسجدوں کی رونق بہت بڑھ جاتی ہے۔ قالینوں کے علاوہ اور صفائی کا بھی بہت اہتمام ہوتا ہے۔ باہر سے بھی یہ مسجدیں بڑی شاندار معلوم ہوتی ہیں۔ خاکی پتھر کی بنی ہوتی ہیں۔ پتھروں میں جابجا تراش کا کام بہت خوب صورت اور شاندار معلوم ہوتا ہے۔

مسجدوں کے اوپر مینارے اور گنبد بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں کے مغلوں کی مسجدوں جیسے نہیں ہوتے۔ ایک سے لے کر تین یا چار گنبد تک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک گنبد اور ایک مینار کی مسجدیں بھی نئے اور پرانے مصر میں موجود ہیں۔ رمضان مبارک میں مسجدوں کے تمام مینار رات میں برقی قمقموں سے آج کل روشن کئے جاتے ہیں جو بہت خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔

دلّی میں قطب صاحب کی مسجد اور اس کی

لاٹ اور لاٹ کے پاس جو دروازہ ہے اس کے اندر باہر کا جیسا کام ہے وہ مصر کی ان مسجدوں سے بہت ملتا جلتا ہے ؛

بہن ! ہوائی حملے کے ڈر سے
ننھے کو میں نے گاؤں میں بھیج دیا

یہ تو سب بچے جانتے ہی ہوں گے کہ بادل کس طرح بنتے ہیں۔ آج کل جاڑوں میں تو ہم میں سے ہر ایک سائنس چھوڑ چھوڑ کر ننھے ننھے بادل بناتا رہتا ہے۔ اس بار ہم بادلوں کی مختلف قسموں کے متعلق کچھ باتیں بتائیں گے۔

(۱) جھنڈا بادل

بادلوں کی سب سے دلچسپ قسم وہ ہے جسے "جھنڈا بادل" کہنا چاہیئے۔ یہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر نظر آیا کرتا ہے۔ دور سے دیکھا جائے تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ایک سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ کچھ ایسی شکل ہوتی ہے۔

صورت یہ ہوتی ہے کہ ابخرات سے لدی ہوئی ہوا کے راستہ میں جب کوئی پہاڑی آجاتی ہے تو اُسے پار کرنے کے لئے اُسے اوپر اُٹھنا پڑتا ہے۔ پہاڑی کو پار کرتے کرتے اس کا تھوڑا سا حصہ سردی کے باعث بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری طرف سے ہوا کے جھونکے آتے ہیں اور وہ اس ٹکڑے کو پھر ابخرات میں تبدیل کر کے اپنے ساتھ اُڑا لے جاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی نئے ابخرات منجمد ہو کر اس کی جگہ لیتے رہتے ہیں اور اس طرح ہوا کے جھونکوں کے باوجود یہ جھنڈا ہمیشہ لہراتا نظر آتا ہے۔ دراصل یہ بادل کی کوئی علیحدہ قسم نہیں بلکہ اس کی ایک خاص شکل ہے۔

(۲) کُہر

کُہر بھی بادل ہی کی ایک قسم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ابخرات فضا میں اونچائی پر جا کر منجمد ہوں تو بادل کہلاتے ہیں اور اگر زمین یا سمندر کی سطح کے قریب ہی منجمد ہو جائیں

تو کہر کہلاتے ہیں۔ گویا کہر وہ بادل ہے جو زمین کے قریب ہی بنا ہو۔ چنانچہ پہاڑ کی وادیوں میں دور سے جو بادل نظر آتے ہیں اُنھیں بالکل قریب سے جاکر دیکھا جائے تو کہر معلوم ہوں گے۔ اس کے علاوہ یہی کہر جو جاڑوں میں صبح کے وقت نظر آتا ہے سورج کے بلند ہونے اور گرمی بڑھنے کے بعد اوپر اُٹھ کر آسمان میں چلا جاتا ہے اور بادل بن جاتا ہے۔

(۳) سنبل نما بادل

یہ بہت خوبصورت بادل ہوتا ہے۔ یہ کبھی لہروں کی سی اور کبھی گھونگھر والے بالوں جیسی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس پر لکیریں یا دھاریاں سی پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس بادل سے کبھی بارش نہیں ہوتی، لیکن اسے عموماً بارش کی علامت سمجھا جاتا ہے اور جب یہ بادل نظر آتا ہے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ جلد بارش ہوگی۔ ان بادلوں سے اونچا کوئی بادل نہیں ہوتا۔ عام طور سے ان کی بلندی چار پانچ میل ہوتی ہے۔ گرم مقامات میں یہ سات میل اونچے بھی پہنچ جاتے ہیں۔

(۴) دل بادل

ان کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ بھاری بھاری ڈھیریوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ اُن کا خاص وقت گرمیوں کا تیسرا پہر ہے۔ ان کے چاروں طرف آسمان بالکل صاف اور نیلا ہوتا ہے اور اس میں گدلا پن یا نمی نہیں ہوتی جب یہ بادل آسمان میں کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں تو بڑی زور سے گڑگڑاتے اور گرجتے ہیں دیکھنے میں پھول گوبھی یا روئی کے گالوں کی ڈھیریوں جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ بادل کی ایک اور قسم ہوتی ہے جسے اونچے دل بادل

کہہ سکتے ہیں۔ یہ بہت اونچائی پر ہوتے ہیں

اور بہت ہلکے ہوتے ہیں ان کی شکل ریت کے میدان کی لہروں سے ملتی جلتی ہے۔

(۵) بادل کی پانچویں قسم وہ ہے جو تمام آسمان پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ بھورا سیاہی مائل سا رنگ ہوتا ہے اور آسمان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بالکل یکساں ہوتا ہے۔ یہ کئی کئی روز تک چھایا رہتا ہے۔ بہت غیر دلچسپ اور بدنما ہوتا ہے۔ اور اسے دیکھ دیکھ کر طبیعت گھبرانے لگتی ہے۔ لیکن اگر اس بادل کو ہوائی جہاز میں اوپر آسمان سے دیکھا جائے تو بڑا پیارا منظر ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ چمک دار بادلوں کا سمندر دور تک پھیلا ہوا ہے، اوپر نیلا آسمان ہوتا ہے اور سورج کی شعاعیں بادلوں سے منعکس ہوکر فضا کو اور بھی زیادہ چمکا دیتی ہیں اس بادل کی ایک اور قسم وہ ہوتی ہے جب یہ اور بلند اور ہلکا ہوجاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس میں سے چاند یا سورج دھندلا دھندلا نظر آیا کرتا ہے۔

بادل کا یہ مختلف صورتیں اختیار کرنا کوئی اتفاقیہ امر نہیں ہوتا ہے، بلکہ خاص حالات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بادل کی ہر ایک قسم کے لئے خاص درجۂ حرارت، خاص بلندی اور خاص موسم ضروری ہوتا ہے۔ جس بلندی اور درجۂ حرارت میں سنبل نما بادل بنتے ہیں، اس میں دل بادل نہیں بن سکتے: لیکن موسم اور دوسرے حالات کے بدلنے سے بادلوں کی شکلیں بدل جاتی ہیں۔ چنانچہ عام طور سے تیسرے پہر کو جو بادل نظر آتے ہیں، شام ہوتے ہوتے ان کا نقشہ بالکل بدل جاتا ہے۔

بادلوں کی بلندی۔

معمولی بادلوں میں سب سے اونچا سنبل نما بادل ہوتا ہے۔ اس کی انتہائی اونچائی سات میل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک چمکیلے قسم کا بادل ہوتا ہے جو کبھی کبھی رات کو نظر آتا ہے، اس کی بلندی قریب قریب پندرہ میل ہوتی ہے، ایک اور بادل ہوتا ہے جسے "موتی بادل" کہتے ہیں۔ یہ بہت شاذ ونادر نظر آتا ہے۔ اس کی اونچائی پچاس میل تک ہوتی ہے۔

پہاڑوں پر بادل کے منظر

بادلوں کے خوب صورت منظر پہاڑوں پر بڑی کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں۔ نیچے وادیوں سے بادل اٹھتا ہوا آتا ہے اور دیکھتے دیکھتے مکانوں میں گھس آتا ہے، پھر دیکھئے تو سب چیزیں بھیگی ہوئی ملتی ہیں: بادلوں سے

بھری ہوئی وادیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی نے انھیں روئی سے پاٹ دیا ہو۔ اس سلسلے میں مسوری میں اب سے دو سال پہلے ایک عجیب واقعہ ہوا۔ سارے شہر میں بادلوں کا ایک چھوٹا موٹا طوفان سا آگیا۔ تمام سڑکوں پر ایک ایک گز اونچے بادلوں نے قبضہ کرلیا۔ لوگوں نے ان میں طرح طرح کے فوٹو کھچوائے۔ بعض لوگوں نے ہاتھ پھیلا کر فوٹو کھچوائے۔ فوٹو دیکھنے سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سمندر کے جھاگوں میں تیر رہا ہے۔ مسوری کی تمام مخلوق گھر چھوڑ کر سڑکوں پر آ گئی۔ چار گھنٹے تک عجیب تماشا رہا۔ پھر یہ بادل پھٹنا شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ غائب ہوگئے۔ مسوری کے پہاڑی لوگ کہتے ہیں کہ ایسا صرف تیس سال میں ایک بار ہوا کرتا ہے

غنچہ

اس مرتبہ شاغل فخری صاحب نے غنچہ کا سالنامہ کہانی نمبر کے نام سے شائع کیا ہے۔ اور بہت اچھی اچھی کہانیاں اور نظمیں جمع کردی ہیں۔ لکھنے والوں میں۔ مولوی محمد شفیع الدین صاحب سید ابوطاہر صاحب۔ سید نصیر احمد صاحب مولانا ارشد تھانوی صاحب۔ اندرجیت شرما صاحب جیسے پایے کے لوگ ہیں۔ نظمیں اور کہانیاں دونوں دلچسپ اور مزے دار ہیں۔ کاغذ وغیرہ کی مہنگائی کے باوجود رسالہ ہر طرح کامیاب ہے۔ ہم اس کامیابی پر شاغل صاحب کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ قیمت سالانہ تین روپے۔ مدینہ منزل بجنور سے نکلتا ہے۔

سعادت

رسالہ سعادت کا سالنامہ اب کے فروری میں شائع ہوا ہے۔ آج کل لڑائی کی وجہ سے رسالہ یا اخبار نکالنے میں جیسی کچھ مشکلیں پیش آرہی ہیں سبھی جانتے ہیں پھر سالنامہ نکالنا تو اور بھی مشکل ہے۔ لطیف فاروقی صاحب کی ہمت کی تعریف کرنی پڑتی ہے کہ انھوں نے اتنے بہت سے (۲۴۶) صفحوں کا سالنامہ نکال دیا۔ پھر کاغذ، لکھائی، چھپائی لیتھو کی تصویریں غرض سب چیزیں اچھی۔ مضمون بھی ایک سے ایک بہتر لکھنے والوں میں جناب نیر صاحب فیض لدھیانوی صاحب سید نصیر احمد صاحب، محمد فاضل صاحب فضل الہی عارف صاحب اور خود ایڈیٹر صاحب قابل ذکر ہیں۔

اس سالگرہ نمبر کی قیمت ۲ر ہے ویسے رسالے کی سالانہ قیمت للعہ ہے۔ سالگرہ نمبر خاص نمبر کی قیمت بھی اسی میں شامل ہے۔ لاہور سے نکلتا ہے

جزائر فلپائن

فلپائن پر جاپانی حملے کی خبریں بیامیوں نے اخباروں میں پڑھی ہوں گی ۔ جاپانیوں کا ان جزیروں پر پہلے سے دانت تھا چنانچہ ابھی امریکہ کی طرف سے لڑائی کا اعلان بھی نہ ہوا تھا ۔ کہ جاپانی فوجیں اس پر چڑھ دوڑیں

ان جزیروں کے رہنے والوں کے لئے یہ مصیبت کوئی نئی نہیں ہے تین سو برس کے اندر ان پر کئی چڑھائیاں ہو چکی ہیں اور جبھی سے یہ کئی ملکوں کی غلامی میں آ چکے ہیں ۔

آج سے تین چار سو برس پہلے یورپ کے من چلے اور حوصلہ مند سیاح دوسری نو آبادیوں کی تلاش میں نکلے تو بدقسمتی سے یہ مجمع الجزائر بھی ان کی زد میں آگیا ۔ ان حوصلہ مند سیاحوں میں ایک میجلن بھی تھا اس نے اب سے کوئی چار سو برس (۱۵۹۱ء) پہلے ان جزیروں کا پتہ لگایا اور اس کے ٹھیک انتیس برس کے بعد اسپین والوں کا ان پر قبضہ ہو گیا ۔

یہ جزیرے دو چار دس پانچ نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں کوئی سات ہزار تینتیس (۷۰۳۳) ان میں سے ۶۱۷ تو ایک مربع میل سے بھی کم ہیں ۔ اہم جزیرے کل گیارہ ہیں ان میں لوزان سب سے بڑا ہے ۔ اس کا رقبہ ۴۰۸۱۴ مربع میل ہے ۔ اس کے بعد منڈانو ہے اس کا رقبہ ۳۶۹۰۶ مربع میل ہے ۔ اہا

کے بعد سامار کا نمبر ہے اس کا رقبہ ۵۱۲۴ مربع میل
ہے۔ دوسرے آٹھ جزیروں کو بھی کافی اہمیت حاصل
ہے ان سات ہزار جزیروں کی آبادی کل ایک
کروڑ چالیس لاکھ ہے۔ یعنی پنجاب سے بھی آدھی
زیادہ تر لوگ ملائی نسل کے ہیں۔

رقبے کے علاوہ آبادی بھی لوزان ہی کی
سب سے زیادہ ہے اور اسی جزیرے میں منیلا نام
کا شہر فلپائن کے مجمع الجزائر کا دارالسلطنت ہے
اسی اہمیت کے سبب جاپان کی سب سے زیادہ
توجہ لوزان کی طرف رہی۔

لوزان ۱۲ صوبوں میں تقسیم ہے۔ ان
صوبوں کے صدر مقامات کو منیلا سے ریلیں جاتی
ہیں۔ منیلا سب کا دارالسلطنت ہے۔ منیلا
ریلوے لائن جنوب کی طرف جاتی ہے منظر
کی خوب صورتی کے اعتبار سے خاص اہمیت
رکھتی ہے۔ لائن کے دونوں طرف آتش فشاں
پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ
میدانی علاقے میں چاول اور گنے کے کھیت اور
خلیج لگائن کے ساتھ ساتھ ناریل کے درختوں
کے جنگل ہیں۔ منیلا کے جنوب میں تو ایسا معلوم
ہوتا ہے جیسے ہم پرستان میں پہنچ گئے۔

خود منیلا فلپائن کی سب سے بڑی بندرگاہ
اور سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ لوزان کے مغربی
ساحل پر ہے اور منیلا بے کے مشرقی اور اندرونی
ساحل اور وہاں سے گذرنے والے دریا کے دہانے
کے اطراف میں آباد ہے۔ یہاں کوئی سو میل کے
گھیرے میں کھاڑی کی شکل ہلال کی سی ہو گئی ہے۔

منیلا بہت خوب صورت شہر ہے۔ خصوصاً
اس کے بازاروں کا انداز بالکل ہندوستان
کے بازاروں کا سا ہے۔ یہاں ہندوستانی خصوصاً
سندھی اور گجراتی تاجر بھی کافی تعداد میں ہیں
جب کوئی ہندوستانی سیاح یہاں پہنچتا ہے تو
اس کی بہت آؤ بھگت کرتے ہیں۔

منیلا کی آبادی چار لاکھ ہے۔ شہر کوئی
چودہ میل (مربع) کے رقبے میں ہے۔ یہاں
انگریز، امریکن، فرانسیسی، اسپینی، چینی
جاپانی اور ہندوستانی قدم قدم پر ملتے ہیں۔ تجارت
انھی باہر کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ خود یہاں کے
رہنے والے کاشتکاری اور محنت مزدوری
کرتے ہیں یا سرکاری دفتروں میں ملازم ہیں۔ منیلا
کی آب و ہوا گرم ہے لیکن چونکہ سمندر کے کنارے
آباد ہے اس لئے سمندری ہواؤں کی وجہ سے
رات کو بارہ مہینے ٹھنڈ رہتی ہے۔ پہلے یہاں
دو شہر تھے۔ ہر ایک پر الگ الگ راجاؤں کی
حکومت تھی۔ اسپین والوں نے ان راجاؤں
کو قتل کر دیا اور یہاں کے لوگوں کو عیسائی بنالیا

ان کے بعد چینیوں نے یہاں کچھ گڑبڑ مچائی۔ دو برس کے لئے انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد پھر اسپین والوں نے ان جزیروں کو واپس لے لیا۔ اور اب سے کوئی ۴۲ برس پہلے امریکہ والوں کا ان پر قبضہ ہوگیا۔ امریکہ والوں نے ان جزیروں کے رہنے والوں کے لئے بہت کام کیا۔ انھیں غلامی سے نجات دی۔ اور صنعت و حرفت کو بہت ترقی دی۔ یہاں پر ان کے بہت ہی پرانے زمانے کی۔ پھر اس کے بعد کے زمانے کی جبکہ اسپین والوں نے یہاں قبضہ کیا۔ اور موجودہ زمانے کی تہذیبیں رہنے سہنے کے طریقے ایک وقت میں نظر کے سامنے آجاتے ہیں وہی پرانے زمانے کی بیل گاڑیاں اور وہی پرانے زمانے کا پہناوا اور وہی پرانے طور طریقے۔ پھر دلی اور لاہور کی طرح پتلی پتلی گلیاں، گنجان آبادی۔ فصیلوں والا شہر بیچ کے زمانے کا شہر ہے۔ اس فصیل میں پرانے طرز کے دروازے ہیں اور محرابیں ہیں۔ پرانا قلعہ اس پرانے شہر کے پچھم کی طرف ہے۔ یہ راجہ سلیمان کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔ یہاں اب امریکہ کی فوج رہتی ہے۔

بیگوئی (BAGUIO) ان جزیروں کا سرمائی مقام ہے۔ اس کی اونچائی سطح سمندر سے چھ ہزار (۶۰۰۰) فیٹ ہے۔ منیلا سے ایک سو چوہتر (۱۷۴) میل کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے۔ یہ یہاں کے لوگوں کی تفریح گاہ ہے۔ اس کی آب و ہوا تندرستی کے لئے بہت اچھی ہے اور منظر ہر لحاظ سے شملے سے بہتر ہے۔

(جلڈرینس نیوز پیپر دہلی کے ایک مضمون کو دیکھ کر لکھا گیا)

جنوبی فرانس میں دو دن

۲

جناب آفتاب حسن صاحب بی اے - بی ایس سی ، لندن
انسپکٹر شعبۂ سائنس ۔ حیدرآباد دکن

نیس واپس ہوئے اور ایک سستے ہوٹل میں اپنا کے لئے کمرے لئے - ہوٹل میں سامان رکھ اور ہاتھ منہ دھوکر ہم لوگ پھر باہر نکلے اور سمندر کے کنارے پرمیناڈ پہنچ گئے سب سے پہلے کھانے کا خیال ہوا۔ ایک ہوٹل میں جاکر بیٹھے تو ایک ویٹر پہنچا اس نے جھک کر تسلیمات عرض لیا - ہم نے کہا "کچھ کھائیں گے"۔ اس نے کہا "ضرور"۔ تو ابتدا ، میری رائے ہے کہ پھلوں سے کی جائے"۔ پھلوں کی قیمت پر جو نظر گئی تو ہوش اڑ گئے یہ جگہ امریکی لکھ پتیوں کے لئے کچھ ٹھیک ہے - ویٹر نے کہا" پھر فرمائیے تو مچھلی حاضر کروں - ہم نے دل میں خیال کیا کہ اگر اس ویٹر کے پھیر میں رہے تو خاتمہ ہی کر دے گا۔ اس لئے سب نے ایک ایک چیز پسند کی اور وہی لانے کے لئے کہہ دیا - اس ایک چیز کی جو قیمت تھی اس میں اور جگہوں میں نہایت اعلیٰ درجے کا کھانا آسکتا تھا ۔ ویٹر کھانا لانے کو تو لے آیا مگر اس نے ہمیں نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہندوستان کے راجے مہاراجے اتنے کنجوس کس طرح ہو سکتے ہیں - یورپ میں اکثر ہندوستانی راجے مہاراجے ہی خیال کئے جاتے ہیں - کیونکہ ہماری تمہاری قسم کے لوگوں کا وہاں گذر کم ہی ہوتا ہے۔

کھانا ختم کر کے ہم لوگ پرمیناڈ کی سیر کو نکلے سمندر کا کنارا بجلی کی روشنی سے جگ مگ کر رہا تھا باغوں کے بہت سے درخت تیز روشنی سے منور کر دئے گئے تھے - نیس میں دن کو کافی گرمی پڑتی ہے - اس لئے رات کے وقت سارے کے سارے لوگ گھروں سے سیر کے لئے باہر نکلتے ہیں - اس وقت لوگوں کا بڑا زبردست ہجوم تھا - اور ہر طرف خوشی ہی خوشی نظر آتی تھی - سمندر کے کنارے قہوہ خانے لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے - لوگ بیٹھے کھا پی رہے تھے اور ناچ گانا ہو رہا تھا۔

فرانس کے جنوبی ساحل کے مغربی کنارے

پر مارسیلیز ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ اس سے کچھ دور مشرق سے لے کر سمندر کے کنارے کنارے اطالیہ میں سان مارکو تک جو علاقہ ہے وہ "رے ویرا" کہلاتا ہے۔ یہ خطہ یورپ کے سب خطوں سے مختلف ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہت عمدہ اور صحت بخش ہے۔ یوں تو بحر روم کے کنارے کے سب علاقے پھلوں کے لئے مشہور ہیں لیکن رے ویرا میں پھل اور بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔

جب تمام یورپ برف سے ڈھکا ہوتا ہے اور لوگ سردی کی شدت سے پریشان ہو جاتے ہیں تو اس جگہ موسم بہت خوش گوار رہتا ہے۔ اور آفتاب کی شعاعوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے لوگ جوق در جوق یہاں آتے ہیں۔ نیس میں سردی گرمی دونوں کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ دھوپ بھی ہے اور صاف ستھرا موسم بھی۔ سردی کا لطف اٹھانا ہو تو تھوڑی دور پہاڑوں میں چلے جایئے یہاں برف نظر آئے گی اور برفانی کھیلوں میں حصہ لینے کا موقع ملے گا۔ گرمی کے زمانے میں بھی نیس سیاحوں سے بھرا رہتا ہے۔

ہم نے مارسلیز سے مونٹی کارلو تک سمندر کے کنارے کنارے سفر کر کے پورا رے ویرا دیکھا۔ یہ منظر ایسا تھا جسے بھولنا مشکل ہے۔ سڑک بالکل سمندر سے ملی ہوئی جاتی ہے اور اس کے کٹے پھٹے کناروں کے ساتھ ساتھ ہزاروں پیچ و خم کھاتی ہے۔ کہیں کہیں پر یہ سڑک بہت اونچی ہو گئی ہے اور اس کے نیچے چٹانوں پر بحر روم کا نیلا پانی مسلسل ٹکراتا اور شور کرتا رہتا ہے۔ بحر روم کا پانی اپنے رنگ کے لئے مشہور ہے۔ اس قسم کے نیلے رنگ کو انگریزی زبان میں اسی سمندر کے نام پر میڈیٹرینین بلو کہتے ہیں۔

راستے میں موٹر کبھی میں چلاتا تھا کبھی کریم چلاتے تھے۔ سڑک بہت دشوار گذار تھی۔ کہیں کہیں پر روک بالکل نہ تھا۔ ذرا سی غلطی یا لاپرواہی ہوتی تو موٹر ہمیں لئے ہوئے سمندر میں کود جاتی۔ سڑک سے ذرا دیر کے لئے بھی آنکھ ہٹانا موت کو دعوت دینا تھا۔ لیکن منظر ایسا دل فریب تھا کہ بار بار ادھر ادھر دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ اس خیال سے ہم نے اور کریم نے آدھا آدھا راستہ طے کیا۔ دوسرے صاحبان کو موٹر چلانے کی ضرورت اس لئے نہ تھی کہ وہ اس فن لطیف سے واقف نہ تھے۔ اور ہم اس خیال میں پریشان تھے کہ موٹر راستے سے بہک نہ جائے۔ ادھر پیچھے کی سیٹ پر چار نواب صاحبان نہایت شان کے ساتھ گنگناتے، شعر پڑھتے، مناظر کی داد دیتے چلے جاتے تھے اور ہمیں ساتھ ساتھ چلانے میں احتیاط کرنے کی ہدایت بھی دیتے جاتے تھے۔

لیکن بھائی سچ پوچھو تو ان کا کچھ قصور بھی

نہ تھا۔ منظر ہی کچھ ایسا تھا کہ مردہ دل سے مردہ دل آدمی ایک دفعہ تو گنگنا ہی اٹھے۔ جن جگھوں میں کنارے پر بالو ہوتا یا سمندر کا پانی اندر گھس کر تالاب کی شکل بنا دیتا۔ وہاں پر سینکڑوں مرد عورت بوڑھے بچے نہاتے ہوئے ملتے۔ اس زمانے میں کچھ گرمی پڑ رہی تھی اس لئے نہانے والوں کو جو لطف حاصل ہو رہا ہوگا کچھ انھی کے دل سے پوچھو کبھی کبھی تو ہمارا بھی دل چاہا کہ الااللہ کا نعرہ ماریں اور پانی میں کود پڑیں۔ لیکن بدقسمتی سے وقت کم تھا۔

سارے راستے تقریباً دو سو میل ہم نے نہانے والوں اور سیاحوں کی ٹولیوں کو ادھر ادھر ڈیرے ڈالے ہوئے دیکھا۔ کہیں سمندر کے کنارے چھوٹے چھوٹے خیمے لگے ہوئے تھے۔ کہیں درختوں کے نیچے لوگ چولہے روشن کئے ہوئے کھانا پکانے میں مشغول تھے۔ کہیں پر ہم نے چھوٹے چھوٹے نہایت خوب صورت مکانات دیکھے۔ یہ مکان قدیم یونانی اور جدید یورپی وضع کو ملا کر بنے ہوئے ہوتے تھے۔ اکثر پر نہایت شوخ رنگ چڑھا ہوا تھا۔ مکان آبادی سے دور، بالکل علیحدہ، سمندر کے کنارے، کسی اونچے ٹیلے پر بنے ہوئے نہایت رومان انگیز معلوم ہوتے تھے اور ہم سے نہانے والوں کے ذوق سلیم کی بے اختیار داد دیتے تھے۔

کہیں پر ساحل ہلال کی شکل کا تھا۔ اس کے ایک سرے پر شہر آباد ہوتا۔ پہلے ہم شہر میں داخل ہوتے۔ اسے دیکھ کر جب آگے بڑھ جاتے اور ہماری موٹر ہلال کے دوسرے سرے پر پہنچ جاتی تو سارا شہر، اس کے بندرگاہ، اس کے جہاز، اس کی بادبانی کشتیاں، ایک نئی خوب صورتی کے ساتھ پھر جلوہ گر ہوتیں۔

بعض جگھوں میں سمندر کے کنارے بلند پہاڑ تھے۔ اس لئے سڑک کو ان سے بچا کر اندر کی طرف بنایا گیا تھا۔ جب کبھی سڑک اس طرح ساحل سے کچھ دور ہو جاتی تو ہم سرسبز کھیت اور پھلوں سے بھرے ہوئے باغات سے گذرتے۔ ہم اسی طرح جا رہے تھے کہ ایک جگہ انگور کے کھیت نظر آئے ہندوستان میں انگور کی بیل ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہے۔ اس جگہ انگور کے درخت کھیتوں میں بغیر کسی ٹٹی کے لگے ہوئے تھے۔ ان کی جڑیں موٹی اور چھوٹی تھیں۔ ان میں پتلی پتلی شاخیں نکلی ہوئی تھیں۔ ان شاخوں میں انگور کے خوشے لٹک رہے تھے۔ غالباً پھل آنے کے بعد یہ شاخیں کاٹ دی جاتی ہوں گی۔ یہ درخت اپنی شکل اور وضع میں فالسے جیسے معلوم ہو رہے تھے۔

ہم نے اس کثرت سے انگور کا ہے کو کبھی دیکھے تھے۔ محب صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور چلا اٹھے

میں بھی روک لو۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت کی نیت خراب ہو رہی ہے۔

جرمنی کی ایک سڑک کے دونوں طرف سیب اور شفتالو کے درخت سرخ سرخ پھلوں سے لدے ہوئے درخت دیکھ کر انھوں نے گڑبڑ مچائی تھی اور میری اور باقی صاحب کی مخالفت کے باوجود خوب پھل توڑ توڑ کر کھاتے تھے۔

اب یہاں پھر انگور کے کھیت دیکھ کر ان حضرات کے منہ میں پانی بھر آیا۔ یورپ کے اصول پر یہ ہر مال کو اپنا مال سمجھتے تھے بشرطیکہ اس کا مالک کم زور ہو اور آسانی سے چیز ہاتھ آ جائے۔ مجبوراً موٹر پھر روکنی پڑی۔ یہ صاحبان بھوکے گدھ کی طرح انگوروں پر ٹوٹ پڑے اور کھیت میں پھیل گئے۔ اور میں موٹر کا دروازہ کھول اور سرعت گر (وہ آلہ جس سے موٹر تیز کی جاتی ہے) پر پیر رکھے تیار رہا کہ جس وقت کسان ڈنڈا لے کر ان کے پیچھے بھاگے اور یہ لوگ گرتے پڑتے موٹر میں داخل ہوں تو میں تیزی کے ساتھ بھاگ نکلوں۔

لیکن اب اگر مضمون کو آگے بڑھاتا ہوں تو تمہارے ایڈیٹر صاحب ڈنڈا لے کر مجھ پر پل پڑیں گے اور ہنگامہ شروع کر دیں گے۔ اس لئے بس صرف اتنا سن لو کہ نیس سے جا کر ہم تقریباً ایک بجے دن کو کنیس پہنچے یہ جگہ بعض لحاظ سے نیس سے بھی خوب صورت ہے۔ سیاحوں سے یہ شہر بھرا رہتا ہے۔ یہاں سے روانہ ہو کر ہم شام کے بعد تولون پہنچے۔ یہ شہر ایک بہت ہی گہری خلیج پر واقع ہے اور فرانس کا سب سے بڑا بحری فوجی اڈا ہے۔ رات کے وقت یہ شہر کچھ بہت اچھا نظر نہیں آتا۔ لیکن رات ہو چکی تھی۔ اس لئے ایک اچھے ہوٹل میں ٹھیرے رہے اور دوسرے روز صبح کے وقت روانہ ہو کر تقریباً دو تین بجے مارسیلز پہنچ گئے۔ اور یہاں سے دو دن بعد جہاز میں سوار ہو کر ہندوستان ...... خدا حافظ

محسن کا بھلا چاہو

محسن حامد تعلیمی مرکز ، جامعہ (درجہ سوم)

کسی جنگل میں ایک بکری اِدھر اُدھر پھر رہی تھی ۔ اُدھر سے کئی شکاری کتوں نے اُس کا پیچھا کیا ۔ بکری بھاگ کر جھاڑیوں میں چھپ گئی ۔ اور کتوں کی نظر سے غائب ہو گئی ۔ تھوڑی دیر کے بعد بکری نے انہی جھاڑیوں کے پتّے کھا ڈالے اب کتوں کی نظر اُس پر پڑی ۔ دوڑے اور پکڑ لیا ۔

چچا چھکّن چلے چاندنی چوک کو

فہیم جہاں بیگم ، آگرہ

چچا چھکّن کی چار لڑکیاں تھیں ۔ ایک دن چچا چھکّن چھتری لگا کر چند چیزیں خریدنے چاندنی چوک چلے ۔ چچی نے کہا چاندنی چوک جا تو رہے ہو میری چاروں بچیوں کے لئے چار جوڑ چھوٹے کے چمکیلے چپل بھی لیتے آنا ۔ چچی نے چپلیں لانے کے لئے چار چمکتی ہوئی چونیاں چچا کو چمڑے کے بٹوے میں سے نکال کر دیں ۔ چچا چھکّن گئے تھے چپلیں لینے ۔ چلے آئے چار جوڑ چوڑیاں لے کر ۔ چچی چیخیں چلائیں تو چچا نے کہا کہ یہ چمک دار چوڑیاں پہن کر چاروں لڑکیوں کے چار چاند لگ جائیں گے ۔ چار چاندوں کا نام سُن کر چچی چپ چاپ چاول چننے لگیں ۔

آبدوز کشتی

انیس احمد مینائی

آبدوز کشتی وضع وقطع میں سگار سے بہت مشابہ ہوتی ہے ۔ یعنی اس کے دونوں سرے گاؤدم ہوتے ہیں اور درمیانی حصہ کسی قدر موٹا اور چپٹا ہوتا ہے اور اسی چپٹے حصے پر افسر اور ملاح کھڑے ہوتے ہیں ۔

اس کے وسط میں ایک مینار ہوتا ہے جس میں متعدد روشن دان ہوتے ہیں۔ افسر اور ملّاح اسی مینار کے ذریعے کشتی کے اندر جاتے اور کشتی سے باہر آتے ہیں۔ کشتی کے اگلے سرے پر ڈھکیلنے کا آلہ لگا ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے انجن اور برقی مورچے لگے ہوتے ہیں۔ اس کی پشت پر ایک بڑا کمرہ ہوتا ہے جس میں کھانے پینے کی چیزیں اور دوسرا ضروری سامان پیپوں میں بند رکھا رہتا ہے۔ اسی کمرے کی پشت پر ملّاحوں کے رہنے کی جگہ ہوتی ہے۔ کشتی میں دو خاص قسم کی پتواریں بھی ہوتی ہیں جو افقی انداز سے حرکت کرتی ہیں۔ انھی کے ذریعے سے کشتی پانی میں غوطہ لگاتی اور سطح آب پر آتی ہے۔ کشتی کو سطح آب کے نیچے رکھنا مقصود ہوتا ہے تو ٹنکیوں میں پانی بھر لیا جاتا ہے۔ پھر برقی مورچے اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور پانی کی سطح کے نیچے آب دوز کشتی آٹھ سے بارہ میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر کرتی رہتی ہے۔ آب دوز کشتی کے انجن بجائے بھاپ کے گیسولین سے چلتے ہیں۔ سطح آب پر تو کشتی انجن سے چلتی ہے لیکن سطح آب کے نیچے اس کو برقی مورچوں سے چلایا جاتا ہے۔ کیونکہ گیسولین کا دھواں ملاحوں کی صحت کے لئے بہت مضر ہے۔ آب دوز کشتی پر ایلومنیم یا کسی اور دھات کا ایک بہت نازک خول چڑھا ہوتا ہے۔ کشتی کے اندر تازہ ہوا بالکل ناپید ہوتی ہے اس لئے ہوا پیپوں میں بند کر کے رکھ لی جاتی ہے۔ اس ہوا کو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چھوڑتے رہتے ہیں۔ سانس کی کثیف ہوا کے نکالنے کا بھی انتظام ہوتا ہے۔

اس کشتی کا کام چوری چھپے جہازوں کو تباہ کرنا ہے...... اسی لئے یہ جن برقی مورچوں سے چلتی ہے وہ بالکل بے آواز ہوتے ہیں اور ان مورچوں کے چلنے سے نہ تو آواز پیدا ہوتی ہے اور نہ سطح آب پر بلبلے اٹھتے ہیں۔

تارپیڈو اس آلے کا نام ہے جس سے آب دوز کشتی جہازوں کو تباہ کرتی ہے۔ تارپیڈو شکل و صورت میں بالکل آب دوز کشتی کی طرح ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کا چلانے والا کوئی بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ خود بخود چل کر جہاز سے جا ٹکراتا ہے اور اسے تباہ کر دیتا ہے۔ اس کے دونوں سروں پر دو دروازے ہیں۔ جب اسے چھوڑنا منظور ہوتا ہے تو ملاح اندر کا دروازہ کھول کر اس میں فلیتے لگا دیتا ہے اور اندر کا دروازہ بند کر کے باہر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جس کے کھلتے ہی تارپیڈو روانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی رفتار فی گھنٹہ ۳۰ میل ہوتی ہے اس کے اگلے سرے پر ایک آتش گیر مادہ ہوتا ہے اور نوک پر ایک سوئی لگی ہوتی ہے۔ جب سوئی جہاز کے نچلے حصے سے ٹکراتی ہے تو آتش گیر مادہ اڑ جاتا ہے اور اس قدر زور کا دھماکا ہوتا ہے کہ جہاز فوراً غرقاب ہو جاتا ہے۔ تارپیڈو میں ایک پہیہ لگا ہوتا ہے جو برابر گھومتا رہتا ہے اور سوئی کو ڈھیلا نہیں ہونے دیتا ہے۔ لیکن جب تارپیڈو اپنا راستہ طے کر چکتا ہے تو پہیے کے پیچ خود بخود ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور سوئی پر چوٹ لگتے ہی مادہ بھڑک اٹھتا ہے۔

بچّوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر کی اِصلاح کے بعد

بلّی کی مامتا

عزیز بانو، اجمیر

امّی! امّی!! ابّا! ابّا!! | ہم نے ایک تماشا دیکھا
بلّی کے دو چھوٹے بچّے | پیلے، کالے، موٹے بچّے
کان نکیلے، آنکھیں نیلی | مُنہ پر مونچھیں پیلی پیلی
ابّا ایسی تھی چترائی | امّی! وہ دونوں تھے بھائی
دونوں پنجے جھاڑ رہے تھے | تھیلے کا غذ پھاڑ رہے تھے
دونوں میں تھا میل انوکھا | چال نرالی کھیل انوکھا
ایک کا آنا، ایک کا جانا | بُنتے تھے وہ تانا بانا
پہلے تو کی ہاتھا پائی | تھک کے سو گئے نیند جو آئی
سونے کا بھی یہ منظر تھا | ایک کا سپنا ایک کا سر تھا
چھوٹا اوپر نیچے بڑا تھا | شیر کے اوپر شیر پڑا تھا
اتنے میں بلّی خالا آئی | کھانا دبا کر مُنہ میں لائی
رکھا وہ بچّوں کے آگے | آہٹ پاکر دونوں جاگے
چھچھڑے تھے روٹی سوکھی تھی | امّی! بلّی بھی بھوکی تھی
ننھے ننھے ٹکڑے بنائے | اُن کو کھلائے آپ نہ کھائے
دونوں کے آگے ٹکڑے ڈالے | بھوکی ماں نے بچّے پالے
پہلے ابّا! اُن کو کھلایا | پھر دونوں کو دودھ پلایا

بلّی سے یہ جان گئے ہم
ماں ہے کیا پہچان گئے ہم

بلّی

مسعودہ خاتون۔ عمر ۹ سال۔ ٹونک۔

بلّی میں نے ایک ہے پالی | پٹّی اُس کے گلے میں ڈالی
بال ہیں اس کے بہت ہی لمبے | صورت اس کی بھولی بھالی
پنجے اس کے بہت ملائم | آنکھیں اس کی کالی کالی
نام ہے اس کا کملا رکھا | پیتی ہے وہ دودھ کی پیالی

ہے یہ بلّی چوہوں کی خالا
کرتی ہے چوہوں کا نوالا

پیامی شاعر

شمیم جالنوی

نیّر کے پیامی شاعر | ہو جائیں خدایا ماہر
ہو ان کا شوق اچھوتا | ہر شعر ہو ان کا اچھا
یہ ایسے شعر سنائیں | سب اُن کو سُن کر گائیں
ہو نام جہاں میں روشن | اشعار ہوں ان کے گلشن

جیسے ہو خدایا اُن سے
یہ کام کریں کچھ بڑھ کے

باغ میں جائیں

عبدالخالق قائد سدیدی
پٹنہ

(۱)

آؤ بھیا! باغ میں جائیں ساتھی جو ہیں اُن کو بلائیں
کھیلیں کودیں شور مچائیں آؤ بھیا! باغ میں جائیں

(۲)

دیکھو دیکھو پھول کھلے ہیں بلبل کیسے چہک رہے ہیں
تانیں اُن سے ہم بھی لڑائیں آؤ بھیا! باغ میں جائیں

(۳)

چڑیاں کیسی چہک رہی ہیں تتلیاں کیسی بہک رہی ہیں
دوڑو دوڑو اُن کو اُڑائیں آؤ بھیا! باغ میں جائیں

(۴)

پیارے منظر دیکھیں آؤ میٹھے پھل کچھ توڑیں آؤ
اُن کو کھائیں مزے اُڑائیں آؤ بھیا! باغ میں جائیں

(۵)

خوشبو کیسی مہک رہی ہے ڈالی ڈالی لچک رہی ہے
خوشبوؤں سے دل بھر کر آئیں آؤ بھیا! باغ میں جائیں

ہندوستان

محمد افضال احمد دیوبندی

یہ ہندوستاں یہ ہمارا وطن دکھ سکھ میں سب سے نیارا وطن
یہ ہندوستاں یہ ہمارا وطن

اسیروں کا مسکن ہمارا وطن غریبوں کے دل کا سہارا وطن
یہ ہندوستاں یہ ہمارا وطن

ہے جگ سے انوکھا ہمارا وطن محبت کی دنیا کا تارا وطن
یہ ہندوستاں یہ ہمارا وطن

یہ کُل جگ کی آنکھوں کا تارا وطن یہ دُنیا میں سب سے پیارا وطن
یہ ہندوستاں یہ ہمارا وطن

وطن میں ہمارے نہ ہو شور و شر تو قائم ہو اس سے ہمارا اثر
یہ ہندوستاں یہ ہمارا وطن

کھٹمل کی فریاد

توصیف علی خاں طالب علم

محدود ہے عقل و وہم انساں قدرت کا سمجھنا ہے نہ آساں
پیدا ہے جو چیز کام کی ہے ایسا نہ سمجھنا نام کی ہے
کیڑا ہوں ذرا سا بے حقیقت حاصل ہے مگر بڑوں کی صحبت
کھٹمل مرا نام رکھ دیا ہے بدنام مجھے بہت کیا ہے
لیکن نہ کسی نے کچھ بھی سمجھا ہے کام مرا بُرا کہ اچھا
ہیں قابلِ داد کام میرے سن لیجئے وہ تمام میرے
دولت کی میں کرتا ہوں حفاظت سوتے نہیں شب کو اہلِ دولت
رہتے ہیں جو لوگ شب کو بیدار کرتے ہیں خدا کو یاد ہر بار
جب نیند اُنھیں کبھی ستاتی چٹکی ہی مری اُنھیں جگاتی
ہیں کام مرے صلے کے قابل یہ کام نہیں گلہ کے قابل
نیکی کے عوض بدی ملی ہے دُنیا یہ عجب چلن چلی ہے
جس نے مجھے دیکھ پایا ہیہات کہہ کر یہ چلا نہ جائے بدذات
پکڑا مجھے کر مل دیا زمیں پر بس جان گئی مری وہیں پر
ہستی مری ہو گئی ہے برباد اللہ تو سُن لے مری فریاد

پیاری بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست

لو صاحب ایک مہینے کی چھٹی مناکر تمھارا پیام تعلیم پھر تمھارے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ پچھلے دو مہینے (جنوری، فروری) ہندوستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

جاپان کے حملے کا حال تم اخباروں میں پڑھتے رہتے ہو۔ اس نے اس عرصے میں برطانیہ اور امریکہ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ فلپائن کے بہت اہم جزیرے اس نے فتح کرلئے ہیں۔ ادھر ملایا پر اس کا قبضہ ہوگیا ہے۔ سنگاپور بھی جو انگریزوں کا بہت اہم جزیرہ تھا بہت سخت لڑائی کے بعد جاپان کے پاس چلا گیا۔ برما میں مولمین اور مرتبان تک اس کی فوجیں بڑھ آئیں اور برابر آگے بڑھ رہی ہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بحرالکاہل پر اس کی بادشاہت ہوگئی ہے جدھر چاہتا ہے رخ کر دیتا ہے۔ جاوا، سماترا، ہندچینی چین غرض ہر جگہ اس کی فوجیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اب آسٹریلیا کی بندرگاہ ڈارون پر بھی اس نے بمباری شروع کردی ہے، کئی ہفتے ہوئے انگلستان کی پارلیمنٹ میں بہت بے چینی پیدا ہوگئی تھی۔ مسٹر چرچل نے ایک تقریر کرکے سب کو اطمینان دلادیا اور پارلیمنٹ کی رائے ان کے حق میں ہوگئی مگر سنگاپور میں ہارنے کے بعد پھر وہی بے چینی پیدا ہوگئی۔ مسٹر چرچل نے سنگاپور کے معاملے پر دو ہفتے بعد بحث کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ علاوہ اس کے پارلیمنٹ کے ممبروں کی خواہش دیکھ کر انھوں نے اپنی وزارت میں بھی بہت کچھ ادل بدل کردی ہے۔ ان پرانے وزیروں کی جگہ اچھے اچھے لوگ رکھے گئے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں لیبیا کے محاذ پر انگریزوں کو اچھی خاصی کامیابی ہورہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑائی کا سامان بہت کافی ہے۔ ہوائی جہاز کافی تعداد میں ہیں اور سپاہیوں کو ریتیلے میدان کی لڑائی کا کافی تجربہ ہوگیا ہے۔

روس میں جرمنی کی فوجیں برابر پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ لڑائی مختلف محاذوں پر ہورہی ہے اور ہر جگہ روسیوں کا پلہ بھاری ہے۔ لینن گراڈ میں بھی روسی فوجیں جرمنی کے کئی مورچوں کو توڑ کر آگے نکل گئی ہیں۔ اگر سردیوں کے بعد بھی

روسیوں کے یہی دم خم رہے تو جرمنی کو غالباً آگے بڑھنے میں بہت دقت پیش آئے گی اور کوئی عجب نہیں کہ لڑائی کا نقشہ بدل جائے۔ سنگاپور دشمن کے ہاتھوں پہنچنے کے بعد یوں سمجھو کہ لڑائی ہندوستان کے دروازے پر آپہنچی ہے۔ رنگون کے ہندوستانی سمندر کے راستے سے اور پیدل برابر کلکتے چلے آرہے ہیں اسی طرح کلکتے کے لوگ خصوصاً مارواڑی اپنا کاروبار چھوڑ چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ لڑائی کی وجہ سے بہت سی چیزوں کے دام چڑھتے چلے جا رہے تھے۔ مگر حکومت نے اناج اور اس کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کی قیمتیں مقرر کردی ہیں اس سے لوگوں کو بہت سہولت ہو گئی ہے۔

پچھلے دنوں ہندوستان کے دو بڑے آدمیوں کا انتقال ہوگیا۔ سر اکبر حیدری اور سیٹھ جمنالال بجاج۔ سر اکبر حیدری پہلے بمبئی میں اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔ اس عہدے سے پنشن لینے کے بعد آپ حضور نظام کی اکزیکٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے وزیر اعظم کے عہدے تک پہنچ گئے۔ آپ کے زمانے میں ریاست نے غیر معمولی اور حیرت انگیز ترقی کی۔ ابھی پچھلے سال جولائی میں وائسرائے کی دعوت پر آپ وائسرائے کی اکزیکٹو کونسل میں شامل ہوگئے۔ سر اکبر حیدری کو ہماری جامعہ سے بہت دلچسپی تھی کئی بار جامعہ میں بھی تشریف لائے۔ جامعہ کو ریاست حیدرآباد سے جو مدد ملی ہے اس میں بھی مرحوم کی کوششوں کو بہت کچھ دخل ہے۔ اس پرچے میں آپ کی تصویر بھی چھپ رہی ہے۔ سیٹھ جمنالال بجاج ہندوستان کے مشہور قومی کارکن تھے۔ قومی تحریکوں میں ہمیشہ آگے آگے رہے اور جان و مال سب کچھ قوم پر نثار کر دیا۔ جامعہ کے بہت ہمدرد تھے بہت دنوں تک جامعہ کے خزانچی رہے خود بھی ایک بہت بڑی رقم چندے میں دی ہے۔ ہندوستان کی ان دونوں بڑی ہستیوں کے انتقال بہت افسوس ہے۔

پچھلے مہینے کا ایک اہم واقعہ اشل جنرل چیانگ کائی شک کا ہندوستان میں تشریف لانا ہے۔ تم نے اُن کا نام اخباروں میں اکثر دیکھا ہوگا۔ یہ چین کے مشہور لیڈر سن یات سین کے شاگرد اور آج کل چین کی قومی حکومت کے روح رواں بنے ہوئے ہیں۔ آج پانچ سال سے جاپان اُن کے ملک کو فتح کرنا چاہتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا اُنھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے چینی قوم میں آزادی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ لوگ مرنے کے لئے تیار ہیں غلامی کے لئے تیار نہیں۔ انگریزی حکومت نے ان کے شایانِ شان ان کی مہمان نوازی کی جنرل موصوف ہندوستان کے بڑے بڑے قومی لوگوں پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی وغیرہ سے بھی ملے

پیام تعلیم کے معمّوں کے سلسلے میں معمّا بنانے والے صاحب کو شکایت ہے کہ پیامی سمجھ سے بہت کم کام لیتے ہیں اکثر بچے تین تین چار چار حل بھیجتے ہیں اور تمام حل بالکل ایک سے ہوتے ہیں۔ ہر معمّے میں تین، چار خانے ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک معنی کے کئی لفظ آسکتے ہیں چاہئے یہ کہ کوپن میں ایک لفظ لکھا گیا ہے تو دوسرے کوپن کے اُسی خانے میں اُسی معنی کا دوسرا لفظ لکھ دیا جائے۔ اِس پرچے میں کہیں دوسری جگہ ٹکٹوں کے نمونے چھپ رہے ہیں۔ یہ ٹکٹ علیحدہ بھی چھپ گئے ہیں پیامی اپنے خطوں کے ساتھ ڈاک کے ٹکٹوں کی جگہ اب یہی بھیجا کریں۔

(محمد حسین حسّان)

معمّا نمبر ۲۷

(انعام میں کتابیں بھی جائیں گی)

پہلا انعام ے ر

دوسرا انعام للعہ ر

دائیں سے بائیں

۱۔ اِس ملک کے سب سے بڑے آدمی آج کل ہندوستان میں ہیں۔

۳۔ حد سے زیادہ یہ بھی انسان کو ناکارہ کردیتی ہے۔

۶۔ دیکھئے جاپان اب کدھر کا ۔۔ کرتا ہے۔

۷۔ چھوٹے اپنے بڑوں کا ۔۔۔ لے کر نہیں پکارتے۔

۹۔ نیک کام کرنے میں یہ ضرور حاصل ہوتا ہے۔

۱۱۔ ایسا حکیم خطرۂ جان ہوتا ہے۔

۱۳۔ بچوں کے شاعر (بے ترتیب)

۱۴۔ جاپانی بدھ ۔۔ کے پیرو ہیں۔

۱۵۔ اچھے ؛ اس کی شناخت جوہری ہی کرسکتا ہے۔

۱۶۔ اگر یہ پھر جلئے تو دماغ میں فتور ہو جاتا ہے

۱۸۔ حرف اضافت

۱۹۔ فتح کرنے کے بعد جاپانیوں نے اس کا نام شونان رکھ دیا ہے۔ (بے ترتیب)

۲۳۔ مستقل شکستوں سے انگریزی فوجوں کی ... پست ہونے کا ڈر ہے (الٹا)

۲۴۔ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو فساد کی جڑ ہیں۔

اُوپر سے نیچے

۱۔ یہ لڑائی کسی کو ... سے نہ بیٹھنے دے گی۔

۲۔ انتہائی یہ بچّے کو بگاڑ بھی دیتی ہے۔

۴۔ لفظ بمعنی سردار

۵۔ یہ کہنا کہ انسان کی ترقیاں محض اس کی ..... پر منحصر ہیں درست نہیں۔

۸۔ یہ آرزو ہے کہ مہر و وفا سے کام رہے
وطن کے باغ میں اپنا ہی ..... رہے — چکبست

۱۰۔ غرور، حرص اور فضول خرچی ..... کے بدترین دشمن ہیں۔

۱۲۔ ہندوستان میں سینکڑوں اچھے اچھے .... ہیں

۱۷۔ لفظ بمعنی مزہ

۱۸۔ ۔ۓ

۲۰۔ غائب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

۲۱۔ ۱۷۶۰، اِس کا ایک میل ہوتا ہے۔

۲۲۔ انگریزی فوجیں ۔۔ کر بھی ہمت نہیں ہارتیں۔

قواعد

۱. تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔

۲. ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳. ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ ؍ آٹھ حلوں کی ۶ ؍ ہے۔

۴. دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵. تمام حل ۱۰ ؍ مارچ تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶. ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷. پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸. کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۹. ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۰. دالؔ اور ڈالؔ کا نمایاں فرق ہو (دؔ ۔ ڈؔ)

۱۱. چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ (یؔ ےؔ)

۱۱. جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیے۔

۱۲. املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۴. حلوں کے بارے میں شکایتی خطوں کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ لگنے چاہئیں۔ شکایت ٹھیک ہوئی تو اُن کے پیسے انعام میں شامل کر لئے جائیں گے۔ ورنہ اطلاع مل جائے گی۔

۱۵. پتہ :- سب ایڈیٹر پیام تعلیم، مکتبہ جامعہ، دہلی، قرول باغ

معما نمبر ۲۶ کا صحیح حل

۶ س	۵ ش		ں	۴ آ	۳ و	۲ س	۱ د
ہ		۸ ع		ی	ہ	ا	۷ ش
و	ں	ل	ے	۹ ر			
		م		ا	۱۲ م	۱۱ ض	۱۰ ق
۱۵ غ			۱۴ م	ن	د	۱۳ ر	
ا	ن	ہ	۱۷ ر		ا	و	۱۶ ہ
ص			ح		ہ	ر	۱۸ ش
ک	ھ	ک	و	۱۹ ر		ی	

صحیح حل (انعام اوّل) ۵ ؍

۱ ۔ رحیم الدین ۔ تعلیمی مرکز نمبر ۱ ۔ قرول باغ ، دہلی

ایک غلطی (انعام دوم) فی کس ۱۳ ؍

(۱) نیر یوسف الزماں ۔ بلند شہر

(۲) زکیہ خاتون ۔ دہلی

(۳) محمد عطاء الرحمٰن عثمانی ۔ دہلی

(۴) سید قسیم رضا ۔ دہلی

(۵) محمد سعید ۔ دہلی

(۶) بھوپندر سنگھ ۔ برار

معمّا نمبر ۲۷
کوپن نمبر
نام
پتہ
معمّا نمبر ۲۷
کوپن نمبر
نام
پتہ
معمّا نمبر
کوپن نمبر
نام
پتہ
معمّا نمبر ۲۷
کوپن نمبر
نام
پتہ

سر اکبر حیدری مرحوم (کالباس کالی ٹوپی)
یہ تصویر اس وقت کی ہے جب آپ جامعہ
مکر اولہا تعریف لائے تھے بائیں طرف جناب
شیخ الجامعہ کھڑے ہیں
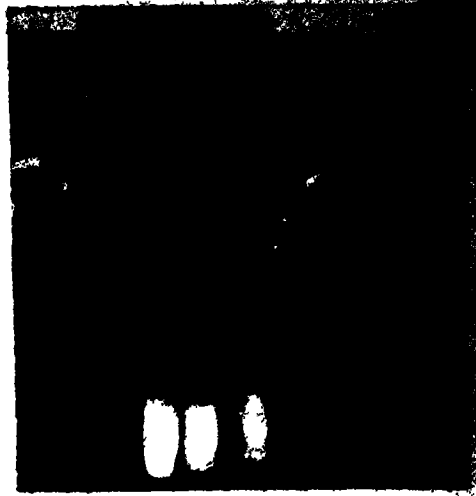
چال تال کے درمیان کی وادی
(کشمیر)

"سایہ"

Regd. L. No. 1961

ٹکٹوں کے نمونے
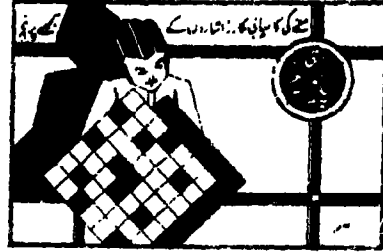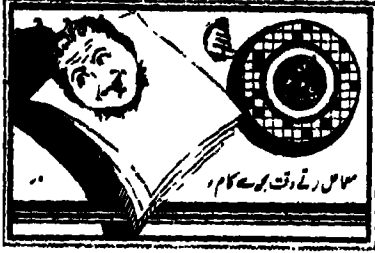
پیام تعلیم
اپریل
جامعہ دہلی

کلیۂ فنون (آرٹس کالج) جامعۂ عثمانیہ

دروازۂ کلیۂ فنون (جامعۂ عثمانیہ)

جامعۂ عثمانیہ کا ایک بورڈنگ

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

سالنامے کی تعریف میں پیامیوں کے خط برابر آرہے ہیں۔ عزیزی مشہود بخش بدایوں، رمیش صاحب امرتسر، محمد حنیف حیدرآباد کے خط خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ ایک پیامی نے سالنامے کی تعریف میں نظم بھی لکھ کر بھیجی ہے۔ یہ اگلے پرچے میں چھپ سکے گی۔

جناب مولانا محمد شفیع الدین صاحب نیّر آج کل بہت مصروف ہیں۔ اسی مصروفیت کی وجہ سے وہ بچوں کی نظموں کی اصلاح نہ کرسکے۔ یہ نظمیں اب اگلے پرچے میں شائع ہوں گی۔

اس پرچے میں محترمہ آپا جان کا ایک مضمون شائع ہو رہا ہے۔ یہ مضمون بہت کام کا ہے۔ آپا جان کی خواہش ہے کہ پیامی مضمون کی ہدایتوں کے مطابق تصویریں بھی بنائیں۔ کوئی بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی ہو یا کوئی بات پوچھنا ہو تو پیام تعلیم کی معرفت آپا جان کو خط لکھیں۔ آپا جان بڑی خوشی سے پیامیوں کی مدد کریں گی۔

پچھلے پرچے میں کھانے کی کہانی - ایڈیسن کی مہم بلاپ (کہانی) اور مصر کی اسلامی یادگاریں یہ سب مضمون بہت پسند کیے گئے۔ کھانے کی کہانی اور ایمنڈسن کی مہم دونوں مضمون اگلے پرچے میں ختم ہوں گے۔ اس پرچے میں سید احسن صاحب کا مضمون تماکو اور جامعہ عثمانیہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔

مصر کی اسلامی یادگاروں کے سلسلے میں چند تصویریں بھی چھپی تھیں اُن میں سے ایک تصویر کے نیچے مسجد سیدنا حسین غلط چھپ گیا ہے اصل میں عمرو بن عاص ہونا چاہیے۔ پیامی ٹھیک کرلیں۔

نیکی

خان الیاس مجیبی

ایک تھے میاں "پمی" اور ایک تھیں اُن کی آپا، اپنی آپا کو میاں پمی اپّی کہا کرتے تھے - ایک دن شام کو دونوں سیر کو نکلے، تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ سڑک پر ایک بٹوا پڑا پایا۔ اُسے کھولا تو اُس میں نکلا ایک روپیہ - اب تو یہ دونوں بہت خوش ہوئے - پمی بولے "ہم تو گیند لیں گے" پمی کی اپّی بھی کچھ کہنے ہی کو تھیں کہ سامنے سے ایک لڑکا آتا دکھائی دیا، بچارا بہت پریشان سر جھکائے جیسے کچھ ڈھونڈھ رہا ہو - پاس آیا تو پمی کی اپّی نے پوچھا، "تم کچھ پریشان ہو، خیر تو ہے؟" وہ لڑکا بولا: "جی میں بہت غریب ہوں میری ماں سلائی کا کام کرتی ہیں - آج اُنھیں ایک روپیہ ملا تھا، میں لے کر بازار چلا کہ آٹھ آنے کا آٹا دال اور مسالا لاؤں گا اور آٹھ آنے کل اپنے اسکول کی فیس کے داخل کروں گا نہیں تو میرا نام کٹ جائے گا لیکن میری جیب تھی پھٹی - اس میں سے بٹوا کہیں گر گیا - پمی اور پمی کی اپّی نے جھٹ سے وہ بٹوا بتایا کہ بھلا یہ تو تمھارا بٹوا نہیں؟ وہ لڑکا دیکھ کے اُچھل پڑا بولا: "ہاں ہاں یہی ہے میرا بٹوا کھول کے دیکھا تو روپیہ بھی مل گیا، وہ بہت

خوش ہوا۔
بچی اور اُن کی امی گھر آئیں۔ سب
کو آج کی سیر کا حال سُنایا۔ اُن
کے اباجی نے جو سُنا تو وہ بہت خوش
ہوئے اور دونوں کو ایک ایک روپیہ
انعام دیا۔

سپاہی

سردار الہام — حیدرآباد دکن

سینہ تانے چلا ہے سپاہی — زخم کھانے چلا ہے سپاہی
پاسبانِ وطن ہے سپاہی — جسم و جانِ وطن ہے سپاہی
پاسبانِ وطن جا رہا ہے
جا رہا ہے سپاہی

آفتیں جھیلنے جا رہا ہے — موت سے کھیلنے جا رہا ہے
رن میں بھی مسکراتا چلا ہے — فتح کے گیت گاتا چلا ہے
پاسبانِ وطن جا رہا ہے
جا رہا ہے سپاہی

اپنی ہستی لٹانے چلا ہے — دشمنوں کو مٹانے چلا ہے
سیف تھامے چلا جا رہا ہے — گیت الہام کے گا رہا ہے
پاسبانِ وطن جا رہا ہے
جا رہا ہے سپاہی

کھانے کی کہانی

سید محمد یحییٰ - عظیم آبادی

پچھلے مہینے کھانے کی کہانی ادھوری رہ گئی تھی۔ ہاں تو بھئی کھانے کی چیزوں میں مچھلی بھی تھی۔ مگر یہ انہی لوگوں کو میسر تھی جو پانی کے پاس رہتے تھے۔ کنارے پر جو مچھلیاں مل جاتی تھیں انھیں شکار کر لیتے تھے پھر جب انھیں کشتیاں بنانا آگئیں تو بس ان کشتیوں پر بیٹھ کر سمندر میں دور دور تک چلے جاتے تھے۔ مگر یہ بہت خطرے کا کام تھا سمندر میں طوفان آتے رہتے تھے اور ان کی کشتیوں کے الٹ جانے کا ڈر رہتا تھا۔ ان مچھیروں کے بیوی بچے کنارے پر کھڑے ان کی سلامتی کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ اور جب وہ مچھلیاں

سے لدے لدائے لوٹ آتے تھے تو گاؤں بھر میں خوشی منائی جاتی تھی۔ مگر اب یہ کام اسٹیمروں (چھوٹے جہازوں) سے لیا جاتا ہے۔ مچھلی کی تجارت نے اب بہت ترقی کی ہے بہت سی اچھی اچھی مچھلیاں ڈبوں میں بند کر کے ساری دنیا میں بھیجی جاتی ہیں۔ فرانس، امریکہ اور انگلستان کے سمندری کناروں پر بہت زیادہ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں بعض مچھلیوں کا تیل بھی نکلتا ہے اور یہ دواؤں کے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی آتا ہے

بھئی چینی سمجھتے ہو! نہیں میاں چین والے نہیں ارے بھئی شکر شکر میٹھی میٹھی سفید دِلی

میں تم کسی دکان دار سے شکر مانگو گے تو وہ تمھیں گڑ کی بنی ہوئی پیلے رنگ کی شکر دے گا مشین کی بنی ہوئی سفید بُراق چینی نہیں دے گا۔ مشین کی شکر کو عام طور پر اب چینی کہتے ہیں۔ یہی چینی خوب باریک پسوائی جائے تو بورا کہلاتی ہے دیسی طریقے سے کھنڈسار میں بنی ہوئی شکر کو کھانڈ کہتے ہیں۔ مگر پہلے زمانے میں یہ یہ باریکیاں کہاں تھیں وہ تو بے چارے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ مٹھاس کیا ہوتی ہے وہ تو کہیے جاتے کیسے انھیں پتہ چلا کہ شہد بھی کھانے کی چیز ہے گنے کا پتہ تو بعد میں چلا۔

چینی گنے ہی سے بنتی ہے۔ گنے کھیتوں سے کاٹ کر اور گاڑیوں میں بھر کر ملوں میں لے جاتے ہیں۔ وہاں اس کا رس نکالا جاتا ہے اور اس کی چینی بناتے ہیں۔ پہلے گاؤں ہی میں گنے کا رس کولھو سے نکال لیتے تھے۔ پھر بڑے سے کڑھاؤ میں کھولا کر گڑ یا راب بنا لیتے تھے راب سے پھر شکر بنتی تھی۔ مگر اب اس طریقے کا رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ آج کل تو گنے کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی چینی بننے لگی ہے۔ ایک ملک میں جہاں گنے نہیں پیدا ہوتے، ایک درخت کے عرق سے چینی بناتے ہیں۔ اس درخت کا نام میپل ہے۔ بہار کے موسم میں ان درختوں کے تنوں میں چھید کر دیتے ہیں بالکل جیسے ربر کے درختوں میں پھر نیچے بالٹی رکھ دیتے ہیں۔ یہ عرق بالکل گنے کے رس جیسا ہوتا ہے۔ اس کی چینی بھی اسی طرح بنتی ہے جس طرح گنے کے رس کی۔

چقندر

اور اب تو جناب چقندر کے رس سے بھی چینی بننے لگی ہے۔ ولایت خصوصاً فرانس اور جرمنی میں سفید چقندر بہت ہوتا ہے۔ پچھلی لڑی

[illegible] میں جب جرمنی میں شکر ختم ہوگئی تو اس نے چقندر سے چینی بنانا شروع کی اور اس میں بہت کامیابی ہوئی۔

اگر کسی دن تمھاری امی کھانے میں نمک ڈالنا بھول جائیں تو کیسا مزا آئے تم منہ بنا کر الگ بیٹھ جاؤ۔ مگر پرانے زمانے کے لوگ اس نعمت سے بالکل بے خبر تھے۔ ان کے لئے یہی بہت غنیمت تھا کہ کچا پکا پھیکا میٹھا جو کچھ مل جاتا تھا پیٹ کے دوزخ کا ایندھن بنا لیتے تھے۔ مگر جب پیٹ بھرنے لگا تو دور کی سوجھنے لگی اور زبان ذائقہ ڈھونڈنے لگی نمک اسی ضرورت کی ایجاد ہے۔ یہ سمندر میں سے نکالا جاتا ہے۔ سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے۔ اسے

کھولاتے ہیں تو پانی اڑ جاتا ہے نمک رہ جاتا ہے اس کے

علاوہ نمک کی کانیں بھی ہیں بالکل اسی طرح جیسے لوہے اور کوئلے کی کانیں۔ ہمارے پنجاب میں بھی نمک کی کانیں ہیں۔ یہاں کا نمک لاہوری نمک کہلاتا ہے۔ اور ہاں ایک اور بات بتانا تو بھول ہی گئے۔ اگلے زمانے میں کچھ دنوں تک اس کا چلن سکے یعنی روپے پیسے کی طرح ہوتا تھا لوگ اس کے ذریعے بیچتے اور خریدتے تھے

ہمیں اپنی تندرستی قائم رکھنے کے لئے تیل یا چربی کھانا بہت ضروری ہے۔ چربی کے نام سے تمھارے دل میں کراہیت سی پیدا ہوگئی ہوگی۔ ہندوستان گرم ملک ہے اس لئے یہاں چربی نہیں کھائی جاتی

سرد ملکوں میں اس کا عام رواج ہے۔ اسکیمو لینڈ کتنا ٹھنڈا ملک ہے۔ وہاں کے بچے تو موم بتی تک کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی چربی کی بنی ہوئی ہوتی ہے

مگر ہاں تم گھی جو کھاتے ہو یہ بھی ایک طرح سے جانور کی چربی سے بنا ہوتا ہے۔ گھی دودھ ہی کا تو بنتا ہے پہلے دودھ سے مکھن نکالتے ہیں اور مکھن کو گرم کرکے گھی نکالتے ہیں اور دودھ بھی گویا جانور کی چربی ہے۔ تیل مختلف بیجوں سے نکلتا ہے۔ یہی السی، سرسوں، تل وغیرہ۔ ناریل کا تیل بھی نکالتے ہیں۔ پہلے یہ تیل دیسی کولھو سے نکالتے تھے اب مشین کا رواج بھی ہو گیا ہے۔ اور ہاں اب نقلی گھی بھی تو بننے لگا ہے یہ عام طور پر بنولے اور مونگ پھلی سے بنایا جاتا ہے اسے بناسپتی گھی بھی کہتے ہیں۔ شہروں میں اصلی گھی تو ملتا نہیں۔ زیادہ تر لوگ اسی کو کھاتے ہیں۔

قید

بندھو لال سیکور

بار بار ہے آ رہی کانوں میں اک پُر غم صدا
ہے کہیں خرگوش کوئی ظالموں کی قید میں
اُف سنائی دی مجھے وہ دردناک آواز پھر
پر نہیں واقف ہوں آتی ہے کہاں سے یہ ندا

کر رہا ہے التجا رو کر مدد کے واسطے
ہے کہاں وہ ؟ وائے! پر افسوس میں واقف نہیں
چھا رہا ہے ہر طرف اس کی صدا سے درد و غم
جس کو سُن سُن کر ہے سہمی جا رہی ساری فضا

ہے جہاں میں لرزہ سا اس کی غمیں آواز سے
ہائے ! کس تکلیف سے ہوگا کسی کی قید میں
کس طرح ہوں گی سکڑتی درد سے اُس کی بھنویں
کر رہا ہے کتنی منت سے برابر التجا

آہ اے خرگوش اے مظلوم ننھے جانور!
ڈھونڈتا ہوں، تو نہیں ملتا کہاں ہے اور کدھر؟

(جمیل احمد شفیق)

ستاروں کی گھڑی

سید عروج الحسن صاحب | استاد تعلیمی مرکز قرول باغ

تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ گھڑی کی ایجاد سے پہلے دن اور رات میں وقت کا اندازہ کیسے ہوتا تھا۔ شاید یہ سمجھتے ہوگے کہ نہ تو لوگوں کو ضرورت ہوتی ہوگی اور نہ کوئی ایسا طریقہ ہوگا جس سے وقت معلوم ہو سکے یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

ہر زمانے میں انسان اپنی سمجھ کے مطابق کسی نہ کسی صورت سے اپنا کام چلا ہی لیتا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ دُنیا ترقی کرتی گئی۔ نت نئی ایجادیں ہوئیں اور ہمارے روزانہ کے کام میں آسانیاں پیدا ہوگئیں ہمارے تمہارے جیسے انسانوں نے نہ جانے کیا کیا چیزیں بنا ڈالیں جنھیں دیکھ کر ہمیں حیرت اور تعجب ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب ہوا کیسے بس یوں ہی نا کہ لوگوں نے قدرت کے کھیل تماشے دیکھے، اور اُن کا غور سے مشاہدہ کیا۔

پانی میں سایہ دیکھا آئینہ بنا لیا۔ پرندوں کے گھونسلے دیکھے اپنا گھر بنانے کی سوجھی۔ اُن کو اُڑتے دیکھا ہوائی جہاز بنا ڈالا۔ سورج سے دھوپ گھڑی بنالی۔

دھوپ گھڑی تو تم نے بھی دیکھی ہوگی گھڑی کی ایجاد سے پہلے بلکہ بعض جگہ تو اب بھی اس سے دن میں وقت کا اندازہ کرتے ہیں۔ دن ہی میں نہیں بلکہ رات میں بھی وقت کا اندازہ کرنے کے لئے قدرت نے آسمان میں ایک گھڑی لگا دی ہے۔ اب یہ ہماری سمجھ کی بات ہے کہ ہم اس سے وقت کا اندازہ لگا سکیں یا نہ لگا سکیں۔

رات کے وقت شمال کی طرف قطب ستارہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ ہمیشہ ایک ہی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ حرکت ہوتی ہے لیکن وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے کچھ فاصلے پر دو اور ستارے ہیں جنھیں فرقدین کہتے ہیں۔

اِن سے ذرا ہٹ کر سات ستارے اور ہوتے ہیں جن کو بنات النعش کہتے ہیں۔ ان میں سے اگلے چار ستاروں کو کھٹولا بھی کہتے ہیں۔ یہ سب ایک خاص رفتار سے قطب کے گرد دن اور رات میں

قریب قریب ایک چکر پورا کرتے ہیں۔ دیکھنے والوں نے تجربے سے معلوم کیا ہے کہ سب سے قریب فرقدا مقام ۲۲ مارچ کو رات کے ۹ بجے قطب کے مشرق کی طرف ۲۲ جون کو اوپر۔ ۲۲ ستمبر کو مغرب میں اور ۲۲ دسمبر کو نیچے۔ یعنی سال بھر میں اپنے روزانہ چکروں سے ایک چکر زیادہ ہوتا ہے۔

فرقد وغیرہ کی رفتار گھڑی کی سوئی کی رفتار کے خلاف ہوتی ہے۔ اگر قطب کو گھڑی کا ڈائل مان لیں تو فرقد قریب کا مقام ۲۲ مارچ کو رات کے ۹ بجے گھڑی کے ۳ کے ہندسے پر ۲۲ اپریل کو ۲ پر۔ ۲۲ مئی کو ایک پر اور ۲۲ جون کو ۱۲ پر اور اسی طرح ہر مہینے میں ۳۰ درجے آگے بڑھتا رہتا ہے اور روزانہ رفتار ایک گھنٹے میں ۱۵ درجے ہوتی ہے اور ہر دو گھنٹے میں ۳۰ درجے۔ مثلاً ۲۲ مارچ کو رات کے ۹ بجے ۳ پر گیارہ بجے ۲ پر۔ ایک بجے ایک پر اور ۳ بجے ۱۲ پر وغیرہ وغیرہ

اس طریقے سے فرقد قریب سے وقت کی شناخت ہو سکتی ہے۔ منٹوں کا فرق تو ممکن ہے لیکن گھنٹوں کا نہیں۔

نیچے کی شکل سے تمھیں ہماری بات سمجھنے میں آسانی ہوگی ؂

بنات النعش

قطب

فرقدین

رات کے ۹ بجے فرقد کے قریب کے مقامات

قطب

۱۲ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱

۲۲ جون، ۲۲ مئی، ۲۲ اپریل، ۲۲ مارچ، ۲۲ فروری، ۲۲ جنوری، ۲۲ دسمبر، ۲۲ نومبر، ۲۲ اکتوبر، ۲۲ ستمبر، ۲۲ اگست، ۲۲ جولائی

فرقد کی گردش کا رخ

تمباکو نہیں پھر کیسے کٹی گی رات

سیّد احسن مارہروی ایم اے

ہمارے مُلک میں باہر سے آئی ہوئی چیزوں میں جس قدر شہرت اور مقبولیت دو چیزوں کو ہوئی ہے اتنی شاید ہی کسی چیز کو ہوئی ہو۔ بتاؤ تو وہ دونوں کیا چیزیں ہیں اگر تم کو نہیں معلوم تو سُنو کہ یہ دونوں چیزیں آلو اور تمباکو ہیں۔ شاید تم کو یہ سُن کر حیرت ہو اور تم کہو کہ واہ صاحب۔ لاکھوں من آلو ہمارے کھیتوں میں پیدا ہوتا ہے اور اسی قدر تمباکو کی کاشت ہوتی ہے تمہارا کہنا بھی ٹھیک ہے لیکن اب اس کے بعد شاید تم کہنے لگو کہ تقریباً سارے ہندوستان میں ریلوں کا جال پھیلا ہوا ہے ...... اس کا مطلب یہ تو نہ ہوگا کہ ریل کی ایجاد ہندوستان میں ہوئی تھی۔ جیسے ریل کی ایجاد دوسرے ملکوں میں ہوئی اور اب وہ ہمارے یہاں بکثرت کام میں آنے لگی ہے اسی طرح آلو اور تمباکو ہیں کہ اُن کی دریافت دوسرے ملک میں ہوئی لیکن یہاں آنے پر اُن کی کاشت ہونے لگی اور اب تمہاری ضروریاتِ زندگی میں یہ چیزیں شامل ہوگئی ہیں۔

اب لازمی طور پر تمہارے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ان چیزوں کی دریافت کس مُلک میں ہوئی۔ کولمبس کا نام کس نے نہ سُنا ہوگا۔ اس کا نام سنتے ہی امریکا کا خیال آجاتا ہے۔ اسی امریکا میں آلو اور تمباکو کا سب سے پہلے پتہ چلا۔ اور تمباکو کا پتہ کولمبس کے ساتھیوں نے چلایا۔ کہتے ہیں کہ جب اُس کی پارٹی امریکہ پہنچ گئی تو اُن لوگوں نے مُلک کے اندرونی حصّے کا حال معلوم کرنا چاہا۔ براعظم امریکا کے قریب ایک مشہور جزیرہ کیوبا ہے۔ یہ جزیرہ ان مقامات میں سے ایک ہے۔ جہاں کولمبس اور اس کے ساتھیوں نے شروع شروع میں قیام کیا۔ مُلک کے اندرونی حصّے کے کسی نئے مقام پر خود جانے سے پہلے کولمبس اسکاؤٹس کی ایک پارٹی بھیجا کرتا تھا اور جب یہ لوگ آکر خبر دیتے تھے کہ اِن مقامات پر کوئی خطرہ نہیں ہے تب کولمبس خود وہاں جاتا تھا۔ نئے مقامات کی اسی طرح یہ لوگ چھان بین کرتے پھر رہے تھے۔ کہ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک جگہ پر بہت سے مرد اور عورت

جمع ہو کر اپنے اپنے منہ میں ایک ایک لمبی نلکی لگائے ہوئے ہیں۔ اور اپنے منہ سے دھواں اُڑا رہے ہیں۔ کولمبس کے ساتھی یہ عجیب تماشا دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ دو چار وہاں سے بھاگ گئے اور کولمبس کو جا کر خبر دی کہ ہم نے ایسے آدمی دیکھے ہیں جن کے پیٹ میں آگ لگ گئی ہے اگر یقین نہ ہو تو چل کر دیکھ لیجئے۔ کہ ابھی تک اُن کے منہ سے دھواں نکل رہا ہے لیکن اس پارٹی کے چند باہمت آدمی آگے بڑھے اور اُن لوگوں سے جا کر ملے اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اُن حقہ پینے والے امریکنوں نے کولمبس کے ساتھیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے منہ سے نلکی نکال کر اُن کے سامنے پیش کی، کولمبس کے ساتھی اس کو بھی نہ سمجھے۔ جب امریکنوں نے اُن کو نلکی میں دم لگا کر دکھایا اور کہا کہ آپ بھی ایسا کیجئے تب اُن میں سے دو چار نے اس نلکی میں منہ لگا کر اوپر کو سانس لیا۔ اُن کا اس کو منہ لگانا تھا کہ طبیعت متلانے لگی۔ جیسا کہ ابھی تک نئے نئے تمباکو کے شوقینوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کہ اس کے پینے یا کھانے سے بہت روز تک طبیعت متلاتی ہے اور بعض دفعہ قے بھی ہو جاتی ہے۔ کولمبس کے ساتھیوں نے ان آدمیوں سے کہا۔ ہم اس کو خود تو استعمال نہ کریں گے لیکن تم ہمیں یہ چیز دے دو ہم اپنے ملک میں لے جا کر اس تحفے کو پیش کریں گے

اس طرح کولمبس کے ساتھی تمباکو امریکہ سے باہر لائے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ جب کبھی ان لوگوں کو کسی بات کا مشورہ کرنا ہوتا تھا تو وہ اپنی برادری کے کسی بڑے بوڑھے کے پاس جاتے تھے اور سب لوگ اس بوڑھے کے چاروں طرف حقہ پیتے ہوئے جمع ہوتے تھے۔ اور بوڑھا خود بھی حقہ پیتا تھا جب بوڑھے کے گرد حقوں سے نکلا ہوا دھواں خوب جمع ہو جاتا تھا تب وہ اپنا حقہ منہ میں لگائے ہوئے اُٹھتا تھا اور جو بات لوگ دریافت کرتے تھے اُس کا جواب دیا کرتا تھا۔ حقہ پینے والوں نے اپنے بزرگوں کی اس رسم کو اس طرح قائم رکھا ہے کہ اب بھی جب کسی مجلس میں مشورہ کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں تو سب سے پہلے بڑے بوڑھوں کے سامنے حقہ پیش کیا جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ کولمبس کے ساتھی بھی تمباکو پینے لگے اور امریکہ سے واپسی کے وقت ان میں سے چند آدمی اس کے کافی عادی ہو گئے تھے اور جب کولمبس اپنے ملک اسپین میں واپس آیا تب وہاں کے لوگوں نے کولمبس کے لائے ہوئے اس تحفے کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پھر اسپین سے یہ چیز یورپ کے دوسرے ملکوں میں پہنچی۔ اور پھر ہمارے ملک میں آئی۔

تمباکو کی تعریف کسی محقق دیہاں حقہ پینے والے

مطلب ہے) سے پوچھو۔ اس کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دے گا۔ "جناب کیا پوچھتے ہیں۔ اصلی خمیرہ ہے۔ آج ہی فیض آباد سے آیا ہے۔ ذرا ایک دم تو لگائیے۔ معلوم ہوگا آپ کا سارا دماغ مہک گیا اور جناب یہ چلم اصلی میرٹھ کی بنی ہوئی ہے۔ پرسال نوچندی میں گیا تھا جب ہی لایا تھا۔ وہ تو جناب میر صاحب جھپٹ سے گئے۔ دو روپے تک دینے کو تیار تھے۔ میں نے کہا۔ صاحب یہ تو دو ہی ہیں۔ ایک میں رکھتا ہوں۔ ایک پہ توا تیار رہتا ہے۔ دوسری بھری رہتی ہے اور آپ اس نیچے کو ملاحظہ نہیں کرتے کتنا خوب صورت بندھا ہوا ہے۔ حضور، تین دن اپنے سامنے بیٹھ کر بنوایا ہے۔ پورے ساڑھے تین روپے ڈھائی آنے خرچ ہوئے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر تو اس کی گڑگڑی[1] ہے۔ اس پر بدری کام ہو رہا ہے بالکل اصلی چیز ہے ایسا مال آج کل کہاں ملتا ہے۔ اتفاق سے ایک ایرانی آغا صاحب پرانا سامان لے کر آئے تھے اُن سے لی تھی"۔ غرض حقہ پینے والے صاحب۔ (ان کو محقق ہی کہنا بہتر ہوگا۔) حقے کے دم لگاتے جائیں گے اور اُس کی تعریف فرماتے جائیں گے۔ اگر سننے والا خیر سے خود بھی محقق واقع ہوا ہے۔ تب تو اس کو بھی بہت لطف آئے گا۔ ورنہ پھر بھینس اور بین والا قصہ ہو کر رہ جائے گا۔ صرف ہمارے گھر کے بڑے بوڑھے ہی محقق نہیں ہوتے بلکہ آج دُنیا کا بڑے سے بڑا آدمی بھی تمباکو کا دم بھرتا ہے۔

ترکاری کی طرح ایک پودے کی چند ہری ہری پتیاں۔ جن میں اس وقت کوئی خاص خوشبو نہیں ہوتی۔ لیکن جیسے جیسے یہ پتیاں سوکھتی جائیں گی ان کی خوشبو بڑھتی چلی جائے گی۔ سیدھے سادے غریب لوگ اِن پتیوں کو موڑ توڑ کر ویسے ہی چلم میں رکھ لیتے ہیں۔ اور اس پر آگ کی ایک چنگاری رکھ کر اس سے لُطف اُٹھاتے ہیں۔ ذرا اور آرام طلب لوگ اِن پتیوں میں دو چار چیزیں اور ملا دیتے ہیں اور اس کو کوٹ چھان کر اس کو نرم کر لیتے ہیں اور پھر اس کو گولی یا ٹکیہ کی شکل میں بنا کر چلم میں استعمال کرتے ہیں۔ پھر اسی کا نام خمیرہ، دوریا یا کڑوا تمباکو رکھ لیتے ہیں۔ اس تمباکو کا حقہ بڑے اہتمام سے بھرا جاتا ہے جو بعد میں رونق محفل ہوتا ہے۔ نفیس طبع لوگ تمباکو کے استعمال میں بھی نفاست برتتے ہیں اور بجائے حقے کے یہ لوگ سگریٹ استعمال کرتے ہیں۔ سگریٹ کا اصل جزو یہی تمباکو کی پتی ہے جس کو کوٹ اور چھان کر صاف کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کو عمدہ قسم کے کاغذوں میں لپیٹ کر اچھے اچھے سگریٹ بنائے جاتے ہیں اور ان کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ کہیں قینچی ہے تو کہیں لالٹین۔ کہیں کیپسٹن ہے تو کہیں پلیرز کے

[1] جس کو فرشی بھی کہتے ہیں۔ اسی میں پانی بھرا رہتا ہے۔

نام سے کھلاڑیوں میں جا پہنچتا ہے۔ جہاز میں چلنے والوں کو سگریٹ پینے کی ترغیب دینے کے لئے کسی منچلے نے اپنی سگریٹ کا نام نیوی کٹ رکھ دیا۔ ایک صاحب کو کوئی نام خیال میں نہ آیا ہو گا تو انھوں نے عبداللہ کے نام سے سگریٹ چلا دئے۔ ایک سگریٹ سیاہ بلی کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ غرض کہ محققین نے طرح طرح کے ناموں سے اس تمباکو کو چلایا ہے۔ اوّل درجے کے .... محقق یا زیادہ روپیہ خرچ کرنے والے آدمی سگار کا استعمال کرتے ہیں اور اس کو استعمال کرنے کے بعد وہ جلسوں میں تقریر کرتے ہیں۔ شاید اسی لئے دھواں دھار تقریریں مشہور ہیں۔

امریکہ اور اسپین سے باہر نکل کر تمباکو اِن مختلف طریقوں سے کام میں لایا گیا جن کا ذکر ابھی کیا گیا ہے۔ غالباً ہندوستان اس معاملے میں ایک قدم اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے تمباکو پینے کے ساتھ ساتھ اس کے کھانے کا رواج بھی ڈالا۔ آج پان کھانے والوں میں دو چار ہی ایسے نکلیں گے جو مشکی زردہ یا قوام کی شکل میں تمباکو استعمال نہ کرتے ہوں چھوٹی چھوٹی ڈبیاں جیبوں میں پڑی ہوں گی پان کھانے کے بعد بڑے تکلف سے اس ڈبیا کو کھول کر ایک چٹکی تمباکو مُنہ میں ڈالی جائے گی۔ اور جب تک مُنہ میں تمباکو رہے گی کسی سے مُنہ کھول کر بات نہیں کریں گے۔ اور ایسے ہی اگر کہیں چھینک آگئی تو کپڑوں کے ساتھ ساتھ کام کے کاغذوں یا دوسری سامنے رکھی ہوئی چیزوں کا بھی ستیاناس ہو جائے گا۔ کھانے کا تمباکو بیگمات کا خاص تحفہ ہے۔ پاندان کی جان گویا اسی تمباکو میں ہے۔ اگر وزیرِ اعظم انگلستان مسٹر چرچل پارلیمنٹ میں تقریر کرتے وقت اپنا سِگار سُلگا کر دھواں دھار تقریر کر سکتے ہیں تو ہمارے گھروں کی دادی جان اور بڑی اماں بھی اپنے پاندان سے تمباکو کا پان کھائے بغیر کسی معاملے کو نہیں سُلجھا سکتیں۔ گھریلو زندگی کے ہزاروں واقعات اسی پاندان کی محفل میں طے ہوتے ہیں۔ اور یہ ہی پاندان ہزاروں خاندان تباہ و برباد کر چکا ہے۔

(باقی آیندہ)

نہ جانے کس زمانے سے "شیخ دین" "جہان آباد" کے بادشاہ کے محل کی دربانی کرتے آرہے تھے۔ اُن کا کام بس اتنا تھا کہ ڈیوڑھی پر جو پردہ پڑا تھا اُس کے پیچھے کسی کو نہ جانے دیں۔ شیخ دین کی عمر کا اندازہ کرنا ہماری تمہاری دونوں کی قوت سے باہر ہے بس یہ سمجھ لو کہ وہ سوتے بالکل نہ تھے بس کبھی کبھی اونگھ لیتے تھے۔

تم پوچھوگے یہ کیسے۔ تو جناب سنئے، یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ آدمی جتنا بڈھا ہوتا جاتا ہے اس کی نیند غائب ہوتی جاتی ہے۔ تم نے اپنے دادا ابا کو دیکھا ہوگا رات بھر کھانستے کھانستے گذار دیتے ہیں۔ نہ خود سوتے ہیں نہ دوسروں کو سونے دیتے ہیں شیخ دین کی عمر تو ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں اندازے سے باہر تھی۔ بس تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک ایسا وقت آئے کہ جب انسان کو بالکل نیند نہ آئے۔

ہاں تو شیخ دین بیٹھے ہیں۔ ڈیوڑھی پر پردہ ٹنگا ہوا ہے۔ پردہ کیا ہے عجائب گھر ہے۔ ساری کی ساری کشمیری کڑھائی۔ اس پر ہر قسم کے بیل بوٹوں کی تصویریں تھیں۔ اونچے اونچے درخت تھے۔ بڑے بڑے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے جن کے بیچ میں سے ندیاں بہتی نظر آتی تھیں۔ بیچ بیچ میں بڑے بڑے سمندر۔ ان میں بے شمار جزیرے، آبنائے، خاکنائے سبھی کچھ ہرے بھرے میدانوں میں جھونپڑیاں تھیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر عالیشان مکان نظر آتے تھے۔ طرح طرح کے جانور تھے۔ رنگ برنگی چڑیاں پیڑوں پر بیٹھی تھیں۔

پردے کا کپڑا بھی "دھوپ چھاؤں" تھا۔ ذرا میں چم چم۔ ایسا لگتا جیسے دن ہو۔ اور ذرا میں میلا میلا دکھائی دیتا جیسے رات ہوگئی ہو۔ کہتے ہیں کہ کسی بہت ہی بڑے کاری گر نے اپنا کمال دکھایا ہے اور پھر اس صفائی سے کاڑھا تھا کہ اصل اور نقل کا فرق معلوم کرنا دشوار ہو۔

شیخ دین اس پردے کے پاس ایک مونڈھے پر ڈنڈا لئے مراقبے میں بیٹھے رہتے۔ راہ چلتے لوگوں نے

اس تماشے کو ہزار بار دیکھا ہوگا اس لئے ان کو اب اس سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ البتہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں اب بھی شیخ دین کو ہر وقت گھیرے رہتے شیخ دین ان ننھوں میں خوش بھی رہتے۔ وہ کہتے "دیکھو تم یہ چڑیاں چوں چوں کرتی ہیں اور ہمارے بادشاہ کی تعریف کرتی ہیں۔ ذرا ان پہاڑوں کو تو دیکھو: ان سے کیسی شان برستی ہے۔ ہمارا بادشاہ بھی ان ہی کی طرح زبردست ہے۔ چشمے اسی کا راگ گاتے ہیں۔ خشکی، تری سب پر اس کا حکم چلتا ہے۔"

لیکن جب بچوں میں سے کوئی پردہ چھوتا تو شیخ دین فوراً ڈنڈا سنبھال لیتے "ہش شریر یہ کیا؟ خبردار جو پردے کو چھوا۔ قیامت آجائے گی۔" ویسے تو وہ بچوں کی ہر بات مان لیتے تھے۔ لیکن جب پردہ چھونے کا سوال ہوتا تھا فوراً ناک بھوں چڑھا لیتے تھے اور کہتے۔ "ارے احمقو! تم سے کتنی بار کہہ دیا کہ پردے کا چھونا کوئی ہنسی مذاق تھوڑی ہے قیامت آجائے گی۔ ساری دنیا میں طوفان آجائے گا۔"

بچوں کے اس غول میں بدو میاں اور نجو بی بی بھی تھے۔ ان دونوں کی آپس میں بڑی گاڑھی چھنتی تھی آج کل پردے اور شیخ جی دونوں سے دور دور رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نجو کی شہ پاکر ایک دن میاں بدو نے شیخ جی سے کہا "بڑے میاں آخر آپ ہمیں پردے کے پیچھے کیوں نہیں دیکھنے دیتے۔ جب تک آپ ہمیں پردے کے پیچھے نہیں جانے دیں گے ہم آپ کی کسی بات پر یقین نہ کریں گے۔"

اس پر شیخ جی بہت بگڑے اور ڈنڈے سے دھمکا کر کہا "خبردار نالائق جو تو نے آج کے بعد ایسی بات منہ سے نکالی۔ چلا وہاں سے پردے کے پیچھے جانے والا۔" یہ کہہ کر لال لال آنکھوں سے نجو کی طرف دیکھا۔

بدو میاں اور نجو بی بی اسی دن سے کٹی پتنگ کی طرح شیخ جی کے اردگرد منڈلاتے اور ڈر کے مارے قریب نہ آتے۔

ایک دن بدھیاں اور نجو بی بی ذرا تڑکے آگئے دیکھا کہ ابھی تک کوئی لڑکا نہیں آیا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ شیخ دین کو یہ اطمینان تھا کہ اتنے سویرے کون آتا ہے۔ اس لئے مونڈھے پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ نجو نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے بدو سے کہا۔ چپ! چپ!! شیخ جی سو رہے ہیں۔ یہ دونوں شریر موقع پاکر پردے کے پاس دبے پاؤں گئے۔ پہلے شیخ جی کو غور سے دیکھا۔ وہ واقعی اونگھ رہے تھے۔ بدو نے ہاتھ کے اشارے سے نجو سے پیچھے ہٹنے کو کہا۔ پھر خود بھی دو قدم پیچھے ہٹ کر اس طرح کھڑا ہوا جیسے کہ سو گز کی دوڑ کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ آہستہ...... سے ایک ...... دو کہا اور پھر تین کا نعرہ لگا غپ سے پردے کے اندر......

نعرے کی آواز سے۔ شیخ دین چونک پڑے اور اُن کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"ارے قیامت آگئی"

شیخ دین کا کہنا ٹھیک نکلا۔ قیامت کا سماں تھا۔ جہاں آباد پر جدھر دیکھو پانی پانی نظر آتا تھا۔ اونچی اونچی عمارتیں، پہاڑ، درخت سب پانی کے نیچے چھپ چکے تھے۔ صرف ایک پہاڑ کی چوٹی پانی کی سطح سے کچھ اوپر رہ گئی تھی۔ اِس پر بدّو میاں اور بجّو بی بی سکڑے بیٹھے تھے۔ انھوں نے شیخ دین کو آخری بار تارپیڈو کی طرح موجوں کے تھپیڑے کھاتے دیکھا آخرکار دو درخت جنھیں پانی کی سطح سے اُٹھیں۔۔۔۔ قیامت۔۔۔۔۔ قیامت۔۔۔۔۔ شیخ دین پانی میں بیٹھ چکے تھے۔

بجّو نے بدّو سے ڈرتے ہوئے کہا۔ "بدّو میاں مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ دیکھو تو سارا جہاں آباد ڈوب گیا"

بدّو میاں نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ وہ سامنے طوفان کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسوؤں کا طوفان تھا۔

پیام تعلیم کا سالنامہ

ہندوستان کا مشہور علمی رسالہ "معارف" پیام تعلیم کے سالنامے کے بارے میں لکھتا ہے:

اِس مرتبہ پیام تعلیم کے سالنامے میں بچّوں کے لئے جغرافیائی معلومات کا زیادہ لحاظ رکھا ہے۔ مضامین کا زیادہ حصّہ اسی سے متعلق ہے۔ مختلف قسم کے خشک جغرافی معلومات کو نہایت دلچسپ طریقے سے پیش کیا گیا ہے بچّوں کی تفریح اور دلچسپی کے سامان سے بھی خالی نہیں ہے۔ بچّوں کا یہ سالانہ علمی تحفہ اُن کے لئے مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

"معارف" مارچ ۱۹۴۲ء

حیدرآبادی پیامیوں کے علاوہ دوسرے بھائیوں نے بھی ہمارے حیدرآباد کی جامعہ عثمانیہ (عثمانیہ یونیورسٹی) کا نام تو ضرور سنا ہوگا۔ یہ پہلی جامعہ یا یونیورسٹی ہے جہاں ساری پڑھائی اُردو زبان میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں جتنی یونیورسٹیاں ہیں سب میں تاریخ جغرافیہ اور دوسرے علم انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں

سب سے پہلے حیدرآباد کے ایک بڑے عالم مولوی محمد مرتضیٰ صاحب مرحوم نے حکومت کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ اس ملک میں ایسی یونیورسٹی یا جامعہ قائم ہونی چاہیے جس میں سب علم اُردو زبان میں پڑھائے جائیں اس لئے کہ یہ حکومت کی زبان ہے اور ہندوستان میں سب سے زیادہ اسی کا رواج ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ کوشش سراکبر حیدری مرحوم نے کی۔ ۱۹۱۸ء میں اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن نے ایک فرمان کے ذریعے جامعہ قائم کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی ایک محکمہ دارالترجمہ کے نام سے قائم کیا گیا تاکہ پڑھانے کے لئے انگریزی اور دوسری زبانوں کی اچھی اچھی کتابوں کا ترجمہ اُردو میں کیا جائے۔ اس محکمے سے اب تک تاریخ جغرافیہ، معاشیات فلسفہ غرض ہر فن کی کوئی پانچ سو کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اب ایک اور ادارے کا تعلق جامعہ عثمانیہ سے ہو گیا ہے۔ اس کا نام دائرۃ المعارف ہے۔ یہاں عربی کی بہت پرانی کتابیں چھاپی جاتی ہیں۔ اُن کی مانگ ہندوستان سے باہر افغانستان، عرب مصر اور یورپ میں بھی ہے۔

شروع شروع میں ہماری جامعہ شہر میں کرائے کی عمارتوں میں تھی مگر کرائے کا خرچ بہت زیادہ تھا اس لئے یہ طے ہوا کہ مستقل عمارتیں بننے تک تھوڑے دنوں کے لئے معمولی عمارتیں بنوائی جائیں اور جامعہ انہی عمارتوں میں آجائے۔

اب اصل عمارتیں بھی بننا شروع ہو گئی ہیں۔

بلکہ کئی ایک عمارتیں تو بن کر مکمل ہو گئی ہیں۔ جامعہ کا علاقہ شہر سے بہت دور ہے یوں سمجھو کہ چارمینار سے کوئی سات میل جب ہم جامعہ کے علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نئے شہر میں آگئے۔ اچھا آؤ تمھیں اپنی یونیورسٹی کی تھوڑی سی سیر کرائیں۔ شہر سے جامعہ تک بسیں جاتی ہیں۔ ایک وقت کے دو آنے لیتے ہیں۔ جامعہ کی حد میں داخل ہوتے ہی تھوڑی دور پر جامعہ کی عارضی عمارتیں ملیں گی۔ ان میں دارالترجمہ، انجنیرنگ کالج وغیرہ ہیں ایک بورڈنگ اور شعبۂ نباتات کا باغ بھی اس طرف ہے ہاں دائرۃ المعارف کا دفتر بھی یہیں ہے اور یہیں جلسوں وغیرہ کے لئے ایک بہت بڑا ہال ہے اور آگے بڑھو تو ایک بہت بڑا باغ ملے گا۔ یہ باغ ابھی نامکمل ہے اور تیار ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ایک کمرے میں جامعہ کی عمارتوں کے نقشے ہیں ان نقشوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں بعد جب سب عمارتیں بن جائیں گی تو جامعہ کا شہر کیسا شاندار ہوگا۔

اس کمرے کے پاس ہی کلیۂ فنون کی عمارت ہے یہ پانچ سال میں بن کر تیار ہوئی ہے اور کوئی ۲۸ لاکھ روپئے لاگت آئی ہے۔ نیچے سے اوپر تک پتھر کی بنی ہوئی ہے عمارت کے تین درجے ہیں پہلا درجہ تہہ خانہ ہے۔ اس میں لڑکوں کی انجمن اتحاد کا دفتر اور کتب خانہ وغیرہ ہے سالانہ امتحان یہیں ہوتے ہیں۔ بجلی کی روشنی اور ہوا کا اچھا انتظام ہے۔ اس سے اوپر کی عمارت میں ایک بڑے دروازے سے داخل ہوتے ہیں یہاں جامعہ کا دفتر ہے اور اردو تاریخ عربی فارسی وغیرہ پڑھانے کے درجے ہیں۔ سب سے اوپر کتب خانہ ہے۔ ایک کمرے میں رسالے اور اخبارات رکھے رہتے ہیں۔ کتابیں بجلی کے جھولے کے ذریعے اوپر نیچے لائے لے جاتے ہیں۔ پڑھائی کے کمرے بھی ہیں۔ پانی پینے کے لئے بجلی کا آبدار خانہ ہے۔ کمرے میں بجلی کی گھڑیاں۔ بجلی کے پنکھے۔ بجلی کی روشنی اور ہاتھ منہ دھونے کے لئے جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ غرض ضرورت کا ہر سامان موجود ہے۔ اور آگے بڑھ کر کئی عمارتیں بنی ہوئی ملیں گی۔ یہ سال چھ مہینے میں بن کر تیار ہو جائیں گی

کلیہ فنون کے پاس ہی بورڈنگ یا اقامت گاہوں کی عمارتیں ہیں یہ دو منزلہ ہیں اور ان میں غسل خانے اور پاخانے نئی وضع کے ہیں۔ کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام بہت اچھا ہے۔ ساتھ ہی دوسری یونیورسٹیوں کے اقامت خانوں کو سستا ہے ان اقامت خانوں کے بعد کھیل کے میدان ہیں ان کے علاوہ یونی سی گراؤنڈ وغیرہ ہیں۔ اس مضمون سے تمھیں ہماری جامعہ کا تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا ہوگا اگلے پرچے میں کچھ اور باتیں بتائیں گے ✽

رونلڈ ایمنڈسن اور شمالی مغربی راستہ (۳)

نثار الحق بی اے۔ ٹریننگ کالج، علی گڑھ

اس سلسلے میں پہلی چیز یہ تھی کہ جہاز کا بوجھ کم کیا جائے خوراک کے ۲۵ قیمتی ڈبے جن میں سے ہر ایک کا وزن چار ہنڈرویٹ تھا۔ جہاز کے باہر پھینک دیے گئے۔ عرشے کا باقی وزن ایک طرف سرکا دیا گیا تاکہ جہاز میں کافی گنجائش ہو جائے۔ یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد اب انتظار اس چیز کا تھا کہ سمندر میں مد آکر پانی کی گہرائی بڑھ جائے اور کشتی بہہ نکلے۔

اُمید بھی عجیب چیز ہے۔ آدمی کو کیا کیا سبز باغ دکھاتی ہے۔ کیسے کیسے کارنامے اس کی بدولت عالم وجود میں آتے ہیں۔ لیکن افسوس غریب ایمنڈسن نے کیا سوچا تھا اور خلاف اُمید ہوا کیا۔ اس رات کو اچھر پھر میں مد آیا اور جہاز ایک انچ بھی نہ سرکا۔ وہ ایک مرتبہ پھر ٹکرایا۔ ہوا نے اُن کی مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اس وقت تک فضا پُرسکون تھی۔ لیکن صبح ہوتے ہوتے زبردست آندھی نے آگھیرا۔

اس کے بعد جو کچھ وقوع میں آیا اس کا تذکرہ ایمنڈسن نے اپنی ڈائری میں اس طرح کیا ہے۔

میں نے حسبِ معمول اس معاملے میں اپنے ہمراہیوں سے مشورہ کیا۔ صلاح ٹھیری کہ کوشش کریں اور کشتی کو بادبانوں کے ذریعے اس مصیبت سے نکال لے جائیں۔ سمندر کا پانی جہاز سے ٹکرا رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے رسوں میں سے ہو کر گذر رہے تھے۔ لیکن ہم اپنی جدوجہد میں مشغول رہے۔ ہم نے کوشش کرکے بادبانوں کو درست کرلیا۔

اس کے بعد ہم نے جہازرانی کا وہ طریقہ اختیار کیا جس کو ہم میں سے کوئی بھی خواہ عمرِ خضر حاصل کرے کبھی نہیں بھول سکتا۔ بادبانوں کا دباؤ اور سمندر کا تموج دونوں مل کر کشتی کو اوپر اُٹھا دیتے اور پھر چٹانوں کے درمیان لا ڈالتے ہر لمحہ ہمیں اُمید ہوتی تھی کہ کچھ دیر میں تختے سطحِ آب پر بکھرے ہوئے نظر آئیں گے جہا

سے بیرونی جھنڈے کی دھجیاں اڑ گئیں اور
سطح آب پر تیرنے لگیں۔ ہمارا کام محض
اس قدر تھا کہ بیٹھے ہوئے واقعات کو دیکھتے
رہیں اور نتیجے کا انتظار کریں۔"

ابھی وہ اس خطرناک چٹان کے کنارے پر
نہ پہنچے تھے۔ پانی کی گہرائی کم ہوتی جارہی تھی اور جوا تیز
وتند ہوا کے بیچ میں اس طرح گھرا ہوا تھا کہ اس کے
ملاحوں کو اپنے بچاؤ کے لئے جان توڑ کوشش کرنی
پڑ رہی تھی۔ ایمنڈسن کے سامنے اس وقت دو صورتیں
تھیں یا تو وہ جوا کو خیرباد کہتا اور کسی چھوٹی ناؤ میں پناہ
گزیں ہو کر ان مشکلات سے چھٹکارا پاتا۔ یا اپنی جگہ پر قائم
رہ کر تباہی و بربادی کا مشاہدہ کرتا۔

سب لوگوں نے دوسری صورت کو بہتر سمجھا۔ آخری
کوشش کے لئے عرشے کا باقی سامان بھی جہاز سے پھینک
دیا گیا۔ جوا اب چٹان کے سب سے اُتھلے حصے میں پہنچ
گیا تھا اس کے بعد ہی گہرا سمندر تھا۔ جس کو راہ نجات سے
تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

جوا نے خطرناک چٹانوں کی آخری منزل کو کس
طرح طے کیا اس کا ذکر ایمنڈسن نے ان الفاظ میں
کیا ہے۔

سمندر کا جھین اور برف جہاز کے اوپر سے گذر
رہے تھے مستول ہلنے لگا۔ اور ایسا معلوم
ہوا کہ جوا خود کو کھینچے جانے لئے ایک آخری
جست اور لگانے والا ہے۔ وہ اوپر اٹھا
اور بلکی چٹانوں پر نہایت زور سے جا پڑا
مجھے اس امر کا صدق دل سے اعتراف ہے
کہ عالم پریشانی میں میں نے بارگاہ رب العالمین
میں نہایت گڑگڑا کر دعا کی۔ ایک سخت ترین
جھٹکا اور لگا۔ اور ہمارا جہاز بہہ نکلا۔

اب ہم نے امن کی جگہ پالی تھی۔ جہاز
گہرے پانی میں پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ ہم نے سوچا
کہ اس قدر دقت و دشواری کے بعد اب کچھ آرام
کرلیں اور پیمائش کرنے اور ابنائے کی راہ
کھلے سمندر میں پہنچنے کا راستہ معلوم کرنے
کے مرحلے بعد پر اٹھا رکھیں۔"

ایک تھکا ہارے آدمی کے لئے قطبی سمندروں
میں امن کی کوئی جگہ نہیں۔" اس کا اندازہ ایمنڈسن
اور اس کے ہمراہیوں نے اسی رات کو کر لیا۔ وہ ابھی
سونے بھی نہ پائے تھے کہ بادِ سموم کی تیزی پھر نمودار
ہوئی۔ جہاز اور اس کے دونوں لنگروں میں کشاکش
شروع ہوئی۔ ایسی حالت میں کافی خدشہ تھا کہ اس
سے ٹکرا کر جوا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔
اس وقت سوائے اس کے اور کچھ نہ کیا جاسکتا
کہ جوا نے انجن کو پوری رفتار سے چلا دیا جائے
اس سے لنگر پر زیادہ زور نہ پڑ سکا۔ لائف بوٹوں
پر کچھ کھانے کا سامان اور پانی بھر دیا گیا تاکہ اگر

جہاز کو چھوڑنے کی ضرورت پیش آسکے تو زیادہ دقت نہ ہو۔

ایمنڈسن کے ساتھی پچھلی رات دماغی اور جسمانی تکلیف میں مبتلا رہ چکے تھے۔ اس وقت انھیں پھر ایک تازہ مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ پانچ روز تک بادِ سموم کی نہایت تیزی رہی۔ ہر ہر لمحہ اس بات کا گمان ہوتا تھا کہ لنگر پارہ پارہ ہو جائیں گے۔ اس وقت خطرے سے بچنے کا کوئی ذریعہ ممکن نہ تھا۔ آخرکار آندھی میں کمی ہوئی۔ ایک ہفتے خطرے میں رہنے کے بعد جوا شکستہ لیکن مظفر و منصور چٹانوں سے گِھرا بنانے سی باہر نکل آیا۔ اور سرمائی مستقر کی تلاش میں پھر سفر شروع ہوا۔ کنگ ولیم کے جزیرہ پر ایک مناسب جگہ جو قدرتی بندرگاہ تھی لی۔ ایمنڈسن نے سوچا کہ سردی کے ایک دو موسم یہیں گذارنے چاہئیں جس نے اپنا کچھ سائنس کا کام شروع کر دیا۔ ایمنڈسن کو خیال تھا کہ شمال مغرب کا راستہ پورا کرنے سے پہلے اس کا یہ کام ختم ہو جائے گا۔

تمام شرکائے سفر نہایت سخت کام کر رہے تھے ہفتوں سے وہ بہت کم سوئے تھے۔ علاوہ ازیں جاڑوں کا زمانہ نزدیک آ رہا تھا۔ انھیں سرمائی مستقر تیار کرنا اور برف جمنے سے پہلے شکار کھیلنا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر اس وقت غفلت کی گئی تو سردی کا زمانہ بغیر گوشت کے گذارنا پڑے گا۔

یکم اکتوبر کو جوا جو ساحل سے ۵۰ گز کے فاصلہ پر لنگر انداز تھا چاروں طرف سے برف سے ڈھک گیا۔ ایمنڈسن کے شمال مغربی راستے کا پہلا موسمِ سرما شروع ہو گیا تھا۔ آیندہ مہینوں میں ان لوگوں کے چند خاص مشغلے رہے۔ وہ سلیج گاڑی میں بیٹھ کر ادھر اُدھر پھرتے۔ شکار کھیلتے اور مقناطیسی قطب کے سلسلے میں نہایت اہم سائنس کے تجربات کرتے۔

ہمارے لئے واقعات کا لکھ دینا مشکل نہیں لیکن اگر آپ ان کی دقتوں اور دشواریوں پر غور کریں تو معلوم ہو کہ قطبی موسمِ سرما میں ہر فرد کے لئے کام کرنا کتنا پریشان کن ہے۔

حرارت صفر سے بھی ۶۰، ۷۰ درجے کم رہتی برف تھا موجود رہتا۔ کرسٹیڈ جاہاون کی خلیج میں پانی پر برف ۱۲$\frac{1}{2}$ فیٹ موٹا جما ہوا تھا۔ جوا کی کیبنیں بھی برف سے ڈھک گئی تھیں ان کی چھتیں لیمپ کے دھوئیں سے خراب ہو رہی تھیں۔ جہاز سے باہر لوگ بغیر پہیوں کی گاڑی چکر لگاتے پھرتے تھے۔

موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی ان لوگوں نے آیندہ پارٹیوں کے لئے ذخیرے تیار کرنا شروع کر دیئے۔ اس کوشش میں انھیں اپنی پوری قوت صرف کر دینی پڑی۔

آغاز بہار کا درجۂ حرارت صفر سے ۲۰ یا ۳۰ سے زیادہ نہ بڑھا۔ اس قدر کم حرارت میں خیمے نہایت

پہنے رہتے تھے۔ پالے سے محفوظ رہنے کے لئے بہت
کچھ احتیاط برتی جاتی تھی۔ ہاتھ ایک لمحے کے لئے بھی دستانے
سے باہر رہتا تو برف بن جاتا۔ آپ خود خیال کر سکتے ہیں
کہ ایسی حالت میں ترقی کس قدر سست ہوگی۔ کوئی
عجب نہیں اگر سات میل کے سفر میں ایمنڈسن کو ڈھائی
روز لگے۔

ان مہموں کے سلسلے میں ان لوگوں کی ملاقات بہت
سے اسکیمو لوگوں سے ہوگئی۔ آیندہ موسم میں انھوں نے
ایمنڈسن کے لئے بہت سا مفید کام انجام دیا۔ وہ
شکار کا گوشت تلاش کرتے محض اس صلے میں کہ ایمنڈسن
نے ان کو سوئیاں اور رہے کے کچھ اور تحفے دے دیے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ایمنڈسن اور اس کے ہمراہی
سلیج میں سفر کر رہے تھے اتفاقاً وہ ایک گاؤں میں
پہنچ گئے۔ گاؤں کیا تھا چھ، سات برف کی جھونپڑیوں
کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ وہاں لوگوں نے اسکیمو بچوں
کو فٹ بال کھیلتے ہوئے دیکھا۔ تعجب ہے کہ ہمارے یہاں
کے کھیل دائرہ شمالی سے بھی آگے پہنچ گئے ہیں۔

ایمنڈسن اور اس کے ساتھیوں کی سمجھ میں وہاں
کے فٹ بال کے قواعد تو نہ آسکے البتہ بظاہر انھیں یہی
معلوم ہوا کہ انگریزوں اور ان لوگوں کے کھیل میں کچھ
زیادہ فرق نہیں ہے۔ گیند رین ڈیر کی کھال سے بنائی
گئی تھی۔ بچے بازوؤں اور ٹانگوں سے سفید میدان پر
لڑھکاتے ہوئے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں عورتیں
بھی ان کے کھیل میں شریک ہوگئیں اور ایمنڈسن نے دیکھا
کہ وہ نہایت اچھی کھلاڑی ہیں۔

۱۹۰۴ء کا موسم گرما آگیا۔ ادھر ایمنڈسن کے
ساتھی شکاریوں کی ہمت۔ ادھر ایمنڈسن کے اسکیمو
دوستوں کی کوشش۔ غرض قسم قسم کے کھانے ان لوگوں
کو میسر تھے۔ لومڑی کے کباب۔ بارہ سنگھے کی اوجھڑی اور
بہت سے دوسرے کھانے ان لوگوں کو برابر ملتے رہتے تھے
اس طرح گرمی کا موسم نہایت اطمینان سے گذر گیا۔

ہمارے بہادر سیاحوں نے یہ زمانہ بے کار
نہیں جانے دیا۔ کبھی اس اجنبی ملک کا چکر لگاتے۔ اور
کبھی سائنس کے تجربات کرتے۔

ان سیاحوں نے دو موسم سردی کے اور ایک موسم گرمی
کا گجوا ہاون میں گذارا۔ گرمیاں لمبی لمبی سلیج گاڑیوں میں
گذارتے اور خزاں اور سردیاں بہت سے تجربات اور
شکار میں صرف ہوتیں۔

۱۹۰۵ء کا موسم بہار آپہنچا لیکن ہمارے ننھے
منے جہاز جوا کو مشکل ترین سفر درپیش تھا۔

عزیزی مقصود احمد صاحب (راجہ پور سکندر سرائے میر اعظم گڑھ) کو ان سیاحوں کے پتوں کی ضرورت
ہے۔ (۱) افتخار الدین جالندھری (۲) فضل محمد فاتح نگر (۳) ماجد اشہد حسین قدوائی۔

بھائی کا ایثار

شکیلہ پردیپ، بمبئی

اب سے کوئی ڈیڑھ سو برس پہلے کی بات ہے۔ انگلستان میں ایک بہت بڑا شاعر تھا اس کا نام چارلس لیمب تھا۔ اس کی ایک بہن تھی اس کا نام میری لیمب تھا بہن بڑی تھی، بھائی چھوٹا تھا۔ دونوں کی عمر میں ۱۰، ۱۱ برس کا فرق تھا۔ پھر بھی دونوں میں بڑی محبت تھی۔

چارلس ابھی بچہ ہی تھا کہ ماں نے پڑھنے کے لئے محلے کے اسکول میں بٹھا دیا۔ ذہین ایسا تھا کہ بڑی جلدی ترقی کر گیا۔ مگر جیسا اکثر دیکھا گیا ہے کوئی نہ کوئی مشکل ایسے ہونہار بچوں کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہی چارلس کے ساتھ ہوا۔ بے چارہ ابھی جی بھر کے پڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ پیسے کی مشکل آپڑی۔ بھلا پیسہ نہ ہو تو پڑھا کیسے جائے۔ کھانے کا خرچ، پہننے کا خرچ، کتابوں کا خرچ۔ غرض اسی قسم کے بیسوں خرچ پورے کرنے کے لئے پیسہ کہاں سے آئے۔ مجھے تو ایسے غریبوں کا حال سُن کر بڑا ترس آتا ہے۔ اور دل میں اللہ میاں سے کہتی ہوں کہ یا تو اُن بے چاروں کو پڑھنے کا شوق نہ دیا ہوتا۔ اگر پڑھنے کا شوق دیا تھا تو بہت سا پیسہ بھی دیتا۔ ہاں تو قصہ یہ تھا کہ باپ مر چکا تھا۔ بوڑھی ماں اور بڑی بہن کا آسرا دے کر ننھا چارلس تھا۔ چارلس نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح تعلیم بھی ہوتی رہے اور پیسہ بھی کمایا جائے مگر غریب اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر تعلیم چھوڑ کر ایک کمپنی میں کلرکی کی نوکری کر لی۔ اور اس طرح ماں اور بہن کی پرورش کرنے لگا۔

کہنے کو تو چارلس نے تعلیم چھوڑ دی مگر علم کا یہ پروانہ رات رات بھر مٹی کا چراغ جلائے (ان دنوں بھلا آج کل سے خوب صورت لیمپ اور بجلی کے قمقمے کہاں تھے) کتابوں پر سر جھکائے بیٹھا رہتا۔ رات کے آخری چند گھنٹے آرام بھی کر لیتا۔ صبح کو اُٹھ کر پھر اپنے کام پر جا کر ڈٹ جاتا۔ اسی طرح کچھ عرصے بعد چارلس نے بیرسٹری کا امتحان پاس کر لیا۔

میری تو چارلس کی بھی استاد نکلی وہ دن رات کتابوں میں کھوئی رہتی۔ اس کو معلوم بھی تھا کہ گھر کی مالی

حالت بہت خراب ہے۔ مگر اس کو اس کی بھی پرواہ نہ تھی۔ اکثر بھوکے پیٹ ہی پڑھتی لکھتی رہتی۔ چارلس خود علم کی پیاس سے بے کل ہو رہا تھا۔ اس کو بہن سے محبت بھی تھی۔ پھر بھلا وہ چہیتی بہن کی مرضی کے آڑے کیونکر آسکتا تھا۔ غرض کہ ایک گھر میں دو پروانے تھے جو علم کی روشنی پر مرمٹنے کو تیار ہوچکے تھے۔ آخر دماغ یہ محنت مشقت برداشت نہ کرسکا اور میری پاگل ہوگئی۔

چارلس کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ صدمہ کیوں نہ ہوتا۔ اس کو بہن سے بے حد محبت تھی۔ ایسی محبت جو ہر اچھے بھائی کو بہن سے ہونی چاہئے۔ یہ زخم ابھی بھرا نہ تھا کہ ایک ستم اور ہوا۔ میری دیوانگی کی حالت میں کمزور ماں پر حملہ کر بیٹھی۔ بوڑھی ماں حملے کی تاب نہ لاسکی اور مرگئی۔

اب چارلس کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ گئیں۔ اس نے علم کے آسمان پر تارہ بن کر چمکنے کے لئے بڑے بڑے ارادے باندھ رکھے تھے۔ لیکن اس افسوس ناک حادثے کے بعد اُسے دفعتہً محسوس ہوا کہ بہن کی محبت کا حق ادا کرنے کے لئے اُسے اپنی بہت سی خواہشوں کو دبانا پڑے گا۔ اُس نے ان تمام ارادوں کو طاق پر رکھ دیا۔ شادی کے ارادے کو ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دیا۔ بھولے بھائی کو وہم تھا کہ کہیں بھابی آکر نند سے بدسلوکی نہ کرنے لگے۔ یا خود اُسے اس کی ذمے داریوں سے غافل کرنے کا باعث نہ بنے......

چارلس نے بہن کی محبت کا حق خوب ادا کیا۔ اس نے میری کے علاج میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ علاج کی غرض سے بہن کو برسوں جگہ جگہ اُٹھائے اُٹھائے پھرا۔ جہاں کہیں کسی قابل ڈاکٹر کی خبر پائی وہیں پہنچا۔ اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری پر خاص مرض کے حملے کا اثر بہت کچھ جاتا رہا۔ البتہ جنون کا دورہ کبھی کبھی لوٹ آتا اور کافی پریشانی کا باعث بنتا

لیکن بھائی کا یہ ایثار میری کی نظروں سے چھپا نہ تھا۔ وہ جہاں تک بن پڑتا اپنی خبر گیری خود کرتی۔ پھر بھی دیوانگی کا دورہ کبھی کبھی اس کو بے کل کر دیتا۔ بے کلی کی حالت میں وہ زور زور سے چیختی۔ مگر بے معنی یا بُری باتیں نہ کہتی تھی۔ اس کے برعکس ایسی ایسی علم کی باتیں کرتی۔ جو ابھی تک کسی کے خیال تک میں نہ آئی تھیں چارلس کے لئے یہ وقت بڑا نازک ہوتا تھا۔ گرتی ہوئی بہن کو سنبھالنا اور اس کی بے خبری کی حالت میں بولی ہوئی باتوں کو جلدی جلدی ڈائری میں نوٹ کرنا۔ کیونکہ ایسی اچھی باتیں میری عام تندرستی کی حالت میں نہیں کہا کرتی تھی۔ ہوش و حواس کی حالت میں میری اپنا وقت یوں صرف کرتی تھی کہ چارلس رات کے وقت جو کچھ لکھتا یہ دن بھر بیٹھ کر اس کی نظر ثانی اور اصلاح کرتی رہتی۔ کہیں سطروں کی سطریں اُڑا دیتی۔ کہیں صفحوں کے صفحے بڑھا دیتی۔ میری کے اس کام کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ آج کل بازار میں جتنی مشہور کتابیں چارلس لیمب کی لکھی ہوئی ملتی ہیں ان میں قریب قریب

سب پر میری کا نام چارلس کے پہلو بہ پہلو لکھا نظر آتا ہے مثلاً ٹیلز فرام شکسپیر بائی چارلس اینڈ میری لیمب آخری دنوں میں چارلس کو ایک صدمہ اور اٹھانا پڑا۔ چارلس کے دل پر یہ صدمہ ایسا بیٹھا کہ غریب کو اپنے ساتھ ہی لے کر ٹلا۔ کالرج جو اس کا زمانہ طالب علمی کا دوست تھا چل بسا۔ چارلس غم کی شدت سے پاگل ہوگیا۔ رات کو اٹھ کر بھاگ بھاگ جایا کرتا اور چلاتا۔ "کالرج مرگیا! ...... کالرج کہاں ہے! ...... کالرج! کالرج!!" یہ منظر بڑا دردناک ہوتا تھا۔

آج ان بہن بھائیوں کی لکھی ہوئی کتابیں دنیا کی بہترین کتابوں میں گنی جاتی ہیں۔ یہ انگریزی زبان میں ہیں اس لئے ہم ابھی نہیں پڑھ سکتے۔ اللہ پاک کی مرضی ہوئی تو بڑے ہوکر پڑھیں گے۔ مگر ہم نے سنا ہے کہ یہ بہت دلچسپ ہیں۔ ان سب علم کے پروانوں کی کہانی کچھ دن ہوئے مجھے بھائی جان نے سنائی تھی جسے پیارے بہن بھائیوں کی دلچسپی کے لئے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کر رہی ہوں۔ اللہ پاک ہم بہن بھائیوں کو ایسی ہی محبت عطا کرے اور ایسا ہی علم پڑھنے کا شوق دے۔

طیارہ بردار بحری جہاز

سالم بارنی ۔ عثمانیہ کالج اورنگ آباد (دکن)

آج کل جاپان نے بحرالکاہل میں ایک ہل چل پیدا کردی ہے ۔ جہاں جی چاہتا ہے اپنے ہوائی جہازوں سے بم برساتا ہے ۔ سنگاپور فتح ہونے کے بعد تو ہندوستان کے ساحلی شہروں کلکتہ ، مدراس وغیرہ پر بھی بم باری کا خطرہ ہوگیا ہے ۔ بات یہ ہے کہ جاپان ان ہوائی جہازوں کو طیارہ بردار (ہوائی جہاز لے جانے والے) سمندری جہازوں پر لے جاتا ہے ۔ اس لڑائی کے شروع میں ایک مرتبہ یہ خبر آئی تھی کہ انگریزوں کے ایک بہت بڑے طیارہ بردار جہاز کو جرمنی کے آبدوز نے ڈبو دیا ۔ اس وقت ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ ایک معمولی بحری جہاز ہوائی جہاز کس طرح لے جا سکتا ہے لیکن جیسے جیسے اس کے متعلق باتیں معلوم ہوئی گئیں ویسے ویسے ہماری سمجھ میں آنے لگا ۔

طیارہ بردار جہاز جنگی جہاز کی ایک قسم ہے اس کی چمنی اور وائرلیس کے کھمبے بجائے عرشے
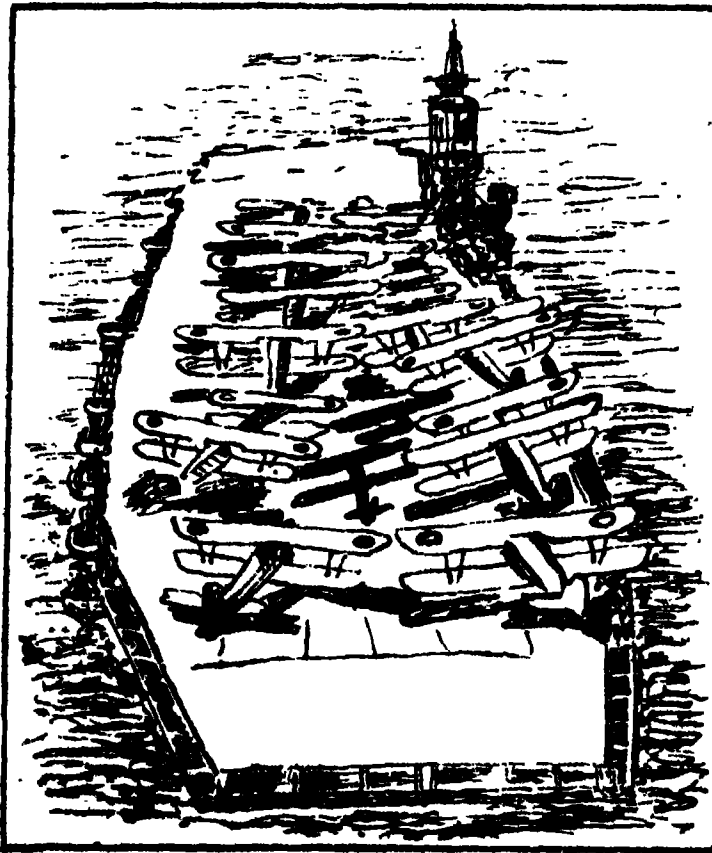
کے بیچ میں ہونے کے بازو میں ہوتے ہیں ۔ عرشہ

بالکل مسطح ہوتا ہے بالکل جیسے ہوائی اڈا۔ اس پر تمام
ہوائی اڈے کی جھنڈیاں وغیرہ لگی ہوتی ہیں۔ اس کے
عرشے کی لمبائی ۰۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ فٹ اور چوڑائی
۱۰۰ سے ۱۵۰ فٹ تک ہوتی ہے۔ عرشے پر ایک وقت
میں ۵۰ سے لے کر ۸۰ ہوائی جہاز رہ سکتے ہیں۔ اس
بحری جہاز کا سب سے اہم ہتھیار طیارہ شکن توپیں
ہیں۔ یہ جہاز کے عرشے کے چاروں طرف لگی رہتی
ہیں۔ جہاز کے سروں پر "۴ ، "۶ کے دہانے کی
۴ یا ۸ توپیں لگی رہتی ہیں۔ یہ اپنا بچاؤ ہوائی جہاز
کے ذریعے کرتی ہیں۔ کیونکہ ہوائی جہاز دوسرے حملہ آور
جہازوں کو ہوائی تارپیڈو مار کر تباہ کر دیتے ہیں۔
ابھی حال میں بحر الکاہل میں انگریزوں کے دو بہت بڑے
جہاز جاپان کے ہوائی جہازوں نے ہوائی تارپیڈو سے
تباہ کر دئے۔

ہوائی جہاز جب عرشے پر اترتا ہے تو اس کو خطرہ
رہتا ہے کہ شاید تیزی میں پانی میں گر جائے اس لئے
عرشے پر جب کوئی جہاز اترنے والا ہوتا ہے تو مشینوں
کے ذریعے جالیاں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور ہوائی جہاز
اترتے وقت اپنا نچلا ہک (جس کی شکل ایسی ہوتی
ہے) لٹکا دیتے ہیں۔ یہ لوہے کی جالیوں
میں پھنس جاتا ہے اور اس طرح جہاز آسانی سے
رک جاتے ہیں۔

کوئی طیارہ خراب ہو جاتا ہے تو اسی بحری جہاز
کے اندر اس کی مرمت کر لی جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ
ہوائی جہاز کے عرشے پر ۲، ۳ مشینیں لگی ہیں۔ ان
پر بگڑے ہوئے ہوائی جہاز کو رکھ دیا جاتا ہے اور
لفٹ کے ذریعے وہ جہاز کے اندر کے ورکشاپ
میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں اس کی مرمت ہوتی ہے۔

آج کل برطانیہ کے پاس ۹، ۱۰ بڑے بڑے
طیارے بردار بحری جہاز ہیں جن میں مشہور آرک رائل
وکٹوریہ، ایگل ہیں۔ دنیا کا سب سے بڑا طیارہ بردار جہاز
امریکہ کے پاس ہے۔

خطابیات

پیام برادری حیدرآباد کے پرانے صدر شیخ رحیم الدین کمال ظہیرآبادی نے خطابیات کے نام سے ایک اچھی کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ تقریر کرنے والے میں کیا کیا باتیں ہونی چاہئیں۔ کس موقع پر کس قسم کی تقریریں کرنی چاہئیں۔ اپنے مطلب کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے وہ جگہ جگہ مثالیں بھی دیتے گئے ہیں۔ آخر میں انھوں نے چند اچھے مقرروں کے مختصر حالات ان کی کامیابی کے اسباب اور ان کی تقریروں کے نمونے دئے ہیں۔ سب سے آخر میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ انجمن کیسے بنانا چاہئے۔ اس کے قاعدے کیا ہوں اس کے صدر اور سکرٹری کے کیا فرائض ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے خیال میں بڑی عمر کے خصوصاً ان پیامیوں کے لئے یہ کتاب مفید ہوگی جو تقریر اور مباحثے کے شوقین ہیں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی اچھی ہے کاغذ اوسط درجہ کا قیمت بارہ آنے
ملنے کا پتہ:۔ ادارۂ ادبیات۔ حیدرآباد دکن۔

رفتارِ ترقی

گھٹنوں گھٹنوں چل رہے ہیں (ایک میل فی گھنٹہ)

پیروں پیروں چلنے لگے (۴ میل فی گھنٹہ)

لو بھئی دوڑنے بھی لگے (۵ میل فی گھنٹہ)

اللہ کیا..... گھوڑے بھی دوڑانے لگے (۱۵ میل فی گھنٹہ)

اسکیٹنگ کا بھی شوق ہو گیا ہے (۳۰ میل فی گھنٹہ)
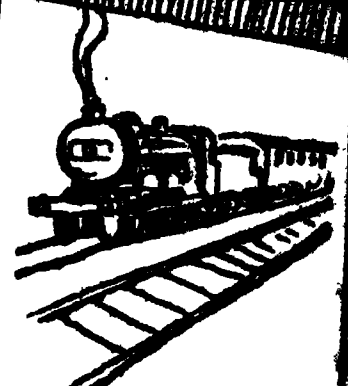
لو بھئی ریل پر سفر کر رہے ہیں - (۶۰ میل فی گھنٹہ)

موٹر سائیکل بھی چلانا آ گئی ہے ([illegible] میل فی گھنٹہ)
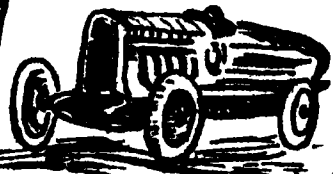
موٹر پر سیر کر رہے ہیں (۸۰ میل فی گھنٹہ)

اب بھی ہوائی جہاز پر چڑھے پھر رہے ہیں (۲۵۰ میل فی گھنٹہ)

بدلہ

محمد سعید الدین احمد، بنارس

میں درجے میں سب سے زیادہ شریر مشہور تھا اور بات بات پر پٹا کرتا تھا۔ جب مار سے تنگ آگیا تو میں نے طے کر لیا کہ آیندہ شرارت نہ کروں گا۔ مگر مار سے پھر بھی بچ نہ سکا۔ کیونکہ کوئی بھی شرارت کرتا سزا کا مستحق میں ہی سمجھا جاتا۔ دل ہی دل میں بہت کڑھتا کہ غلطی کس کی اور پٹے کون۔ ایک دن میں درجے میں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا پڑھنے میں اتنا مشغول تھا کہ مجھے درجے کی خبر نہ تھی اتنے میں کسی صاحب نے بورڈ پر لکھ دیا (I am a FOOL) جوں ہی ماسٹر صاحب درجے میں داخل ہوئے اُن کی نظر بورڈ پر گئی۔ بہت لال پیلے ہوئے اور پھر فوراً مجھے بلا کر بغیر کچھ پوچھے پیٹنا شروع کیا۔ مجھے غصہ تو بہت آیا مگر کر ہی کیا کر سکتا تھا۔ روتا جاتا تھا اور ماسٹر صاحب کو یقین دلاتا جاتا کہ یہ حرکت کسی دوسرے کی ہے۔ مگر بھلا اُن کو کب یقین آتا تھا۔ اب میں یہ سوچنے لگا کہ ماسٹر صاحب سے بدلہ کیسے لوں۔ دوسرے دن جب میں اسکول آیا تو اپنے ساتھ چار پٹاخے لیتا آیا اور اُنھیں ماسٹر صاحب کی کرسی کے پایوں کے نیچے رکھ دیا۔ ماسٹر صاحب درجے میں آئے تو بالکل خاموشی طاری تھی کیونکہ ہماری کل کی مار سب کو یاد تھی جب وہ کرسی پر بیٹھے تو ایک زور کی آواز درجے میں گونجی۔ سب لڑکے ڈر گئے۔ دوسرے درجوں سے لڑکے اور ماسٹر باہر نکل آئے۔ اس کے بعد دیکھا تو ماسٹر صاحب درجے میں ایک عجیب ہی قسم کا تماشا دکھا رہے تھے۔ کئی لڑکوں کو تو یہ شک ہوا کہ خدا نہ خواستہ ماسٹر صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے خیر چند منٹ کے بعد ماسٹر صاحب ہوش میں آئے اور درجے سے نکل کر سیدھے اسکول کے باہر چلے گئے اور آج تک لوٹ کر نہ آئے۔ مگر مجھے اس بات کا اب قلق ہے۔ اپنے بزرگوں سے چاہے وہ غلطی پر ہی ہوں بدلہ نہ لینا چاہ[illegible]

اتفاق میں طاقت

محمد شفیع بمبئی

ایک جنگل میں دو ہرن رہتے تھے۔ ان دونوں میں بڑا اتفاق تھا یہی وجہ تھی کہ ان سے بہت سے جانور ڈرتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ دو ہرن ایک بہت خوفناک جنگل میں نکل گئے۔ وہاں ایک بھوکا شیر اِدھر اُدھر روزی کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ اس کی نظر ہرنوں پر پڑی۔ اُس کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور ہرنوں پر حملہ کیا لیکن یہ بچ گئے۔ ایک ہرن نے اپنا سینگ شیر کے پیٹ پر مارا اسی طرح سے دُوسرے ہرن نے بھی مارا۔ اس طرح شیر زخمی ہوگیا اور ایک طرف بھاگ گیا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ اتفاق میں بہت طاقت ہے اور دشمن اس پر فتح نہیں پا سکتا۔

گھڑی

حسن اصغر کاظمی انبالہ

بہت پُرانے زمانے میں جب لوگوں کو وقت معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی تو اُنھیں بہت دقت پیش آئی مختلف ملکوں میں وقت معلوم کرنے کے مختلف طریقے رائج ہوئے مثلاً ایک بڑی رسّی لے کر اس میں برابر برابر فاصلے پر گرہ دے دی جاتی اور اس میں آگ لگا دی جاتی۔ جب ایک گرہ جل جاتی تو گویا ایک گھنٹہ گذر جاتا۔ لیکن یہ نہایت ناتسلی بخش طریقہ تھا۔ کسی اور عقل مند شخص نے دھوپ سے کام لینا شروع کیا۔ لیکن یہ طریقہ رات کو اور ابر والے دن کے لئے بیکار ثابت ہوا۔

لیکن حضرت انسان تو خاموش بیٹھنے والے نہیں ہیں بس آپ نے دماغ لڑانا شروع کیا اور اپنی سر توڑ کوششوں سے اِس مشکل کو حل کر لیا یعنی گھڑی ایجاد کر دی۔ کیا آج آپ اتنی گھڑیوں کو دیکھ کر بھی انسان کی عقل کی داد نہیں دیتے۔

ایک پُرانی کہانی

ادریس احمد علی گڑھ

مقدونیہ کا بادشاہ فلپ شاہ ایران کو ہر سال ایک سونے کا انڈا بھیجا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سکندر بادشاہ ہوا۔ سکندر نے شاہ ایران کو سونے کا انڈا بھیجنا بند کر دیا جب کئی سال تک شاہ ایران کے پاس انڈا نہ پہنچا تو اس نے سکندر سے کہلوایا کہ تمھارا باپ تو مجھے ہر سال ایک سونے کا انڈا بھیجا کرتا تھا لیکن جب سے تم بادشاہ ہوئے ہو تم نے سونے کا انڈا نہیں بھجوایا۔ سکندر ایک بہادر آدمی تھا اس نے شاہ ایران کے جواب میں کہلوا بھیجا کہ جو مرغی انڈا دیا کرتی تھی وہ اب مر گئی ہے ✦

فرٹ ورک
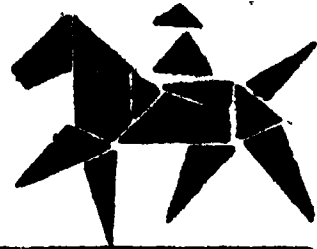
لکڑی کے جانور

جن میں بہ آسانی رنگ بھرا جا سکتا ہے

پیامیوں کو اِس بات کی شکایت تھی کہ پیامِ تعلیم میں محترمہ آپا جان کا مضمون مدّت سے شائع نہیں ہوا ہے۔ آپا جان بہت مصروف رہتی ہیں مگر جب اُن سے پیامیوں کی یہ شکایت بیان کی گئی تو اُنھوں نے بہت دِقّت کے بعد کچھ وقت نکالا اور یہ بہت اچھا اور کام کا مضمون لکھ دیا۔ پیامی اِن ہدایتوں کو غور سے پڑھیں اور حفاظت سے رکھیں۔ تصویروں کا سِلسلہ آیندہ پرچوں میں بھی جاری رہے گا۔ (ایڈیٹر)

ضروری چیزیں

(۱) فرٹ آری

(۲) دو برش

(۳) ٹریسنگ پیپر یا کاربن پیپر

(۴) ریگ مال

(۵) معمولی رنگ (واٹر کلر) یا اینمل کلر یا وارنش پینٹ۔

(۶) گوند یا سادی لاک یا وارنش (اگر اینمل استعمال کرو تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) سگار کے ڈبّے یا پلائی وڈ۔

ہدائیتں

(۱) معمولی کاغذ پر جانوروں کی نقل کرو اور اِن خاکوں کو بہت صفائی اور ہوشیاری سے لکڑی پر اُتار لو۔ احتیاط سے کام لو تاکہ لکڑی زیادہ ضائع نہ ہو۔ جب سب تصویریں لکڑی پر آ جائیں تو اُن کا مقابلہ اصلی تصویروں سے کرو۔ (جو پیامِ تعلیم میں شائع ہوئی ہیں) تاکہ معلوم ہو جائے کہ سب تصویروں کی نقل ٹھیک ہے یا نہیں۔

(٢) اب فرٹ آری سے سب جانوروں کے خاکے نہایت احتیاط سے علیحدہ علیحدہ کاٹو۔

(٣) جب سب خاکے کاٹ لو تو اُنھیں ریگ مال سے خوب صاف کرو۔ کونے اور اوپر کے حصّوں کو خوب اچھی طرح رگڑو یہاں تک کہ کنارے اور اوپری حصّے خوب چکنے اور صاف ہوجائیں۔

(٤) ہر جانور کی لمبائی کے مقابلے میں جانور کے

اسٹینڈ کی لمبائی ۱½ انچ اور چوڑائی ایک انچ زیادہ ہو۔

اسٹینڈ کے بالکل بیچ کی لکیر پر ایک سوراخ کرو۔ ہر سوراخ ایسا ہو کہ اس میں جانوروں کے پاؤں آجائیں۔ اب ان سوراخوں کو گوند سے چپکا دو۔

(٥) ہر جانور کو نیچے لکھے ہوئے رنگوں سے بھرو۔ اسٹینڈ کو ہرے یا ہلکے خاکی رنگ سے رنگو۔ تاکہ ریت یا گھاس کا رنگ ظاہر ہو۔

(٦) اگر اینمل وارنش کی ہے تو لاک لگانے کی ضرورت نہیں۔ اگر معمولی رنگ استعمال کرو تو بے رنگ کی سادہ لاک یا وارنش لگانے کی ضرورت ہے مگر رنگ خشک ہوجانے کے بعد۔

احتیاط

(١) ایک جانور کو جب دوسرے رنگ سے رنگو تو یہ دیکھ لو کہ پہلا رنگ خشک ہوگیا یا نہیں اس لئے کہ گیلے رنگ آپس میں مل جاتے ہیں۔

(٢) ہر دفعہ نیا رنگ بھرنے سے پہلے اپنے برش

کو خوب دھو لو تاکہ رنگ صاف اور اچھا بھرا جائے اور تصویریں خراب نہ ہونے پائیں۔ برش صاف کرنے کے بعد خراب پانی کو بھی تبدیل کرتے جاؤ۔

(۳) پنسل کی سب لکیریں ہلکی ہوں تاکہ رنگ بھرنے کے بعد دکھائی نہ دیں۔

(۴) اگر پہلی دفعہ رنگ ہلکے آئیں تو اُن کے خشک ہو جانے پر پھر رنگ بھرو۔

اونٹ :-

بھورا۔ لکیریں کالی، پیٹ سفیدی مائل پاؤں کا اندرونی حصہ سفیدی مائل۔ آنکھیں سیاہ بال گہرے خاکی۔

دریائی گھوڑا :-

ہلکا بھورا۔ لکیریں کالی، پیٹ بھورا سفیدی مائل۔ آنکھیں سیاہ سفید دھبوں والی۔

پن گوئن :-

سینہ سفید۔ پیٹ سیاہ۔ سر کا اُوپر کا حصہ سفید (لکیروں کے اندر سیاہ)۔ آنکھیں کالی۔ پیر بادامی۔
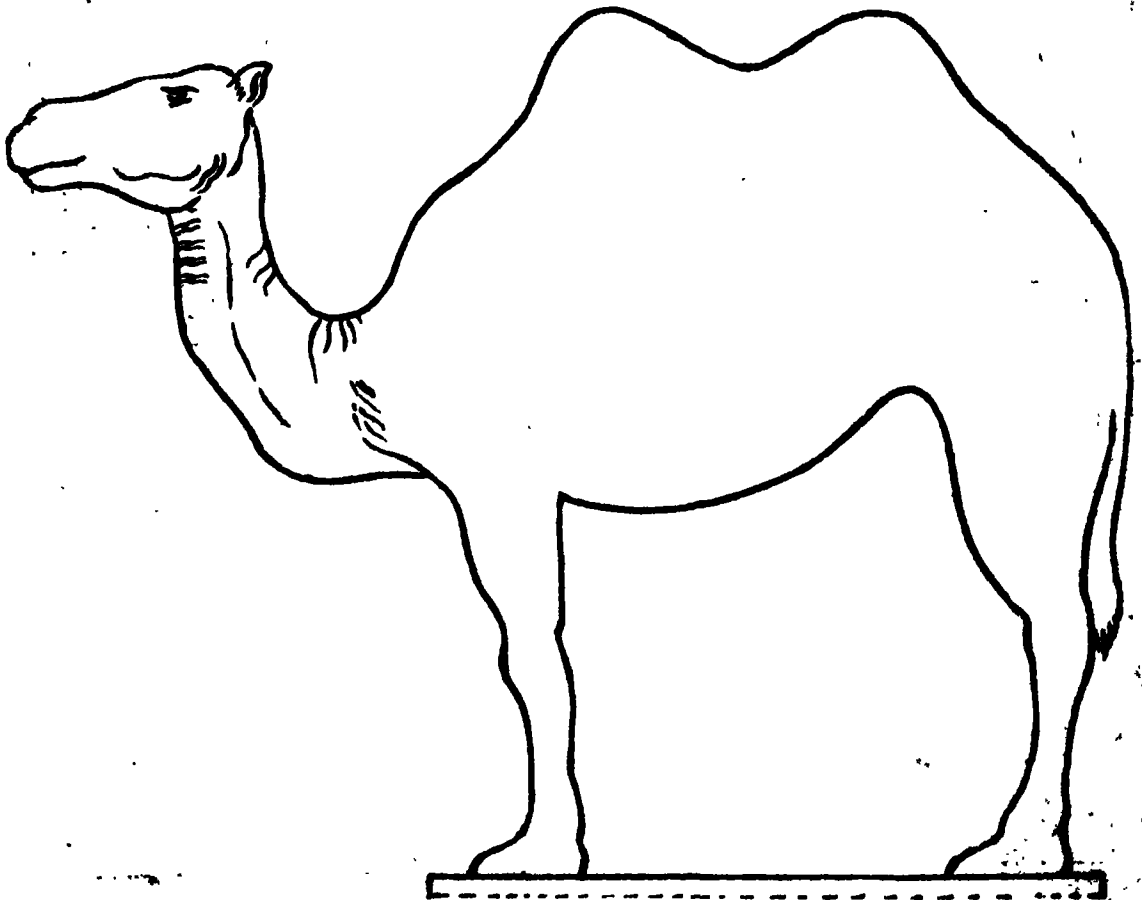
پیام برادری

پیاری بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست۔

پچھلے مہینے موسم بہت خوش گوار رہا۔ اب کچھ گرمی بڑھ رہی ہے۔ دلی میں تو یہ تبدیلی ذرا تیزی سی ہو رہی ہے۔ لڑائی کا بازار پچھلے مہینے بھی خاصا گرم رہا۔ افریقہ کے میدان میں انگریزی اور جرمن فوجوں کا اچھا خاصا مقابلہ رہا۔ اودھر روسی جرمن فوجوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے ہیں مگر جرمن کہتے ہیں سردیوں کا موسم ہم نے گذار لیا ہے اور نپولین کی طرح ہماری فوجیں برباد نہیں ہوئیں۔ بہت گئی تھوڑی رہی ہے۔ اب کی گرمیوں میں ہم روسیوں کو ختم کر دیں گے دیکھئے کون سچا نکلتا ہے آیندہ لڑائی ہی اس کا فیصلہ کر سکے گی۔ کہتے ہیں جرمنی کے پاس پٹرول کی کمی ہے اُس کے دوست جاپان نے تو اتنی جلدی تیل کے ذخیروں والے ملکوں پر قبضہ کر لیا اور اُسے اتنے لڑنے بھڑنے اور اپنی بہت سی فوجیں ضائع کرنے پر بھی سوائے رومانیہ کے اور کہیں تیل اور پٹرول نہ مل سکا۔ اسی لئے اُس کی آنکھیں اب کاکیشیا، ایران اور عراق پر ہیں۔ اور غالباً انھیں حاصل کرنے کے لئے جرمنی کی طرف سے حملہ کرے گا ترکی کے راستے سے ہو کر بغداد اور ایران پر اور پھر کاکیشیا پر۔ اس لئے اس مرتبہ مشرقِ وسطیٰ میں لڑائی کی گرما گرمی اس مرتبہ زیادہ رہے گی۔ ترکی کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس طرف ہوگا۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ترکی کے ایک ساحلی مقام پر کسی نامعلوم ملک کے جہازوں نے بم بھی برسائے دس آدمی مرے کچھ زخمی ہوئے ترکی حکومت تحقیقات کر رہی ہے۔ انگریزی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ اگر اس کے ہوائی جہازوں نے غلطی سے بم گرائے ہیں تو وہ نقصان کا معاوضہ دینے کو تیار ہے[1]

جاپان نے جاوا بھی ہالینڈ والوں سے لے لیا۔ اور رنگون پر بھی قبضہ کر لیا۔ رنگون پر قبضے کے بعد لڑائی کوئی ایک ہفتے کے لیے سست پڑ گئی تھی۔ مگر اب پھر سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ جاپانی فوجیں مٹی کے تیل کے کنووں پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہیں۔ انگریزی فوجیں بھی اُن کے مقابلے کے لئے مضبوطی سے ا

[1] یہ بات اب تحقیق ہو گئی ہے انگریزی حکومت نے افسوس ظاہر کیا ہے اور نقصان کا معاوضہ دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے

محاذ پر جمی ہوئی ہیں۔ برما اور سنگاپور میں ہندوستانی بہت کافی تعداد میں تھے۔ خصوصاً برما میں تاجر زیادہ تر ہندوستانی تھے۔ یہ اپنا بہت کچھ کھو کر اب ہندوستان واپس آ رہے ہیں۔ ان ہندوستانیوں کو شکایت ہے کہ ان کے ساتھ نسلی امتیاز برتا گیا یعنی ان کے مقابلے میں ولایت کے لوگوں کو برما سے بھاگ نکلنے میں زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ سنگاپور کی تجارتی انجمن کے صدر نے بھی ہندوستان کی تجارتی انجمن کے سامنے اسی قسم کی باتیں کہیں۔ ہالینڈ کے ایک ذمے دار افسر صاحب کو بھی زیادہ رنج اس بات کا تھا کہ جاپان کی فتح سے سفید قوموں کے وقار کو بہت سخت صدمہ پہنچا ہے۔ سچ پوچھو تو بڑائی کے اسی خیال نے ان کو نقصان پہنچایا ہے۔ وہ جزیرے کے لوگوں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے اُن کے ساتھ ان کے تعلقات بھی اچھے نہیں تھے۔ ان جزیروں کے لوگ بھی اُن سے مطمئن نہ تھے نہ اُن سے کوئی ہمدردی رکھتے تھے اور جب جاپان نے حملہ کیا تو اُسے آسانی سے کامیابی ہوگئی بلکہ برما میں تو سننے میں خود برمیوں نے جاپانیوں کی مدد بھی کی اور بہت سے بری غداری کرکے دشمن سے مل گئے۔ آج کل جاپان کی توجہ آسٹریلیا کی طرف زیادہ ہے۔ نیو گنیا کے ایک ساحلی مقام پر اُس نے فوجیں بھی اتار دیں۔ آسٹریلیا بھی مقابلے کی تیاری کر رہا ہے۔ مشہور امریکن جنرل میک آرتھر جس نے فلپائن میں جاپانیوں کا بہت بہادری سے مقابلہ کیا تھا آسٹریلیا آ گیا ہے۔ بہت سی امریکن فوج بھی آ گئی ہے۔ اس سے آسٹریلیا والوں کے دل بہت بڑھ گئے ہیں اور انھیں اپنی کامیابی کا پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا ہے۔

ہندوستان میں آہستہ آہستہ لڑائی کے خطرے کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ برما کے بعد اب ہندوستان کا نمبر ہے مگر بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جاپان غالباً ہندوستان پر حملہ نہیں کرے گا۔ ورنہ وہ اپنے مرکز سے بہت دور ہٹ جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ پریشان کرنے کے لیے کلکتہ اور ساحلی شہروں پر تھوڑے سے بم برسا دے۔

ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ بہت دنوں سے کھٹائی میں پڑا ہوا تھا اس کی وجہ سے ہندوستان کے لوگوں میں بہت بے چینی تھی مسٹر امیری وزیر ہند نے ہندو مسلمانوں کی نا اتفاقی کو بہانہ بنا لیا تھا مگر خود پارلیمنٹ کے ممبروں نے مسٹر چرچل پر زور دیا کہ اس جھگڑے کو ختم کر دینا چاہیے اور ہندوستان کو آزادی دے دینی چاہیے ورنہ ملایا کی طرح کہیں ہندوستان بھی جاپان کے قبضے میں نہ چلا جائے پہلے تو لندن ہی سے اعلان ہونے والا تھا۔ مگر اب اسٹفورڈ کرپس انگریزی وزارت کے ایک اہم رکن ہندوستان آ رہے ہیں اور ہندوستان کی مختلف جماعتوں کانگریس، مسلم لیگ وغیرہ سے بات چیت کرکے آزادی کا اعلان کریں گے وہ کوشش کریں گے کہ ہندوستان کے سب لیڈر ایک بات پر متفق ہو جائیں اور اگلا پرچہ اپنی آزاد حکومت کے سایے میں نکلے۔

معمے والے صفحے بچوں کو بہت پسند آئے۔ بہت سے بچوں نے پوچھا ہے کہ یہ کہاں سے ملیں گے تو بھئی یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ منیجر صاحب مکتبہ یا منیجر صاحب پیام تعلیم کو لکھو وہ تمھیں بھیج دیں گے

محمد حسین حسان

۶ ر	■	۵ ں	ا	۴ ع	۳ ت	۲ م	۱ ا
	■		■	ی		غ	۷
پ	۱۰	■	و		د		۸ ش
ہ	ت		۱۲ ر	■		ل	۱۱
■	ب	■	ی	۱۴	س		۱۳ ا
۱۶ ں	■	۱۷	■	م		۱۵ ت	■
	■	د	گ		۱۸ ی	■	۱۹
ک		ے	۲۱	■	■		۲۰ ا

دائیں سے بائیں

۱۔ طالب علم کو ہر سال اس سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

۷۔ بعض امراض میں اس کا استعمال مفید ہوتا ہے

۸۔ بہار کے موسم میں ہر چمن یہ نظر آتا ہے۔

۱۰۔ سیہ بختی میں .. کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے (ناسخ)

۱۱۔ پہیہ کی جس پر تانگا لیٹا ہوتا ہے۔ (بے ترتیب)

۱۲۔ اگر دو ملکوں میں اچھا یہ قائم ہو جائے تو تعلقات بڑھ جاتے ہیں

۱۳۔ ایشیا کی سب سے شیریں زبان (بے ترتیب)

۱۵۔ کتاب کے ختم پر لکھتے ہیں۔ (بے ترتیب)

۱۹۔ کسی کو یہ کہدینا گالی سمجھا جاتا ہے۔

۲۰۔ ایک

۲۱۔ انگریزی فوجیں دشمن کا مقابلہ .... ہوئی بڑی دلیری سے ۴۴

اوپر سے نیچے

۱۔ سب مذاہب کے پیشوا اس براعظم میں پیدا ہوئے ہیں

۲۔ ہماری آپس کی ..... ہندوستان کو ابھرنے نہیں دے گی

۳۔ .... ہزار نعمت ہے۔

۴۔ جس میں یہ نہیں وہ بے حیا ہے۔

۵۔ تم نے اس کے کرتب تو دیکھے ہی ہوں گے۔

۶۔ اس جنگ میں مسلسل شکستوں کی وجہ سے برطانیہ کا یہ کم ہو گیا ہے

۹۔ ایسی باتیں کسی کو اچھی نہیں لگتیں۔

۱۰۔ کتاب کی جمع۔

۱۲۔ لفظ بہ معنی بعید

۱۶۔ جرمنی کی فتح مرداں جو ہو رہی ہے کردہ ... سال جنگ کی تیاری میں لگا ہوا تھا

۱۷۔ قریب قریب ہر گھر میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

۱۸۔ اچھا اخلاق اور نیک برتاؤ انسان .. زیور ہے۔

۴۴ پیچھے ہٹ جاتی ہیں (الٹا)

قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں

۲۔ حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی داخلہ فیس ۳؍۔ آٹھ حلوں کی ۶؍ ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۰ اپریل [illegible] تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۹۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۰۔ دال اور ڈال کا نمایاں فرق ہو۔ (د - ڈ)

۱۱۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (ی - ے)

۱۲۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہئے۔

۱۳۔ املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۴۔ حلوں کے بارے میں شکایتی خطوں کے لئے جوابی کارڈ یا لفافے کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔ شکایت ٹھیک ہوئی تو اُن کے حصے انعام میں شامل کر لئے جائیں گے۔ ورنہ اطلاع مل جائے گی۔

سب ایڈیٹر پیام تعلیم۔ مکتبہ جامعہ، دہلی۔ قرول باغ

معمہ نمبر ۲ کا صحیح حل

ث	ر	س	ع	■	ق	ی	ح
د	■	ر	■	غ	ر	■	ے
ب	ا	و	ش	■	م	ا	ن
ی	ن	ر	■	م	ی	ن	■
ر	س	■	ک	ق	■	ت	ب
■	ا	ک	■	ة	■	ظ	ع
ب	ن	س	ک	ر	و	ا	■
ط	■	ر	ز	■	ہ	م	ت

صحیح حل — انعام اول — فی کس عہ

۱۔ خورشید اسحاق مرزا۔ لکھنؤ

۲۔ معیز الدین۔ دہلی

۳۔ سید معتور حسن ؍؍

ایک غلطی — انعام دوم — فی کس ۸ر

۱۔ ذاکر حسین۔ بہار

۲۔ محمد شرف احمد۔ جودھپور

۳۔ احمد اسمٰعیل کڑودا۔ سورت

۴۔ سجاد حیدر۔ کراچی

۵۔ شاہدہ خاتون۔ دہلی

۶۔ سید نسیم رضا۔ ؍؍

۷۔ منیر احمد ملک۔ پٹنہ

شکیلہ پروین بمبئی- اس پرچے میں ان کا ایک
مضمون (ایثار) بھی چھپا ہے

دادی اماں کا مکتب
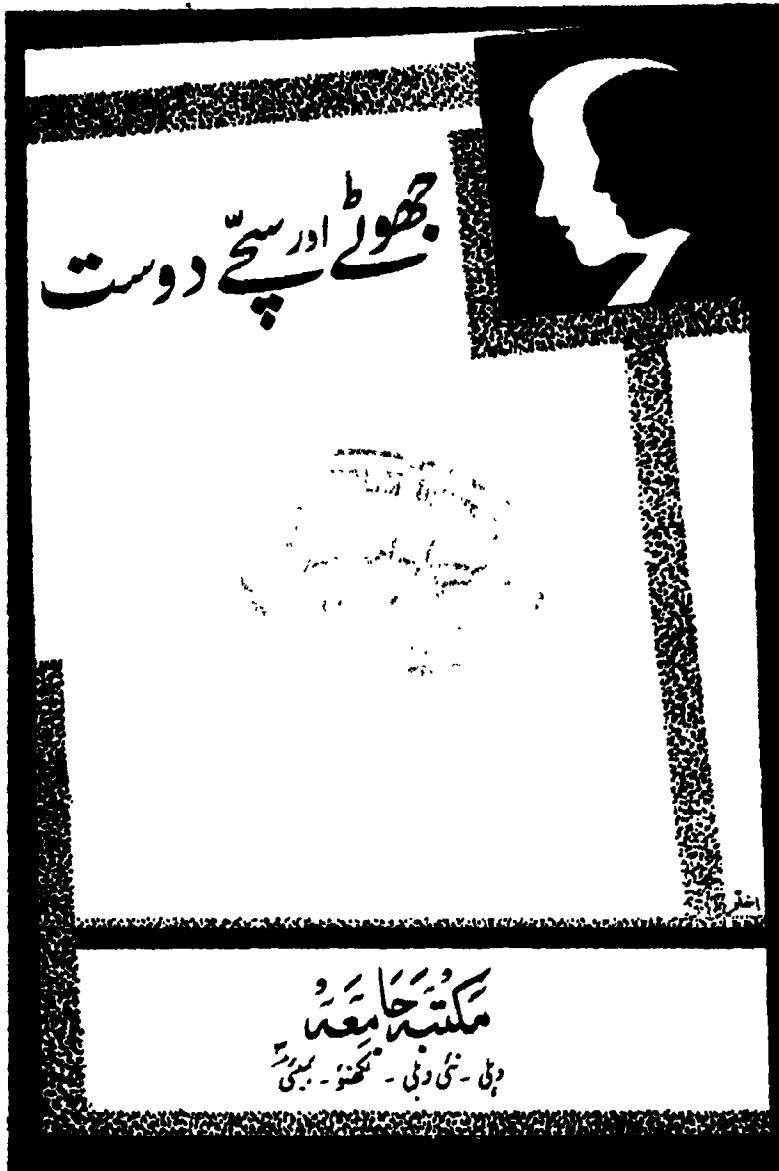
Regd. L. No. 1901

(قواعد)

قیمت دو آنے چھ پائی

ننھا نٹو..............قیمت دو آنے

پرندوں کا ایکا..............قیمت دو آنے

مکتبہ جامعہ دہلی
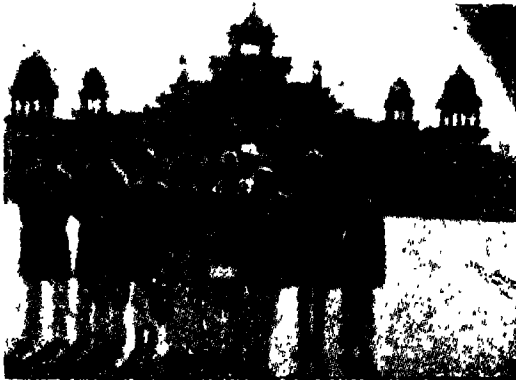
پیامِ تعلیم
مکتبہ جامعہ دہلی
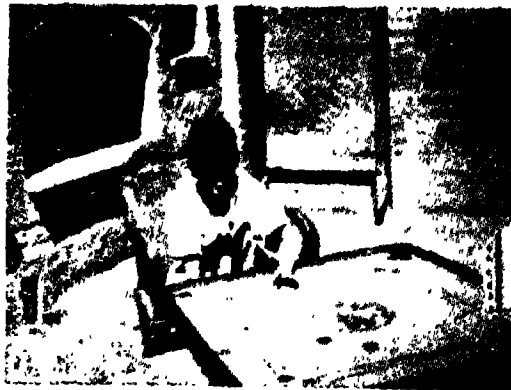
پیامِ تعلیم دہلی

پیامِ تعلیم دہلی، یوپی، سی پی، قلات، بنگال، برار، میسور
حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہ ہائے تعلیم کی طرف
سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

ایڈیٹر:
محمد حسین حسان

فہرست مضامین

قیمت سالانہ عہ
فی پرچہ ۳ر
جلد ۲۶
نمبر ۵
مئی سنہ ۱۹۴۲ء

اختر

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی محبوب المطابع پریس دہلی

اس پرچے میں تمباکو، ایمنڈسن، کھانے کی کہانی اور جامعہ عثمانیہ چاروں مضمون ختم ہو رہے ہیں۔ پیامیوں نے انھیں بہت پسند کیا۔ خاص کر ایمنڈسن والا مضمون بچّے تو بچّے بڑوں کے لئے بھی بہت مفید تھا ہمیں اُمید ہے کہ جناب ثنا الحق صاحب آئندہ بھی پیامِ تعلیم پر نوازش فرماتے رہیں گے۔

پچھلے دسمبر میں تعلیمی مرکز کے بچّوں نے سید عروج الحسن صاحب کی نگرانی میں دلی سے بمبئی تک کی سیر کی راستے میں مشہور شہر جے پور، اجمیر، بڑودہ اور احمد آباد وغیرہ بھی دیکھے، واپسی پر انھوں نے اپنا سفر نامہ لکھا۔ یہ سفر نامہ بہت دل چسپ ہے۔ اس پرچے میں اس کا ایک حصّہ چھپ رہا ہے۔

اس مرتبہ گنجائش کی کمی کے سبب کئی مضمون نہ چھپ سکے۔ شبیر خاں صاحب (جامعہ نگر) کی ایک دل چسپ کہانی۔ شجاع احمد صاحب کا ایک دل چسپ ڈراما ان کے علاوہ کئی اور اچھے اچھے مضمون اگلے پرچے میں چھپیں گے۔

سید محمد یحییٰ صاحب ہمارے بہت پرانے مضمون نگار ہیں۔ انھیں ڈرامے کے فن سے بہت دل چسپی ہے۔ انھوں نے ایک ڈرامیٹک کلب بھی بنایا ہے اس کا تمام خرچ وہ خود ہی اٹھاتے ہیں۔ یہ کلب ہر سال دو ڈرامے کرتا ہے۔ ایک انگریزی میں ایک اُردو میں۔ پچھلے سال کے ڈراموں کی کچھ تصویریں پیامِ تعلیم میں چھپ چکی ہیں۔ اس سال بھی آپ نے انگریزی اور اُردو کے دو ڈرامے کئے۔ یہ دونوں بہت کامیاب رہے۔ اگر حالات نے اجازت دی تو کسی اگلے پرچے میں ان کی تصویریں چھاپی جائیں گی۔

ایک پیامی کا خط

فطرت از لاہور

(سالنامے کی تعریف میں)

مبارک مبارک ہو بھائی حسین ۔۔۔ ہو دانائی پہ آپ کی آفریں
رسالہ بہت خوب ہے آپ کا ۔۔۔ یہ ہے رنگ میں اپنے بالکل نیا
مضامین میں آپ کا انتخاب ۔۔۔ بہت خوب ہے اور بہت لاجواب
کھلاتے بھی ہم کو پڑھاتے بھی ہیں ۔۔۔ بہت سے سبق یوں سکھاتے بھی ہیں
اگرچہ زمانہ یہ ہے جنگ کا ۔۔۔ کہ "جاں" سے بھی مہنگا ہے کاغذ ہوا
مگر "پیام تعلیم" خوشیوں بھرا ۔۔۔ سدا وقت پر مجھ کو ملتا رہا
ہے اب سالنامہ مرے سامنے ۔۔۔ اسے پڑھ رہا ہوں بڑے شوق سے
نہایت مزیدار پرچہ ہے یہ ۔۔۔ ہمارا تو اک یار پرچہ ہے یہ
کہیں کھیل ہیں عمدہ عمدہ نئے ۔۔۔ کہیں گیت پیارے ہیں گائے گئے
کہانی ہے، مضمون ہے نظم ہے ۔۔۔ کہیں پیامیوں کی بھری بزم ہے
ہیں مضمون پرچے میں ایسے کئی ۔۔۔ کہ جن سے ہوں معلوم باتیں نئی
رسالے میں ہر چیز ہے دی ہوئی ۔۔۔ کسی بات کی کب ہے اس میں کمی
مگر کہتے تو اب کے بھائی حسین ۔۔۔ بہت جلد پرچہ ملا کیوں نہیں
رسالے کی خاطر میں تھکتا رہا ۔۔۔ بہت دیر رہ اس کی تکتا رہا
میں اب ختم کرتا ہوں اپنا کلام ۔۔۔ مرا آپ کو الوداعی سلام!
نہ کچھ اور فطرت کہو زینہار ۔۔۔ بس اب مارچ کا کیجئے انتظار
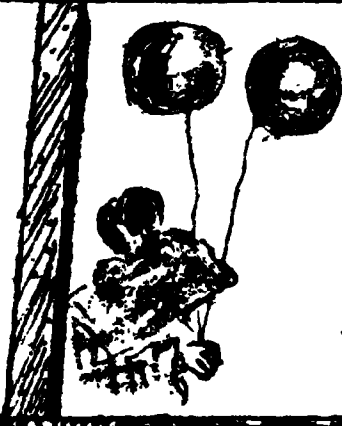
میاں مٹّو نے غبارہ خریدا

اختری آرٹسٹ

ایک تھے میاں مٹّو، اور ایک تھے میاں کٹّو۔ مٹّو بڑے تھے کٹّو چھوٹے۔ یہ دونوں بی چوہیا خانم کے بچے تھے۔ ان کا نام تھا بی چیٹو۔ تو ان میاں کٹّو کو غبارے بہت پسند تھے اتنے پسند تھے کہ بس باتیں بھی وہ غباروں ہی کی کیا کرتے۔ ہرے غبارے

پیلے غبارے نیلے۔ اہا ہا پیلا کیا اچھا ہوتا ہے۔ خوب صورت خوب صورت مزے دار۔

ایک دن میاں مٹّو نے اپنی امّی سے کہا "اچھی امّی ہمیں ایک غبارہ خرید دیجیے"۔

امّی بولیں "بیٹا میرے پاس اتنے دام کہاں ہیں پورے ایک پیسے میں تو غبارہ آتا ہے۔ اور پھر ذرا کے ذرا میں پھٹ کر ختم ہو جاتا ہے۔ پیسہ پھینکنے سے کیا فائدہ"۔ مگر یہ بات میاں مٹّو کی سمجھ میں
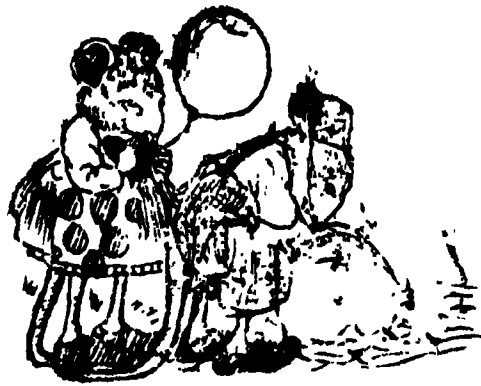
نہ آئی۔ انھیں تو ایک غبارہ چاہیے تھا بڑا سا غبارہ
پیلا پیلا خوب صورت خوب صورت۔

میاں مٹھو ایک دن اپنے بھائی کٹو کے
ساتھ مدرسے جا رہے تھے انھوں نے کٹو سے کہا
آؤ ذرا دریا کی سیر کریں۔ وہاں شاید غبارے والا
مل جائے۔ آج میں ایک غبارہ ضرور خریدوں گا
بڑا سا۔ پیلا پیلا خوب صورت خوب صورت۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سامنے سے
غبارے والا نظر آیا۔ میاں مٹھو دیکھ کر اچھل پڑے
آہا اس کے پاس تو بہت سے نئے نئے غبارے
ہیں اور سب پیلے پیلے یہ بات غبارے والے
نے بھی سن لی وہ پوچھنے لگا کیا غبارے نہیں خریدو
گے مٹھو میاں۔ ایک ایک پیسے کے ہیں ایک ایک
پیسے کے پیلے پیلے خوب صورت خوب صورت

کٹو بولا:- ہاں بھئی غبارے والے
ہم خریدنا چاہتے ہیں مگر پیسہ ......" کٹو بس
اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ میاں مٹھو نے جلدی
سے دو پیسے جیب میں سے نکال، غبارے
والے کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ کٹو، چلایا ہیں
ہیں بھیا یہ کیا غضب کر رہے ہو یہ پیسے

تو ماسٹر صاحب کو دینا ہیں۔ ان کی کتاب
آئے گی" مگر میاں مٹھو نے سنی ان سنی
کر دی۔ غبارے والے نے دو بڑے
غباروں کے تاگے ایک ساتھ باندھ کر
ان کی طرف کر دیے۔ کٹو نے ایک غبارے

پر ہاتھ مارا اور اسے لے اڑا۔" ہا! میں اپنا غبارہ پانی میں تیراؤں گا۔" کٹو بولا

مٹو نے کہا: "بھئی تم اسے پھاڑ ڈالو گے"

کٹو نے جواب دیا: "نہیں بھیا دیکھے دیکھے یہ کیسے مزے میں تیر رہا ہے۔ اب میں اس پر بیٹھتا ہوں۔"

کٹو اس پر اچک کر بیٹھا ایک زور کی آواز آئی پھاٹ جیسے پٹاخا چھوٹا ہو۔ چھوٹے میاں رونی صورت بنا کر بولے۔" ارے یہ تو پھٹ گیا۔ ادھر میاں مٹو غبارے کی آواز سے کچھ سہم سے گئے۔ بدحواسی میں غبارہ بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اور ہوا کے زور سے آسمان کی طرف چل پڑا۔

اب تو دونوں روتے ہوئے امی کے پاس آئے۔ اماں کو یہ قصہ معلوم ہوا تو بولیں: "بہت اچھا ہوا شریر بچوں کی یہی سزا ہے۔"

سڑک پار کرنے سے پہلے
دائیں بائیں دیکھ لیا کرو

ذرا ان کی عقل مندی دیکھو
موٹر کے سامنے آ گئے

(۳)

ابھی تک امینڈسن اسی راستے پر چل رہا تھا جسے انگریز سیاحوں نے اختیار کیا تھا۔ روس اور میری اسی راستے سے ہو کر گذرے تھے اور ۱۸۲۵ء میں فرینکلن اپنے ایک سو تین ساتھیوں سمیت یہیں فنا کے گھاٹ اترا تھا۔ امینڈسن نے تقریباً ہر جگہ اپنا مستقر قائم کیا۔ مغرب کی طرف بہت دور ..... وہ پیچیدہ راستہ تھا جو بحیرۂ بیرنگ سے آکر ملتا تھا۔ ان کے درمیان شمالی مغربی راستے کا طلسم ابھی تک کسی سیاح سے نہیں ٹوٹا تھا۔ حالانکہ مغرب و مشرق کو ملانے والی کڑی یہی تھی۔

۳۰ جولائی ۱۹۰۵ء کی شب کو رونلڈ امینڈسن نے جہاز کے مستول پر ملک ناروے کا پھریرا لہرایا اور سر زمین جوہاون کو چھوڑ کر مغرب کے نامعلوم راستے پر چل پڑا۔

نیلج گاڑی پر بیٹھ کر پچھلی گرمیوں میں یہ لوگ بہت سی آبناؤں اور بے شمار جزیروں کا پتہ لگا چکے تھے۔ اس وقت وہیں سے ہو کر گذرے۔ کامیابی کے جس قدر ذریعے ممکن تھے سب عمل میں لائے گئے۔ اس کے باوجود بہت سے ایسے موقعے آئے کہ تمام ساتھیوں کی جان خطرے میں پڑ گئی۔

پانی کی گہرائی ناپنے کے لئے بار بار سیسے کا ٹکڑا سمندر میں ڈالا جاتا۔ جہاز کا چھوٹا انجن برف کو چیر کر راستہ بنا رہا تھا اور جو ان سمندروں میں جہاں اب تک کوئی کشتی نہیں پہنچی تھی آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

قدم قدم پر مشکلات کا اندیشہ تھا۔ یہاں ان کی امداد کے لئے چارٹ تک نہ تھا۔ ایک جگہ پیمائش کی گئی تو گہرائی ستر فیدم تھی لیکن چند ہی منٹ میں پانچ فیدم ہو گئی۔ برف پوش چٹانیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ تجربہ کار ملاحوں کے لئے بھی یہ موقع بہت تشویش ناک تھا۔ معمولی طور پر جہاز میں ہر روز اٹھارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا۔ پانچ گھنٹے سونے

اور ایک گھنٹہ کھانے کے لئے وقف تھے۔ لیکن عملا ایسے پر خطر سمندر میں نیند کس کو آتی۔

ایک دن اینڈرسن نے دیکھا کہ قطب نما کی سوئی کی حرکت بند ہوگئی ہے۔ پاس والے جزیروں میں پہاڑوں کے اندر لوہا بھرا ہوا تھا اسی کا اثر اس سوئی پر پڑ رہا تھا۔

ایک نامعلوم مقام پر جہاں راہ نما نے بھی اپنا کام چھوڑ دیا جوا شل ایک شرابی کے بڑھ رہا تھا۔ ایک ایک انچ کا فاصلہ مشکل سے طے ہو رہا تھا۔ جو بعض اوقات سمندر سے ابھری ہوئی چٹانوں سے ٹکرا جاتا۔

حالات بد سے بدتر ہو رہے تھے۔ سمندر کی تہہ میں چٹانوں کا نشیب و فراز اس قدر خراب تھا کہ خود اینڈرسن کے بقول "گویا جہاز ایک جُتے ہوئے کھیت میں تیر رہا تھا"۔ پیمائش کرنے کے لئے ایک کشتی علیحدہ کی گئی۔ عرشے کے تمام آدمی کام میں لگے ہوئے تھے۔ نیند کا کس کو ہوش تھا۔

جتنا آگے بڑھتے تھے۔ برف بڑھتی جاتی تھی اس وقت وہ اس نامعلوم خطے سے گذر رہے تھے جو قطبی سمندروں میں مغرب و مشرق کو ملاتا ہے۔ جس کام کے لئے سیکڑوں آدمی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے تھے اس کو یہ لوگ انجام دینے کی کوشش میں تھے اور خاطر خواہ کامیابی ہو رہی تھی۔

سترہ روز کی جد و جہد اور پریشانی کے بعد ۱۷ اگست کو جوا راس کولبرن کے مغرب میں لنگر انداز ہوا۔ یہاں ٹھہرنے کا مقصد یہ تھا کہ جہاز میں کچھ خرابی آگئی ہو تو اس کی مرمت کرلی جائے۔ نامعلوم ملکوں کی تلاش میں یہ تاریخ بھی یادگار رہے گی۔ یہی وہ دن تھا جب اینڈرسن شمال مغرب کے راستے کے بعید ترین سرے پر پہنچا۔ جوا نے ایک کھوئی ہوئی کڑی کا سراغ لگا لیا تھا۔

یہ سچ ہے کہ انھیں ابھی سیکڑوں میل کا سفر درپیش تھا تاہم یہی کیا کم ہے کہ انھوں نے ان پُرخطر راستوں کو معلوم کیا جہاں اُن سے پہلے بہت سے دلیر ملاحوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔

نو دن بعد اینڈرسن ایک آواز سے چونک پڑا "دیکھو وہ سامنے جہاز ہے"۔ جلدی جلدی کپڑے بدل کر وہ اوپر پہنچا۔ دیکھا کہ ایک دو مستولوں والا جہاز امریکہ کا جھنڈا لہراتا ہوا مغرب سے ان کی جانب آ رہا تھا۔

دو سال بعد انھوں نے یہ پہلا جہاز دیکھا تھا۔ گویا دنیائے تمدن کی یہ پہلی خبر تھی۔ کوئی تعجب نہیں اگر اس واقعے نے اُن کے دل پر اتنا اثر کیا کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

ایک کشتی باہر نکال کر وہ اجنبیوں کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچ کر جہاز کے ناخدا سے جوامریکی تھا

ملاقات کی۔ اُس نے دریافت کیا۔ کیا تم کپتان ایمنڈسن ہو؟"

ایمنڈسن نے جواب دیا۔ بے شک میں ہی ایمنڈسن ہوں؟"

ناخدا نے پوچھا" کیا سب سے پہلا جہاز تمھیں یہی ملا ہے؟"

ایمنڈسن نے بتایا کہ دو سال کی مدت میں اسکیمو لوگوں کے بعد سب سے پہلے انھوں نے یہی جہاز دیکھا ہے؟"

ناخدا نے ایمنڈسن سے نہایت گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا اور کہا "مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ شمالی مغربی راستے کا سُراغ لگانے والوں کا سب سے پہلے میں نے استقبال کیا۔"

اس طرح امریکی جہاز چارلس ہنس کے مالک کپتان جیمس میک کنا کو سب سے پہلے معلوم ہوا کہ شمال مغربی راستے کا سُراغ لگ گیا ہے۔

ایمنڈسن کو اس ملاقات کے بعد اپنا تیسرا موسمِ سرما بھی قطبی سمندر میں گذارنا تھا۔ اُس کے بعد نوم کے مقام پر اس کے سفر کی آخری منزل تھی۔ اب خطرناک واقعات کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ تیسرا جاڑا شمالی کنیڈا کی ایک بندرگاہ کنگ پوائنٹ پر گذارا گیا یہ مقام امریکہ کے مچھلی پکڑنے والے جہازوں کے اڈے کے بالکل قریب ہے۔ اب اُنھیں احساس ہوا کہ دنیا میں اُن کے کارنامے پھیلنے تھے لہٰذا ممکن نہ تھا، کہ اثنائے سفر میں جوا اور اس کے مسافر اُن اُجاڑ اور برفیلے مقامات پر فنا کے گھاٹ اُتر جاتے۔

امریکہ کے مچھلی پکڑنے والے جہازی بیڑے سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اُن کا اناج کا جہاز برف میں پھنس گیا۔ رسد نہ پہنچ سکنے کے سبب اُن کا اناج کم رہ گیا۔ ایمنڈسن نے ان جہازوں کو آٹے کے چوبیں ہنڈرویٹ کے دس ڈبے دے دیئے۔

تم اس واقعے سے ایمنڈسن کی انتظامی قابلیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ ڈھائی سال پہلے ماہی گیر جوا کی ایک چھوٹی کشتی بندرگاہ سے روانہ ہوئی۔ اس عرصے میں سوائے گوشت کے اور کوئی دوسری رسد اس کو نہ پہنچ سکی۔ روانگی کے چھ ہی مہینے بعد وزن کم کر دیا اور جہاز کو تباہی سے بچانے کے لئے بہت سا کھانے کا سامان باہر پھینک دیا گیا۔ باوجود اس کے جوا کے افسر نے ایک ٹن سے بھی زیادہ آٹا ان جہازوں کے حوالے کر دیا جو اس سے بھی زیادہ مصیبت زدہ تھے۔

اس واقعے کا ذکر محض اس وجہ سے کیا گیا کہ ایمنڈسن کی شہرت کا راز اسی میں چھپا ہے۔ یہ اس کی انتظامی قابلیت تھی جو اس کے ساتھیوں کو بار بار بچانے میں کامیاب ہوئی۔ اس کی بہترین مثال آٹے کا واقعہ ہے۔

اب تک ساتھیوں میں سب لوگوں کی تندرستی ٹھیک تھی۔ لیکن شمال کے اس آخری موسم سرما میں ایک کا انتقال ہوگیا۔ اس کو انھوں نے پاس کی ایک بلند پہاڑی کی چوٹی پر دفن کردیا۔ یہ پہاڑی اسی سمندر کے کنارے پر واقع ہے جس کے پاس سے یہ لوگ مظفر و منصور گذر چکے تھے۔ اپنے اس آخری سرمائی مستقر کو چھوڑ کر انھوں نے سفر کا آخری حصہ شروع کیا۔ زیادہ حصہ نہیں گذرا تھا کہ ایک زبردست حادثہ رونما ہوا۔ ایمنڈسن کو اس کا پہلے ہی خدشہ تھا۔ مہینوں سے اس کو ڈر لگا ہوا تھا آج آخرکار اس سے دوچار ہونا پڑا۔ انجن پانی کے نیچے والی ایک چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹا اور چلنا بند ہوگیا۔ دو انجنیروں نے درست کرنے کی بہتیری کوشش کی لیکن ناکامی رہی۔

اب صرف بادبانوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔ اگر تین مہینے پیشتر ایسا ہوتا تو تباہی یقینی تھی۔ اس وقت بھی جہاز کو بچانے کے لئے ان لوگوں کو اپنی ملاحی کے پورے کرتب دکھانے پڑے۔

سفر کے آخر تک جوا اور اس کے بہادر ملاح خطروں سے گھرے رہے۔ جب ہوا بند ہوجاتی تو جہاز برف میں پھنس کر کھڑا رہتا۔ اگر حد سے زیادہ احتیاط نہ برتی جاتی تو ممکن تھا کہ مجبور و معذور ملاح شمال کی طرف بہہ نکلتے۔ اور ان کی ہڈیاں قطب شمالی کی نذر ہوجاتیں۔

ایمنڈسن کے سامنے اس وقت محض ایک صورت تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ایک تیز دھارا شمال کی جانب جاتا ہے اگر ہوا بند ہوگئی تو اس کے سامنے قطعی مجبور ہوجانا پڑے گا۔

برفیلے سمندر میں جہازرانی کے لئے سالہا سال کا تجربہ درکار ہے۔ خوش قسمتی سے ایمنڈسن کے آدمی برسوں ماہی گیروں کے جہازی بیڑے کے ساتھ رہ چکے تھے۔ اور ان کے کام سے بخوبی واقف تھے تمام بادبان چڑھادئے گئے۔ جہاز کا اگلا حصہ برف کی طرف کردیا گیا۔ وہاں سے ہوکر اس کو کھلے سمندر اور جائے امن میں پہنچنا تھا۔ ایک دو مرتبہ جوا کو جھٹکا لگا اور۔ دفعہ وہ برف کے میدان میں تھوڑا اور آگے بڑھ گیا۔

اب جنوب کی طرف برف نہایت تھوڑی مقدار میں رہ گیا تھا۔ محض دو بڑے بڑے تودے ان کو کھلے سمندر سے جدا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاز اس راز سے واقف ہے۔ اس نے پھر جھٹکا کھایا۔ اس کے اگلے نُک برف کاٹنے میں نہایت کارآمد ثابت ہوئے۔ تھوڑا تھوڑا کرکے جوا آگے بڑھ گیا۔ اور سمندر میں داخل ہوا

طوفان کا اب بھی کافی امکان تھا۔ لیکن راستہ صاف ہوچکا تھا اور گذشتہ تین سال کے خطرات کے بعد اس مختصر گروہ کے لئے طوفان کوئی اہمیت نہ

رکھتا تھا۔ ۳۰ اگست ۱۹۱۰ء کو ایمنڈسن نے وہ راس دیکھی جو آبنائے بیرنگ کے شمالی دانت کی حفاظت کرتی ہے۔ آبنائے کے جنوب میں نوم یعنی اُس کے سفر کی آخری منزل تھی۔ اس وقت آندھی چل رہی تھی ایمنڈسن نے اپنے ساتھیوں سے نہایت شان دار کھانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ایسی ہوا میں اس کے تیار کرنے کا موقع نہیں تھا۔ اسی طرح جھنڈا لہرانا بھی ناممکن تھا۔ کیونکہ ایسی تیز و تند ہوا میں اس کی دھجیاں اُڑ جاتیں۔

فی الحال وہ محض معمولی توس تیار کرسکے اور آپس میں مصافحہ کرنے پر اکتفا کیا۔ محض ایک پندرے کے جہاز میں سیاحوں کے ایک گروہ نے شمال مغرب کا راستہ اس کنارے سے اس کنارے تک پورا کیا۔ ان لوگوں کے سامنے انعامات، دنیا کی شہرت اور مبارک بادیاں تھیں۔ لیکن ان چیزوں کے لئے ابھی انتظار کرنا تھا۔ اس وقت تو کل چھ آدمیوں نے اس مہم میں کامیاب ہونے پر اپنی فتح کا جشن منایا۔

جون ۱۹۲۸ء میں رونلڈ ایمنڈسن یخ بستہ شمالی خطے میں پھر آیا۔ یہ اس کا آخری سفر تھا۔ ایک پائلٹ اور پانچ اور ساتھیوں کو لے کر وہ ناروے کے ایک ہوائی جہاز پر سوار ہوا اور پرواز شروع کی وہ منجمد قطب شمالی کو پار کرگیا اس کے بعد اس کا کہیں پتہ نہ لگا۔ اسی سال ستمبر کے مہینے میں جہاز کا ایک ٹکڑا ناروے کے شمالی ساحل سے کچھ فاصلے پر ملا۔ لوگوں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ ایمنڈسن کے جہاز کا ایک حصہ ہے۔ لیکن مالک کا کہیں پتہ نہ چلا۔

اس طرح ایک ایسی ہستی کا خاتمہ ہوگیا جو نئے ممالک کا سُراغ لگانے والوں کی تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ رونلڈ ایمنڈسن نے اپنی عمر کے تیس سال قطبی خطوں میں صرف کئے۔ اس کو تین قسم کا اعزاز حاصل ہے۔ اس نے جہاز کے ذریعے شمال مغرب کا راستہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک معلوم کیا۔ وہ سب سے پہلے قطب جنوبی پر پہنچا اور سب سے پہلے قطب شمالی کو بذریعہ ہوائی جہاز پار کرنے میں وہ ایک جماعت کا رہنما رہا۔

آج ایمنڈسن زندہ نہیں۔ لیکن اس کے کارنامے تاریخ عالم میں ابھی تک موجود ہیں۔ اس نے جو کچھ قربانی دُنیا کے لئے کی اُسے قیامت تک نہیں بھلایا جا سکتا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو خدمتِ خلق کے لئے اپنی جان لڑا دیتے ہیں

ٹنڈرا سے ایک خط

سید ابوالبشر گورکھپوری

شفیق بھائی - تسلیم

آج بہت دنوں کے بعد خط لکھنے کا موقع ملا ہے۔ بات یہ ہوئی کہ ابکی گرمیوں کی چھٹیوں میں بہت لمبے سفر پر چلا گیا تھا۔ یہ سفر بہت دل چسپ رہا۔ بہت ہی دل چسپ۔ کاش تم بھی ساتھ ہوتے کیسا مزا رہتا میں نے جناب دنیا کے سب سے بڑے براعظم ایشیا کا جنوب سے شمال تک چکر لگایا ہے۔ بالکل شمال میں بحر آرکٹک کے کنارے کے چند مقامات پر کئی کئی دن ٹھہرا ہوں۔ اس لمبے سفر میں بہت سی عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ میں ان پر ایک کتاب لکھنے والا ہوں بہت دل چسپ ہوگی۔ مختصر سا حال تمھیں بھی لکھتا ہوں۔ دیکھو کہیں پیام تعلیم میں نہ چھپوا دینا۔

یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ ایشیا کے اس شمالی حصے کو ٹنڈرا کہتے ہیں۔ اس ملک میں جاڑا بہت پڑتا ہے۔ یہاں سورج کی کرنیں بہت ترچھی پڑتی ہیں۔ اور زمین کو گرم نہیں کرنے پاتیں سردی کی شدت کا اندازہ تم اس سے کر سکتے ہو کہ ہم سردی کا زیادہ سے زیادہ سامان لے کر چلے تھے۔ مگر یہاں آنے پر وہ ناکافی ثابت ہوا۔ یہاں خشک زمین تو کہیں نظر ہی نہیں آتی۔ تین تین چار چار فٹ برف کی موٹی تہ زمین پر جمی رہتی ہے۔ سردی اتنی شدید کہ جسم کا کوئی حصہ کھل جائے تو جیسے بیکار ہو گیا۔ خدا کی مخلوق یہاں بھی رہتی ہے۔ مگر آبادی بہت کم ہے۔ یہاں کے رہنے والے ہماری تمھاری طرح کوٹ شروانی نہیں پہنتے۔ اپنے جسم پر جانوروں کی کھال لپیٹے رہتے

ہیں کہ کوئی عمارت بھی نظر نہ آئی۔ بھلا برف پر عمارت
بن بھی کیسے سکتی ہے۔ برف سے پٹ جاتے یا برف
کی بارش سے تباہ ہو جاتے۔ ہاں جناب یہاں بارش
بھی برف ہی کی ہوتی ہے۔ لوگ زیادہ سردیوں اور
بارش کے زمانے میں برف کا گنبد نما گھر بناتے ہیں۔
دیواریں چھت فرش سب برف کا۔ اس گنبد میں
دروازہ نہیں ہوتا۔ ایک اسکیمو ہمیں بھی اپنے گھر
لے گیا۔ بھئی وہ گھر کیا بالکل تماشا تھا۔ بس ایک سرنگ
سی تھی۔ اس میں ہم گھٹنوں کے بل داخل ہوئے۔ اس
کا ایک فائدہ یہ ہے کہ قطبی ریچھ اس میں داخل نہیں
ہو سکتا۔ قطبی ریچھ ان لوگوں کا
جانی دشمن ہوتا ہے۔
جاڑوں کے زمانے
میں
ٹنڈرا میں
قطب کی طرف سے
بہت ہی ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔
اس سے بچنے کے لئے بھی ٹنڈرا کے لوگ ان
مکانوں میں پناہ لیتے ہیں۔ اندر سردی سے بچنے
کے لئے برف کی دیواروں پر جانوروں کی کھال استر

کی طرح لگا تھا۔ اس کے علاوہ گھر کو گرم رکھنے کے لئے جانوروں
کی چربی جل رہی تھی۔ مکان روشن کرنے کے لئے چراغ
بھی اسی کا جلاتے ہیں۔ ٹنڈرا میں جاڑے کا موسم نو
مہینے رہتا ہے۔ یہاں جانوروں کے جسم پر بہت اعلیٰ قسم
کے بال ہوتے ہیں انھیں سمور کہتے ہیں۔ اسی سمور کا لباس
پہن کر وہ سردی کا اتنا لمبا زمانہ کاٹتے ہیں ایک اسکیمو
دوست نے ایک سمور ہمیں بھی دیا۔ بڑا اچھا ہے۔ گرمیوں
کا زمانہ ٹنڈرا میں بہت مختصر ہوتا ہے۔ سال میں کل تین
مہینے۔ گرمی بھی دہلی یا پنجاب کی طرح نہیں۔ بس ایسا
سمجھ لو جیسے تمھارے ہاں دسمبر اور جنوری میں سردی
پڑتی ہے۔ یہاں گرمیوں میں اس سے کچھ زیادہ ہی
پڑتی ہے۔ جاڑے کے زمانے میں زمین پر جو برف
جم جاتی ہے وہ ان تین مہینوں میں پگھلنا شروع ہوتی
ہے۔ اور ابھی اچھی طرح پگھل نہیں پاتی کہ سردیاں
شروع ہو جاتی ہیں۔ گرمیوں میں یہاں کے رہنے
والے خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے
ہیں۔ اور چمڑے کے خیموں میں
رہتے ہیں۔ ان خیموں
کو وہ جب اور
جہاں چاہتے ہیں
اور جہاں چاہتے ہیں اکھاڑ کر

لے جاتے ہیں۔

برف کے پگھلنے سے زمین پر کائی سی جم جاتی ہے۔ اس کائی کو پالتو جانور بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ ان کا پالتو جانور بس بارہ سنگھا ہے۔ یہ ان کے لئے

ایسا ہی کارآمد اور مفید ہے جیسے عرب میں اونٹ اس کے جسم کا ہر حصہ ان کے کام آتا ہے۔ گوشت کھاتے ہیں کھال سے خیمے بناتے ہیں۔ ہڈیوں سے اوزار اور ہتھیار بناتے ہیں۔ نسوں سے دھاگے کا کام لیتے ہیں اور مچھلی کے کانٹے کی سوئی بنا کر ان دھاگوں سے سیتے پروتے ہیں۔ یہ ایک خاص قسم کے کتے بھی پالتے ہیں۔ یہ کتے ان کی بے پہیے کی گاڑیاں کھینچتے ہیں۔

ان گاڑیوں کو سلیج کہتے ہیں۔ یہ برف پر پھسلتی ہوئی چلتی ہیں۔

زیادہ سردیوں میں دریاؤں میں برف کی موٹی سی تہ جم جاتی ہے۔ یہاں کے لوگ برف میں سوراخ کرلیتے ہیں اور جب سیل مچھلی سانس لینے کے لئے باہر آتی ہے تو اسے ایک قسم کے نیزے سے چھید لیتے ہیں۔

اکثر تو گوشت کچا ہی کھا لیتے ہیں۔

جس دن ہم ٹنڈرا میں پہنچے تھے اس دن سورج افق سے کچھ اوپر تھا۔ چار پانچ روز بعد پھر دیکھا تو سورج قریب قریب وہیں تھا۔ بہت تعجب ہوا مگر فوراً ہی خیال آیا کہ ٹنڈرا میں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے۔ خوش قسمتی سے ہم لوگ دن میں پہنچے ہمارے ہندوستان کی طرح ۱۲ گھنٹے میں سورج مشرق سے مغرب تک نہیں جاتا۔ یہ فاصلہ یہاں وہ چھ مہینے میں طے کرتا ہے۔ دن کے زمانے میں

یہاں لوگ کچھ گھنٹے کام کرتے ہیں پھر سو جاتے ہیں

اسی طرح رات کے وقت چند روشن ستاروں کی وجہ سے یہاں اتنی روشنی رہتی ہے جتنی ہمارے یہاں شام کے وقت۔

سردی اور برف کی وجہ سے یہاں کچھ پیداوار بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے ٹنڈرا کو سرد ریگستان کہتے ہیں۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ٹنڈرا کی زمین بہت زرخیز ہے۔ اور یہاں گیہوں کی کاشت بڑے پیمانے پر کی جا سکتی ہے۔ یہاں کوئی تالاب اور کنواں وغیرہ بھی نظر نہ آیا۔ اس کے علاقے کی آبادی بھی بہت کم ہے۔ میلوں بعد دو چار لوگوں کی شکلیں نظر آجاتی ہیں۔ کوئی پرند بھی نہیں دکھائی دیا۔ درخت یا ہریالی کا تو نام و نشان نہیں ہے۔

ہے نا عجیب وغریب جگہ بھئی اب لکھتے لکھتے جی اکتا گیا ڈاک کا وقت بھی قریب ہے۔ تم اس خط کا جواب ضرور دینا۔ انشاء اللہ اگلے خط میں میں اس ملک کے کچھ تاریخی حالات بتاؤں گا۔

رتن کرن نمبر

ایڈیٹر اوم پرکاش صراف

رتن کا ذکر پیامِ تعلیم میں کئی بار آچکا ہے۔ یہ رسالہ ہر سال کشمیر کے ولی عہد بہادر یوراج کرن سنگھ جی کی سال گرہ کی تقریب میں اپنا ایک خاص نمبر نکالتا ہے۔ اس مرتبہ بھی یہ خاص نمبر کرن نمبر کے نام سے بہت اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ شروع میں وزیر اعظم کشمیر ڈائرکٹر ایجوکیشن ہوم منسٹر وغیرہ کے پیام ہیں۔ پھر مضمونوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ مضمون لکھنے والوں میں خواجہ غلام السیدین مولانا محمد شفیع الدین نیر مرزا جعفر علی خاں اثر (ہوم منسٹر کشمیر) محمد الدین فوق۔ اندرجیت شرما، اظہر علی فاروقی جیسے بزرگوں کے نام نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی اچھے اچھے لکھنے والوں کے مضمون جمع کئے گئے ہیں۔ رسالے کی ضخامت ۹۶ صفحے ہے۔ ہندی کے ۴۰ صفحے اس کے علاوہ ہیں۔ کاغذ لکھائی، چھپائی بلاک اور لیتھو کی تصویریں سب عمدہ۔ ہمیں تو ایڈیٹر صاحب کی ہمت پر حیرت ہوتی ہے کہ اس مہنگائی کے زمانے میں انھوں نے ایسا شاندار پرچہ نکال دیا۔ قیمت سالانہ ۱۲؍ اور اس خاص نمبر کی قیمت بھی اسی میں شامل ہے۔ جموں سے نکلتا ہے۔

تمباکو کے استعمال کا ایک تیسرا طریقہ بھی ہمارے ملک میں جاری ہے۔ اگر کبھی بنارس سے آگے کلکتہ کی طرف جانے کا اتفاق ہو یا اسی نئی دلی میں گھومنے پھرنے کا موقع ملے تو ذرا بنگالی بھائیوں کو دیکھو۔ بلا مبالغہ سو میں سے پچانوے کے پاس ایک بہت خوب صورت ڈبیہ یا شیشی ہوگی جو ہر دس، پندرہ منٹ کے بعد کھلتی ہے اور اس میں سے کسی چیز کو بنگالی بھائی اپنی انگلیوں کے دو پوروں پر لگاتا ہے اور پھر ان پوروں کو نتھنوں کے اندر لگا کر اوپر کی طرف سانس لیتا ہے۔ اور اس سے خوب لطف اٹھاتا ہے چاہے وہ ریل میں سفر کر رہے ہوں یا دفتر میں کام کر رہے ہوں یا کسی سے ضروری معاملے پر گفتگو کر رہے ہوں۔ ہمارا یہ بھائی اپنی ناس کی یہ ڈبیا نکال کر ناک کو ضرور معطر کرے گا۔ اور اس خوشبو سے وہ بڑی دیر تک لطف اٹھاتا رہتا ہے۔

تمباکو کو خواہ کسی طریقے استعمال کی جائے بہت مضر چیز ہے شاید اس سے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ اگر یہ اتنی مضر چیز ہے تو دنیا بھر کے اتنے زیادہ آدمی اور خصوصاً بہت سے بڑے بڑے آدمی اس کو کیوں استعمال کرتے ہیں۔ غالباً یہ بات سب جانتے ہیں کہ چائے، تمباکو، پان وغیرہ۔ اگرچہ ہماری روزمرہ کی زندگی کے ضروری جزو بن گئے ہیں لیکن یہ اتنے ضروری نہیں ہیں جتنا کہ اصل غذا کی چیزیں مثلاً گیہوں، چاول، گھی، شکر یا دودھ وغیرہ ہیں۔ غذا کی چیزوں کے بغیر ہماری زندگی ناممکن ہے۔ لیکن چائے، سگرٹ اور پان کھانے کی عادتیں ایسی بری بلا ہیں جو انسان خواہ مخواہ اپنے ساتھ لگا لیتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز بے کار پیدا نہیں کی گئی۔ کسی نہ کسی موقع پر اس کا استعمال فائدہ مند ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے کو ان میں سے کسی چیز کا اتنا عادی بنا لے کہ بغیر اس کے اس کا اٹھنا بیٹھنا بے کار ہو جائے اس وقت ایسی

چیز کو سوائے نقصان رساں کے اور کیا کہا جا سکتا
ہے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ میں آجائے گی کہ
اگر خدا نہ کرے کسی کی ٹانگ میں موچ آجائے تب
اس کو چلنے پھرنے کے لئے چھڑی کی ضرورت
پڑے گی اور اس وقت اس کے لئے چھڑی اتنی
ہی ضروری چیز ہے جتنا کہ پاؤں میں جوتا۔ لیکن اگر
کوئی بھلا چنگا آدمی چھڑی لے کر چلنے لگے اور پھر
وہ اس چھڑی کا اس قدر عادی ہو جائے کہ اگر کسی
وقت مجبوری کی وجہ سے چھڑی نہ مل سکے تب اس
کو ایک قدم بھی چلنا دوبھر ہو جائے۔ ایسے موقعوں
پر چھڑی نہایت ہی نقصان دہ چیز ہو جاتی ہے۔
یہی حال تمباکو، پان اور چائے پینے والوں کا ہوتا
ہے۔ وہ لوگ شروع شروع میں ان چیزوں کو
کسی ضرورت سے یا تفریحاً استعمال کرتے ہیں اور پھر بعد
میں اُس کے اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ اگر کبھی
وقت نہ ملے تو عجیب حال ہوتا ہے۔ کسی کا سر چکراتا
ہے کوئی کمزوری سے نڈھال ہوا جاتا ہے۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ غریب پر سینکڑوں فاقوں کی مار پڑی
ہے۔ کوئی صاحب طیش میں آکر سارے گھر کو سر پر
اُٹھائے ہوئے ہیں کہ وقت پر چائے کا پانی نہیں چڑھا
ہے بڑی بیگم ہیں کہ انھوں نے گھر کی نوکرانی کے سر پر
ہانڈی پھوڑ دی ہے۔ بازار سے پان لانے کو کہا تھا
غریب بجائے دیسی کے "لنکا" پان لے آئی ہے بس
قیامت آگئی ہے۔ ایک صاحب مستقل طور پر
بیمار ہو گئے ہیں کیونکہ اُن کے پینے کے سگار ختم
ہو گئے ہیں۔ یہ سگار باہر سے آتے تھے۔ لڑائی کی
وجہ سے اُن کا آنا بند ہو گیا۔ مجبوراً بیماری کا ساتھ
دینا پڑا ہے۔ کوئی بوڑھا کسی کونے میں پڑا ہوا
صدا دے رہا ہے "بیٹا جما تھوڑی آگ لادے"
غریب سے خود ہلا نہیں جاتا اس لئے ایک چلم آگ
کے لئے بیٹے کی خوشامد کر رہا ہے۔ غرض جو ہے سو
ایک نئی آفت میں مبتلا ہے اور یہ سب کراماتیں
کس کے دم سے ہیں وہ ایک چٹکی تمباکو کی وجہ
سے۔

اب تم خود ہی خیال کرو کہ ان آفتوں کو دعوت
دینے کے لئے کون تمباکو کے استعمال کی وبا اپنے
سر لگائے گا۔ لیکن اگر اس پر بھی کوئی نہیں مانتا تو اس
کا مزا چکھ کر دیکھ لے پہلے تو طبیعت ایسی بگڑے گی
کہ مہینوں کھانا چھوٹ جائے گا اور اگر یہ منہ کو
لو لگ گئی تو بغیر اس کے کھانے میں بھی مزا نہ آئے گا
اور اگر کبھی نہ ملی تو ساری رات یہی کہتے گذرے گی۔
"تمباکو نہیں ہے کیسے کٹے گی رات"

ختم

دہلی سے بمبئی

رحیم الدین

"سفر کرنا چھوٹوں کی تعلیم اور بڑوں کے تجربے کا ایک ذریعہ ہے" یہ بات میں نے کتابوں میں پڑھی اور استادوں سے سُنی تھی لیکن اتنی سمجھ نہ تھی کہ اس کی حقیقت کو سمجھتا۔

تعلیمی مرکز میں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس عرصے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور استادوں کی نگرانی میں آگرہ دیکھا اور دلّی کو چھان ڈالا۔ تاریخی مقامات دیکھے، تفریح گاہوں کی سیر کی، تعلیمی درسگاہیں دیکھیں۔ غرض کیا کیا نہ دیکھا۔

میں نے جو کچھ دیکھا سیر و تفریح کی غرض سے دیکھا، کچھ سیکھا یا نہ سیکھا اس کا مجھے اندازہ نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ اب یہ جی چاہتا ہے کہ دور دور کے سفر کروں، ہندوستان سے باہر جاؤں دوسرے ملکوں کو دیکھوں اور وہاں سے واپس آکر ایک مرتبہ پھر اپنے ملک کی سیر کروں اور دیکھوں کہ آزاد انسانوں اور غلاموں میں کیا فرق ہے۔

خدا کرے کہ میرے خیالات پورے ہوں اور ایسا نہ ہو کہ جو کچھ میں نے سوچا ہے وہ شیخ چلی کی کہانی بن کر رہ جائے۔ شگون تو اچھے ہی نظر آتے ہیں۔

آپ میری اس وقت کی خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب میں نے اپنے اچھے اور پرانے اُستاد عروج صاحب سے اپنی جماعت ثانوی اوّل (ساتویں) میں ایک دن یہ کہتے سنا کہ اس سال ہم دلّی سے بمبئی سیر کو جائیں گے اور رستے میں بعض اور اچھے اچھے شہر دیکھیں گے۔ شاید ہماری ہمت کا امتحان لینے کے لئے انھوں نے یہ بھی کہا کہ بڑی دور کا سفر ہے، خرچ بہت ہوگا آرام کم ملے گا، کھانے پینے کی تکلیف ہوگی، پیدل چلتے چلتے پاؤں تھک جائیں گے، راتوں کو جاگنا ہوگا۔ اور یاد نہیں کیا کیا کہا۔ آخر ہم بھی تو ہیں ان ہی کے شاگرد ان باتوں میں کہاں آنے والے تھے۔

قریب قریب سب لڑکے تیار ہوگئے اور زور زور سے کہنے لگے۔ ہم بھی چلیں گے اور ضرور چلیں گے۔ مگر ہاں

دو چار لڑکے خاموش رہے: "خرچ بہت ہوگا" شاید اس بات نے ان کو زبان نہ کھولنے دی۔ ماسٹر صاحب بھی تاڑ گئے۔ کہنے لگے مدرسہ بھی تو کچھ نہ کچھ ہماری مالی امداد ضرور کرے گا۔ ہم ان لوگوں کو بھی لے جائیں گے جو محض اس وجہ سے نہیں جا سکتے۔ گو نتیجہ میں مدرسہ کی طرف سے ہمیں کوئی مالی امداد نہ مل سکی۔

یہ ذکر اپریل ۱۹۴۱ء کا ہے۔ بات آئی گئی ہوئی کئی مہینے گذرنے کے بعد نومبر میں پھر سفر کے چرچے ہونے لگے۔ ریلوے سے کنسیشن (رعایت) حاصل کرنے کی عرفج صاحب نے پوری کوشش کی لیکن ہم جامعہ کے تھے۔ ہمیں کنسیشن کیسے ملتا۔ ہمارا بس یہی قصور تھا کہ ہمارے دل میں آزادی کا جذبہ ہے اور ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ مگر ہمارا ارادہ اٹل تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ B.B.&C.I. Circular میں Coupon Tickets بھی ملتے ہیں۔ یہ عام ٹکٹوں سے سستے ہوتے ہیں۔ بس طے ہوگیا کہ ہم یہی ٹکٹ لیں گے۔ آدھا ٹکٹ ۱۳ کا اور پورا ۲۶ کا ہوگا۔ اس ٹکٹ میں دلی سے بمبئی تک کا آنا جانا بھی ہو جائے گا اور راستے میں بعض اور شہر بھی دیکھ سکیں گے۔

جرمنی اور برطانیہ کے درمیان لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ ۱۲ دسمبر کو برطانیہ اور جاپان کے درمیان جنگ چھڑ جانے کی خبر ملی۔ اس خبر سے خاص طور پر ہندوستان خطرے میں ہے" کا عام خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگیا۔ بعض سرپرست اجازت دیتے ہوئے ہچکچانے لگے۔ اور جب یہ خبر آئی کہ کلکتہ خالی ہونے لگا ہے۔ ریلوں کے سفر میں دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں تو کچھ نہ پوچھئے لوگوں کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

ہمیں بس یہ ڈر تھا کہ کہیں اس جھگڑے میں ہمارا سفر نہ رہ جائے۔ عرفج صاحب نے ہماری ہمت پست نہ ہونے دی۔ بعض سرپرستوں سے خود جا کر ملے بھی اور ان سے کہا کہ اگر کلکتہ پر گولہ باری ہوئی بھی اور اس کے بعد دلی کا بھی نمبر آیا تو اس وقت تک ہم خطرے سے دور اور بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ پھر بھی بچارے سلطان احمد اللہ والے اور محمد سلطان کو اجازت نہ ملی۔ سلطان احمد تو خیر بمبئی دیکھ ہی چکے تھے لیکن محمد سلطان کی دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

روانگی کی تاریخ طے ہونے لگی۔ ششماہی امتحان کے بعد ۲۱ دسمبر سے ۹ جنوری ۱۹۴۲ء تک ہماری جامعہ میں سردیوں کی چھٹیاں تھیں۔ جی تو یہی چاہتا تھا کہ پوری چھٹیاں سفر ہی میں گذاری جائیں لیکن ۲۹ دسمبر کو بقرعید تھی۔ بھلا عید کیسے چھوڑ دیتے۔ غرض یہ طے پایا کہ ۳۱ دسمبر کو سندھ اور دلی میل سے رات کے دس بجکر دس منٹ پر دلی سے روانہ ہو جائیں گے۔

مدرسہ بند ہو چکا تھا مگر ہم روزانہ مدرسے آتے سفر کا پروگرام مرتب کرتے، نقشے بناتے، ریلوے ٹائم ٹیبل دیکھتے، کتابوں میں ان شہروں کا حال پڑھتے

جہاں جہاں ہمیں جانا تھا اپنے ان میزبانوں کو یاد دہانی کے خطوط لکھتے جن کے ہاں ہمیں ٹھیرنا تھا، اخباروں میں جنگ کی خبریں پڑھتے خاص طور پر اس خبر یا اعلان کو جو ریلوں کے متعلق ہوتا۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد آپس میں کام کی تقسیم بھی ہوگئی۔

عطاء الرحمٰن ہماری مہتمم کتب خانہ بچوں کی انجمن نے بھی اپنی کتابیں اور رسالے جمع کرلئے، چھوٹے موٹے کھیلوں کا انتظام رفیق نے اپنے ذمہ لے لیا۔ بدرالصالحین ہمارے ننھے ڈاکٹر بن گئے اور بچوں کے شفاخانہ سے بھی امداد کا کچھ سامان اپنے ساتھ لے لیا۔ یہ کام ان کو لینا بھی چاہئے تھا کیوں کہ خود بیمار رہتے ہیں۔ چھوٹا سا قد ہے ہلکے پھلکے آدمی ہیں۔ مگر ہمت رکھتے ہیں۔ منظور اور منصور قلیوں کے جمعدار بن گئے لال اور نیلی وردی والوں کے نہیں بلکہ ہماری تمھاری طرح بنیئی وردی والوں کے۔ عبدالوحید کے ذمہ کھانے اور ناشتہ کا اور میرے ذمہ تانگا اور ٹریم وغیرہ کا انتظام رہا۔ اب رہے عبدالمالک، عبدالقیوم، عطاء الرحمٰن ہاشمی اور محمد سلیم ان کے ذمہ بھی چھوٹا موٹا کام ہو ہی گیا۔ ۲۹ر اور ۳۰ر دسمبر کو ہم نے عید منائی۔

روانگی آج ۳۱ر دسمبر ہے۔ رات کو روانگی ہے۔ آدھا دن تیاری میں گذارا۔ شام تک سامان لے کر ماسٹر صاحب کے گھر پہنچے۔ سب کا سامان ایک جگہ کرکے اس ترتیب سے باندھا کہ عدد کم سے کم رہ جائیں۔ اگر ایسا نہ کرتے تو قلیوں کو پیسے دیتے دیوالہ نکل جاتا۔ آپ سن کر تعجب کریں گے کہ پورے سفر میں ہم نے قلیوں کو ایک پیسہ نہیں دیا۔

شام کو عرفج صاحب ٹکٹ خریدنے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ بکنگ آفس میں جاکر معلوم ہوا کہ جتنے ٹکٹ کی ہمیں ضرورت ہے اتنے ٹکٹ ان کے پاس نہیں ہیں۔ بکنگ کلرک کی ستم ظریفی دیکھئے، کہنے لگے۔ اب تو ٹکٹ کل ملیں گے۔ ہمارا پروگرام بن چکا ہے، تمام سامان تیار ہے، لڑکے اپنے گھروں سے آچکے ہیں۔ ہم نے ان سے یہ سب کچھ کہا مگر مرغے کی ایک ٹانگ وہ یہی کہتے رہے۔ کہ اب تو ٹکٹ کا اسٹاک بند ہوچکا ہے۔ کل آئے گا، آپ اتنی دیر میں آئے ہی کیوں۔ بڑی کوششوں سے ٹکٹ ملے۔ کوپن ٹکٹ دس آدھے اور دو پورے خریدے گئے۔ دو ٹکٹ جے پور تک کے لئے۔ ظفرالہدیٰ اور جمیل اختر کو جے پور ہی سے واپس آنا تھا۔

گاڑی چھوٹنے میں مشکل سے دو گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ بھاگم بھاگ گھر آئے۔ دو تانگوں میں تمام سامان رکھا گیا اور لڑکے بھی لد گئے۔ تانگے والوں کو منہ مانگے دام دیئے۔ اسٹیشن پہنچے۔ گاڑی چلنے کو تیار کھڑی تھی۔ جوں توں کرکے پہلے ہی ڈبہ میں گھس گئے۔ ٹھیک دس بج کر دس منٹ پر گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ کھانا ریل ہی میں کھایا۔ ۱۹۴۱ء میں چلے تھے دوسرے

سال یکم جنوری کو سوا پانچ بجے کے قریب ہماری گاڑی جے پور کے اسٹیشن پر تھی۔ یہی ہماری پہلی منزل تھی۔

جے پور

سامان اتارا۔ اسٹیشن سے باہر آئے۔ تانگوں میں بیٹھ جگر باؤس پہنچے۔ یہ نواب عبدالباقی صاحب کی کوٹھی کا نام ہے جو ہمارے تعلیمی مرکز کے سابق طالب علم ہیں۔ معلوم ہوا کہ نواب صاحب علی گڈھ میں پڑھتے ہیں، جائداد کورٹ ہو چکی ہے۔ ان کے منشی سے ملاقات ہوئی۔ خدا کے بندے نے یہ تک نہ پوچھا کہ تم کس کھیت کے بتھوے ہو، تمہارے منہ میں کے دانت ہیں۔ کہنے سننے سے سامان رکھنے کے لئے ایک کمرہ مل گیا۔ ہمارے آنے کی کوئی اطلاع ہی نہیں پہنچی تھی۔ بسم اللہ غلط ہماری تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

قریب ہی ایک مسجد اور کمرے کی پشت پر ایک ہوٹل تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر شہر دیکھنے نکلے پاس ہی ایک باغ تھا۔ رام ناتھ باغ۔ بڑا صاف ستھرا اور خوب صورت باغ ہے پہلے اسی کی سیر کی۔ اب ہم البرٹ ہال اور عجائب گھر میں تھے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھ ڈالا عمارت بڑی بھی ہے اور خوب صورت بھی۔ کہتے ہیں کہ اس میں پانچ لاکھ سے زیادہ روپیہ لگا ہے۔ عمارت دیکھنے کے بعد یہ رقم کم ہی معلوم ہوتی ہے۔ مقامی صنعت کے اچھے اچھے نمونوں کے علاوہ ہندوستان کے مختلف مقامات کی صنعت کے چنے ہوئے نمونے بھی وہاں موجود ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اور ملکوں کی کاریگری کے کمالات بھی دیکھنے میں آئے۔ اب ہم زو (چڑیا گھر یا جانور خانہ) کی طرف ہیں۔ یہاں پر ہم نے پہلی مرتبہ نگر مچھ، آسٹریلیا کے کانگرو، افریقہ کے شیر، پہاڑی ریچھ، شتر مرغ اور دوسرے جانور بھی دیکھے۔

شہر پناہ کے دروازے سے نکل کر اب ہم شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ سو سو فٹ چوڑی سڑکیں، سڑکوں کے دونوں طرف عمارتیں ایک رنگ کی لیکن ایک ہی نہیں اور چھوٹی چھوٹی دکانیں دیکھتے ہوئے جنتر یلا پہنچے۔ اسے بغور دیکھا۔ اور کیوں نہ دیکھتے یہاں ہمیں اپنے نصاب کے متعلق کچھ سیکھنا بھی تھا۔ جے سنگھ دوم نے بنارس، دہلی، متھرا اور اجین میں بھی جنتر منتر بنوائے ہیں لیکن یہ سب سے بڑا ہے اور اس سے کام بھی لیا جاتا ہے۔

یہاں سے ہم محل دیکھنے گئے۔ سال کے پہلے دن کی چھٹی تھی دفتر بند تھا دیکھنے کی اجازت نہ مل سکی۔ واپسی میں ہوائی محل دیکھا۔ عمارت آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ ہندو طرز تعمیر کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ دوپہر کا کھانا ایک ہوٹل میں کھایا۔ کیسا کھایا اور کیسے کھایا اس کو نہ پوچھئے۔ بس پیٹ بھرنا تھا بھر لیا۔ جے پور میں دیکھنے کی اور چیزیں بھی ہیں۔ خاص طور پر امیسر کا قلعہ۔ ہم ان کو دیکھے بغیر اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے اور کیوں نہ لوٹتے جے پور سے ہمارا دل پہلے ہی اچاٹ ہو چکا تھا۔ صبح ساڑھے پانچ بجے کی گاڑی سے اجمیر جانا تھا۔ رات اسٹیشن ہی پر کاٹی۔

(باقی دلچسپ حالات اگلے پرچے میں)

کھانے کی کہانی

سید محمد یحییٰ عظیم آبادی

(۳)

ہاں بھائی ہماری کہانی ذرا بڑی ہو گئی۔ سب ہی تو بہت مزے کی ہیں لکھی بھی تھوڑی تھوڑی ہیں کہ تم ٹھہر ٹھہر کر اور مزے لے لے کر پڑھو۔ اچھا بتاؤ دودھ بھی پیتے ہو؟ پینے مزے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر لوگ تو کہتے ہیں ہر ایک آدمی کو تھوڑا بہت دودھ ضرور پینا چاہیئے۔ خاص کر بچوں کو تو ضرور ضرور پینا چاہیئے اس سے جسم کی ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں اور عام تندرستی اچھی رہتی ہے۔

دودھ کی گاڑی

(یورپ کے ملکوں میں دودھ کتا گاڑیوں پر لے جاتے ہیں)

ہمارے ملک میں گائے کے دُودھ کا بہت رواج ہے بھینس کا دُودھ بھی بہت پیا جاتا ہے۔ بکری کے دُودھ کا ذرا کم رواج ہے۔ اَور ملکوں میں اس کا استعمال بہت زیادہ ہے اور یہ ہے بھی بہت مفید چیز۔ عرب میں اُونٹ کا دُودھ بہت پیا جاتا ہے۔ اَور بھئی دہی بھی تو اسی سے بنتا ہے۔ دہی سے پھر مکھن بناتے ہیں۔ مکھن نکالنے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ مٹھا یا چھاچھ کہلاتا ہے۔ یہ بھی بہت مفید ہے۔ مکھن کو گرم کرنے سے بعد گھی نکل آتا ہے۔ یہ تو دیسی طریقہ ہے۔ آج کل جو مکھن بازاروں میں بکتا ہے وہ کچے دُودھ کا ہوتا ہے۔ مشین کے ذریعے نکالتے ہیں۔ ہاں بھئی بڑی بھی تو اسی دُودھ کی بنتی ہے۔ اَور پنیر اور ہاں ماوا جس سے پیڑے اور دُوسری مٹھائیاں بناتے ہیں۔ دُودھ ہی کا ہوتا ہے۔ غرض دُودھ سے ہم طرح طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

دُودھ کے بعد پھل بھی بہت اچھی چیز ہے۔ شروع شروع میں تو انسان جنگلی پھلوں پر گذر کرتا تھا۔ بعد میں جُوں جُوں علم اور عقل میں ترقی ہوئی نئے نئے پھل دریافت ہوئے باغوں میں درخت لگائے گئے اور باقاعدہ ان کی حفاظت شروع ہوئی۔ دُنیا کے ہر ملک میں کوئی نہ کوئی پھل پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں مختلف جگہوں میں مختلف پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کا خاص پھل تو آم ہے۔ جسے ساری دنیا پسند کرتی ہے۔ آم دو طرح کا ہوتا ہے تخمی اَور قلمی ان دونوں کی ہزاروں قسمیں ہیں۔ اس کے علاوہ امرُود، سیب، سنترہ، انگور، بیر، لیچی، شریفہ، کیلا رس بھری غرض قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ کشمیر اور دُوسرے پہاڑی علاقے پھلوں کے لئے مشہور ہیں۔ سنترہ تو افریقہ اور فلسطین میں بھی بہت ہوتا ہے۔ اَور یہاں سے ساری دُنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح کیلا۔ ایسٹ انڈیز اور جزیرہ کناری میں بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان جگہوں سے دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔ عرب میں کھجور بہت پیدا ہوتا ہے۔ امریکہ، آسٹریلیا، افغانستان اور

کھجور کا درخت

بحر رُوم کے ملکوں میں بھی بہت پھل پیدا ہوتے ہیں مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے۔ ہندوستان میں جتنی قسموں کے پھل پیدا ہوتے ہیں شاید دنیا کے کسی ایک ملک میں اتنی قسموں کے پھل پیدا نہیں ہوتے۔ یہاں کی مٹی میں کچھ عجیب تاثیر ہے۔

کھانے کی چیزوں میں ترکاری بھی بہت اہم چیز ہے۔ خصوصًا ہندوستان میں یہاں بعض ہندو قومیں

گوشت کھانا حرام سمجھتی ہیں۔ ان کی گذریں دال ترکاری اور ساگ پات پر رہتی ہے۔ ترکاریاں ہزاروں قسم کی ہیں کہاں تک نام گنائے جائیں یہ عموماً شہر کے آس پاس اگائی جاتی ہیں۔ تاکہ تازہ تازہ لوگوں کو مل سکیں۔ ریل کی وجہ سے دور دور کی ترکاریاں اور پھل تھوڑی سی مدت میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچ جاتے ہیں۔ شملے کی مٹر دلی میں بکنے آتی ہے۔ اسی طرح اور دوسری ترکاریاں قریب قریب ہر شہر میں سبزی کی منڈی ہوتی ہے۔ یہیں سے کنجڑے اور سبزی فروش بیچنے کے لئے محلوں اور بازاروں میں لے جاتے ہیں۔ کشمیر میں اور یورپ کے قریب قریب تمام ملکوں میں ترکاریاں سکھاکر رکھتے ہیں اور بہت دنوں تک کام میں لاتے ہیں یورپ میں بعض ترکاریاں بالکل تازہ، بعض ابال کر بعض پکاکر ڈبوں میں بند کردی جاتی ہیں اور مختلف شہروں میں بھیجی جاتی ہیں۔ ڈبوں میں یہ بہت دنوں تک اچھی حالت میں رہتی ہیں۔

دھوئیں کی پھانسی

یہ سید ابوطاہر صاحب بی ایس سی کے اُن مضامین مجموعہ ہے جو پیام تعلیم اور دوسرے پرچوں میں چھپے ہیں جو بچے پیام تعلیم پڑھتے ہیں انھیں اچھی طرح اندازہ ہوگا کہ ابوطاہر صاحب کیسے اچھے اور دلچسپ مضمون لکھتے ہیں کتاب کی صحیح قدروقیمت کا اندازہ کتاب دیکھ کر ہوسکتا ہے۔ لکھائی، چھپائی بہت اچھی ٹائٹل خوشنما۔ قیمت آٹھ آنے ۸ر

بچوں کا تحفہ

بچوں کے شاعر مولوی شفیع الدین صاحب نیر کی نظموں کا مجموعہ۔ یہ کتاب ہندوستان کے ماہرین تعلیم کی رائے میں تعلیمی وتفریحی اعتبار سے بچوں کے لئے بہترین چیز ہے۔ مختلف صوبوں کے تعلیمی محکموں میں منظور شدہ ہے۔ اب تک کوئی ۳۶ ہزار سے زیادہ فروخت ہوچکی ہے۔
قیمت حصہ اول ۵ر حصہ دوم ۵ر

مکتبہ جامعہ دہلی قرول باغ

(۲)

ہماری جامعہ کے سرپرست اعلیٰ حضرت جلالتہ الملک میر عثمان علی خاں بہادر ہیں۔ امیر جامعہ یا چانسلر نواب سر احمد سعید خاں رئیس چھتاری نائب امیر جامعہ یا وائس چانسلر نواب مہدی یار جنگ بہادر، نائب معین امیر جامعہ یا پرو وائس چانسلر قاضی محمد حسین صاحب ہیں۔

یہ تو ہم تمھیں پہلے بتا چکے ہیں کہ ہماری جامعہ میں ساری پڑھائی اردو زبان میں ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے طالب علموں کو ہر مضمون کے سمجھنے میں بہت سہولت ہوتی ہے۔ بہت سے ایسے ہندوستانی طالب علم جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے ہماری جامعہ کے امتحانوں میں بہت امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ پڑھائی کا معیار بھی کسی یونیورسٹی سے کم نہیں ہے۔ بعض چیزوں کا نصاب تو دوسری یونیورسٹیوں سے زیادہ ہے۔ ہماری جامعہ میں عربی، سنسکرت، جرمن، فرانسیسی وغیرہ پڑھانے کا بھی انتظام ہے۔

بہت سے باہر کے ممتحن ہماری جامعہ کے طالب علموں کی امتحان کی کاپیاں جانچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہاں کے طالب علم بہت سوچ سمجھ کر صحیح جواب دیتے ہیں۔ ہماری جامعہ کے طالب علم ہندوستان یا یورپ کی یونیورسٹیوں میں غرض جہاں کہیں بھی جاتے ہیں شاندار کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

ہماری جامعہ میں اس وقت دینیات، فنون تاریخ فلسفہ معاشیات وغیرہ، سائنس، قانون، انجینئرنگ اور ڈاکٹری کی تعلیم ہوتی ہے،
اورنگ آباد ورنگل اور گلبرگہ کے چار انٹرمیڈیٹ کالجوں کا تعلق اسی یونیورسٹی سے ہے۔ ایک مڈیکل کالج ایک لڑکیوں کا کالج ایم، اے تک ایک انجینئرنگ

کالج ایک ٹریننگ کالج، ان کے علاوہ ہیں یہ سب یونیورسٹی کے ماتحت ہیں۔ جامعہ عثمانیہ سے پہلے یہاں نظام کالج کے نام سے ایک کالج تھا۔ یہ مدراس یونیورسٹی کے ماتحت تھا۔ اب بھی موجود ہے اور اب تک مدراس یونیورسٹی سے اس نے اپنا تعلق نہیں توڑا ہے۔

ہماری جامعہ میں دو ہزار تین سو سے زیادہ طالب علم ہیں۔ ان میں سے اکثر جامعہ کے مختلف بورڈنگوں یا اقامت خانوں میں رہتے ہیں۔ جب سب اقامت خانے بن جائیں گے تو ہر طالب علم کے لئے ان میں رہنا لازمی ہو جائے گا۔ ان اقامت خانوں میں کھانے پینے، رہنے سہنے کا بہت اچھا انتظام ہے۔ کھانے کی فیس ۱۹ روپیہ سکۂ عثمانیہ لی جاتی ہے۔ نل، بجلی، میز کرسی وغیرہ مفت ہے۔

طالب علموں کی ایک انجمن ہے۔ اس کا نام انجمن اتحاد ہے۔ اس کا صدر طالب علموں ہی میں سے چنا جاتا ہے۔ صدر اور انجمن کے دوسرے کام کرنے والوں کے انتخاب کے وقت بہت چہل پہل رہتی ہے۔ انجمن اتحاد کا ایک کتب خانہ بھی ہے۔ گھریلو کھیلوں کا انتظام بھی انجمن کرتی ہے۔ اردو انگریزی میں اس کا ایک رسالہ بھی نکلتا ہے۔ اس کا نام مجلۂ عثمانیہ ہے۔ اس رسالے کی تمام ہندوستان میں شہرت ہے۔

انجمن اتحاد کے علاوہ مختلف شعبوں کی الگ الگ انجمنیں بھی ہیں۔ مثلاً بزم معاشیات، بزم کیمیا وغیرہ۔

مختلف کھیلوں اور ورزشوں کا بھی بہت اچھا انتظام ہے۔ ان کھیلوں اور ورزشوں میں (بی اے تک) ستر فی صدی حاضری لازمی ہے۔

میں نے جامعہ عثمانیہ کا بہت مختصر سا حال لکھا ہے اس خیال سے کہ کہیں تم پڑھتے پڑھتے اکتا نہ جاؤ۔ یہ یونیورسٹی جب سے قائم ہوئی ہے۔ ہمارے حیدرآباد میں علم کا چرچا بہت بڑھ گیا ہے۔ اردو زبان کو تو بہت ہی ترقی ہوئی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے پڑھے ہوئے بھائیوں نے اردو میں ہر علم و فن پر بہت اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ کئی سال ہوئے انھوں نے ایک انجمن بنائی ہے "ادارۂ ادبیات اردو" یہ انجمن بہت اچھا کام کر رہی ہے۔ اور چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں چھاپ چکی ہے۔ سب رس کے نام سے اس کا ایک رسالہ بھی نکلتا ہے۔

مولوی شفیع الدین صاحب نیّر کی اصلاح کے بعد
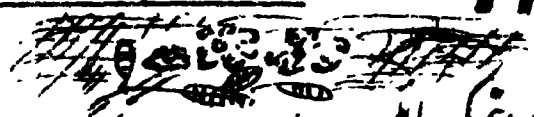
باغ کو جائیں

مبارک زماں خاں قائم گنج

آؤ آؤ باغ کو جائیں | باغ میں جاکر سیر منائیں

پیڑوں میں ہم جھولا ڈالیں | بھیا ہم کو جھولا جھلائیں

آموں کو ہم توڑ کے کھائیں | کچھ بھائی بہنوں کو کھلائیں

پھول بھی توڑیں آم بھی کھائیں | باغ میں جاکر سیر منائیں

پانی برسے رم جھم رم جھم | ساون کے ہم گیت سنائیں

باغ سے واپس گھر کو آئیں

آؤ آؤ باغ کو جائیں

تاج محل کو دیکھ کر

فہیم جہاں بیگم قزل باش آرہ

اچھا اچھا تاج ہمارا

پیارا پیارا تاج ہمارا

تجھ میں مکیں ہیں شاہ جہاں | کیوں نہ ہو تو ممتاز جہاں

پہلو میں تو اُن کو لئے ہے | جو تھے کبھی سردار جہاں کے

نور کی کرنیں پڑتی ہیں تجھ پر | قمریاں نغمے گاتی ہیں تجھ پر

ہر اتوار کو چھٹی پاکر | تیرے دل کش باغ میں آکر

ہم دل اپنا بہلاتے ہیں | خوش ہو کر گانا گاتے ہیں

تجھ پہ نچھاور سارا جہاں ہے | وصف ترا ہر اک پہ عیاں ہے

اچھا اچھا تاج ہمارا

پیارا پیارا تاج ہمارا
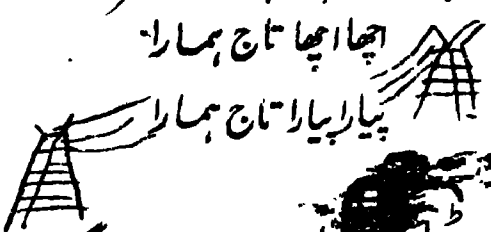
ریڈیو

ادریس احمد علی گڑھ
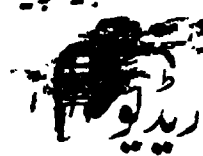
نیا خریدا ہم نے ریڈیو | اچھا اچھا پیارا ریڈیو

اچھے اچھے گانے گائے | میٹھے گیت سنائے ریڈیو

اچھے اچھے ڈرامے آئیں | اچھے اچھے کھیل دکھائے ریڈیو

باتیں ہم کو اچھی سکھائے | اچھے سبق سکھائے ریڈیو

ہے یہ دعا اور سب کی رب

پیامیوں کو بھائے ریڈیو

ہمارا باغ

از شیخ عبدالرحیم اسعد سدیدی ایولوی ایولہ

آؤ! دیکھو! باغ ہمارا | کتنا اچھا پیارا پیارا
رنگ برنگے پھول کھلے ہیں | کتنے دل کش اور بھلے ہیں
رنگ ہر اک کا سب سے جدا ہے | تتلی ان پر دل سے فدا ہے
جعفری، گیندا اور کنول ہیں | میٹھے میٹھے اس میں پھل ہیں
کلیاں گل کی چٹک رہی ہیں | کیاریاں ساری مہک رہی ہیں
چنپا اس میں مہک رہی ہے | ہر اک چڑیا چہک رہی ہے
پرندے اس میں بے غم آتے | آزادی کا گیت ہیں گاتے
اس میں کہیں ہیں جھاڑ سرو کے | کتنے ہیں یہ دیکھو! اونچے
کوئل بھی ہے شاخ پہ بیٹھی | اپنی پیاری کوک سناتی

آؤ دیکھو! باغ ہمارا
کتنا اچھا پیارا پیارا

اتوار کا دن

ہیشور دیال درجہ دوم۔ ماڈرن ہائی سکول نئی دہلی

ہر روز پڑھائی ہوتی ہے | اتوار کو چھٹی ہوتی ہے
ہم روز اسکول کو جاتے ہیں | اور شام کو واپس آتے ہیں
اتوار کو چھٹی مناتے ہیں | اور اپنا جی بہلاتے ہیں
پکنک کو بھی ہم جاتے ہیں | خوشیاں بھی خوب مناتے ہیں
بازار سے ٹوفی لاتے ہیں | پھر خوش ہو کر وہ کھاتے ہیں
ہم خوب ہی ڈٹ کر کھاتے ہیں | اور کھا کر پیٹ پھلاتے ہیں
بیری پر بھی چڑھ جاتے ہیں | اوپر سے بیر گراتے ہیں
سب مل کر ان کو کھاتے ہیں | یوں خوب مزے لیں آتے ہیں
ہم جمنا پر بھی جاتے ہیں | کشتی کا لطف اٹھاتے ہیں
پھر ہم سب واپس آتے ہیں | کھانا کھا کر سو جاتے ہیں

مکتب کا زمانہ

حسن اصغر کاظمی نامرا بنالہ

آتا ہے یاد مجھ کو مکتب کا وہ زمانہ | کرسی الٹ پلٹ کر استاد کو ستانا
استاد کی چھڑی سے استاد کی نظر سے | پھر آنکھ جب بچا لی ساتھی کو تب ہنسانا
پہلے تو خوب کرنا ہر قسم کی شرارت | ڈنڈے کو دیکھ کر پھر اس دل کا کانپ جانا
اس کا قلم اٹھایا اس کی دوات پھینکی | اپنے ہی دوستوں کو بے طرح سے جلانا
ٹوٹی سی جھونپڑی جو پڑتی تھی راستے میں | کھلکھلا کے کہنا حامد کا ہے گھرانا
گھر میں جو حکم ملتا اس پر کبھی نہ چلنا | اماں کی بات کو بھی باتوں میں ٹال جانا
پھر جھڑکیوں کا پڑنا وہ چوٹ دل پہ لگنا | جب شور و غل سے اپنے ابا کا جاگ جانا
بالائے طاق رکھ کر ایسی شرارتوں کو | نامر نے ہی بنایا اب ان کو اک فسانا

پچھلے چند مہینوں میں جاپان نے مشرقی ایشیا کے علاقوں میں بہت افراتفری پھیلا دی ہے۔ اب تک وہ ملایا جاوا، سماترا، انڈمان اور بہت سے چھوٹے موٹے جزیرے فتح کر چکا ہے۔ فلپائن میں اس کا دباؤ برابر بڑھ رہا ہے۔ برما میں بھی وہ بڑھتا چلا آرہا ہے۔ آسٹریلیا پر بھی اس کے حملے شروع ہو گئے ہیں۔

جاپان کی سب سے بڑی کامیابی سنگاپور کی فتح ہے۔ یہاں انگریزوں کو بری طرح شکست ہوئی ہے۔ اور وہ اب تک سنبھل نہیں پائے ہیں۔ بلکہ ان کی مشکلیں کچھ ہی دنوں کے لئے سہی بہت بڑھ گئی ہیں۔ سنگاپور، یوں سمجھو کہ بحر الکاہل اور بحر ہند کے درمیان دروازہ ہے۔ اب اس دروازے پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے۔ وہ اس کے ذریعے بحر ہند میں گھس آیا ہے۔ اور اب اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ کلکتہ، مدراس سیلون سبھی خطرے میں ہیں۔

دنیا میں پانچ سمندری دروازے ہیں۔ نہر سوئز، نہر پناما، جبرالٹر، باسفورس اور سنگاپور۔ پہلی دونوں نہریں ہیں جو دو سمندروں کو ملانے کے لئے کھودی گئی ہیں۔ باقی تین آبنائے کی شکل میں قدرتی ناکے ہیں۔ سنگاپور بھی انھی میں سے ایک ہے۔ اس سے تمھیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

سنگاپور ملایا کے بالکل کونے پر واقع ہے۔ جزیرہ نمائے

ملایا سے یہ ساٹھ فٹ چوڑے اور پون میل لمبے خشکی کے راستے سے ملا ہوا ہے۔ اتنی سی چوڑائی پر بس ایک ریل کی پٹری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سڑک ہے۔ اس کے مقابل ساترا کا جزیرہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان سمندر کا پتلا سا راستہ ہے۔ بحر الکاہل سے بحر ہند میں اسی راستے سے داخل ہوتے ہیں۔

سنگاپور کوئی پرانی بستی نہیں ہے اسے انگریزوں نے بسایا ہے کوئی سوا سو برس سے اس پر انگریزوں کا عمل دخل ہے۔ کہتے ہیں پہلے یہاں ایک آزاد ریاست تھی۔ جاوا کے لوگوں نے اسے برباد کردیا۔ اس کے بعد یہاں کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ ۱۸۲۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں کا علاقہ سلطان جہور سے خرید لیا۔ اور سنگاپور کو اس علاقے کا صدر مقام بنایا۔

اب سے کوئی سو برس پہلے یہاں کوئی پانچ سو چینی آکر آباد ہوئے تھے یہ غالباً محنت مزدوری کی تلاش میں آئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ دوسری قوموں کے لوگ مثلاً جاپانی، انگریز، روسی، ڈچ ہندوستانی وغیرہ آآکر آباد ہونے لگے۔ جوں جوں آبادی بڑھی ویسے ہی اس کی رونق بھی بڑھتی گئی۔ جاپانیوں کے حملے سے پہلے یہ بیچ میل آبادی ۵ لاکھ تھی۔ اس سال یہاں کا کچھ کانوں کا پتہ چلا تھا۔ اس لئے یہاں آنے والوں کا اور بھی تانتا بندھ گیا۔

لیکن اس کی اہمیت کی اصل وجہ وہی ہے یعنی یہ کہ جہاں یہ واقع ہے۔ وہاں ایک پتلے راستے سے دو سمندر ملتے ہیں۔ اور سنگاپور اس راستے کا محافظ یا چوکیدار ہے۔ برما اور ہندوستان کے لئے تو اس کی حیثیت ایک قلعے کی سی تھی؛ ان دونوں ملکوں کو فتح کرنے کے لئے اس قلعے کو فتح کرنا ضروری تھا۔ اسی لئے انگریزوں نے اسے مضبوط بنانے کے لئے کروڑوں روپے لگا دیئے۔ سمندری جہازوں کا جنگی بیڑا تباہ کن کشتیاں ساحلی توپیں اور مشین گنیں بم پھینکنے والے زبردست ہوائی جہاز اور طیارہ شکن توپیں۔ غرض اسے مضبوط بنانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔

مگر باوجود اس کے جاپان نے جب اس پر حملہ کیا تو یہ حفاظتی تدبیریں کچھ کام نہ آئیں اور یہ مضبوط قلعہ دشمن کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو بتائی جاتی ہے کہ سیام کی حکومت جاپان سے مل گئی۔ اور جاپان نے خشکی کے راستے ملایا پر چڑھائی کردی دوسرے سنگاپور کی فوج کو وقت پر ہوائی جہازوں وغیرہ کی مدد نہ مل سکی۔ سنگاپور انگلستان سے آٹھ ہزار میل دور ہے۔ اتنی دور سے اتنی جلد مدد پہنچ بھی کیسے سکتی تھی۔ دوسرے مقامات

ؕ۵۔ یہ راستہ لڑائی کے وقت انگریزوں نے جہاں تہاں سے خراب کر دیا تھا۔

بھی اس کا فاصلہ کچھ کم نہیں ہے۔ ہندوستان سے یہ ڈیڑھ ہزار میل ہے۔ آسٹریلیا سے دو ہزار میل۔ اس کی حفاظت کے لئے دو بہت بڑے جنگی جہاز انگلستان سے آئے تھے سان کی قیمت کروڑوں روپے تھی مگر انہیں جاپان نے پہلے ہی ڈبو دیا۔

سنگاپور کے چلے جانے سے ایک بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ جاپان بڑی آزادی سے بحر ہند کا چکر لگا رہا ہے۔ وہ طیارہ بردار بحری جہاز لئے لئے پھرتا ہے۔ اور اپنے ہوائی جہازوں سے جہاں چاہتا ہے بم برسا دیتا ہے۔ چنانچہ سیلون میں اس نے کولمبو پر بہت زبردست بمباری کی۔ مدراس میں وزگاپٹم اور کوکناڈا کی گودیوں پر بم برسائے۔ مدراس اور کلکتے پر بھی اس کے ہوائی جہاز دیکھے گئے۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اس علاقے میں ربر بہت پیدا ہوتی ہے یعنی سالانہ برآمد کا اوسط ساٹھ لاکھ روپیہ تھا۔ یہ ربر اب جاپان اور اس کے دوستوں کے کام آئے گی۔

پہیلیاں

منجم ارشد متعلم زیدپور

	پہیلی		جواب
۱-	ایک کھیت میں ایسا ہوا	آدھا بگلا آدھا سوا	۱- مولی
۲-	چاند سا مکھڑا سب تن زخمی راج دلارا سب کا پیارا	بن پیروں وہ چلتا ہے قسمت سے وہ ملتا ہے	۲- روپیہ
۳-	ایک باپ کے بیٹے سو! چلیں پھریں سب ایک ہی سات	چھوٹے بڑے نہ ایکو جو!! سب کے پیٹ میں ایک ہی آنت	۳- تسبیح
۴-	بوجھ پیاری پہیلی اک سندر آگ دیئے وہ ہووے روکھ	پھول پان سب وا کے اندر پھول نکلے جب جاوے سوکھ	۴- انار آتشبازی
۵-	آنکھ لگتے ہی جان کو کھویا کپڑے پھاڑیں گے کھال چھیلیں گے	جان شیریں سے ہاتھ کو دھویا دشمن جاں لہو کو پی لیں گے	۵- گنا
۶-	ایک آنکھ تس پر بھی جالا	جب کھولے تب کرے اجالا	۶- چاند

نیک لڑکا

حامد عظیم تعلیمی مرکز جامعہ

کسی گاؤں میں ایک غریب کسان رہتا تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کا نام مشتاق تھا۔ اس کی ماں مر چکی تھی۔ وہ کسی اسکول میں پڑھتا تھا۔ اور جی لگا کر پڑھتا تھا۔ استاد اس سے خوش رہتے تھے۔ وہ بہت صاف رہتا اور اپنی چیزیں اچھی طرح رکھتا تھا۔ اور سب لڑکوں سے محبت کرتا تھا۔ جب اس کا باپ کہیں چلا جاتا تو اپنے گھر کو بہت صاف رکھتا تھا ایک دن اس کا باپ بیمار پڑا تو اس کی دوا لانے والا کوئی نہ تھا۔ شہر بہت دور تھا۔ اور مشتاق بہت چھوٹا تھا۔ یہ لڑکا چھوٹا تو تھا مگر عقل مند تھا۔ اسی دن وہ شہر گیا اور ڈاکٹر کو سارا حال سنا دیا رات ہی رات میں دوا لے کر واپس آگیا اور ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق رات کو کئی مرتبہ اٹھ کر دوا دی۔ دوا باپ نے بہت خوش ہو کر پی اور دو تین دن میں اچھا ہو گیا جب وہ اچھا ہوا تو اس نے مشتاق کو شاباشی دی اور اس سے زیادہ محبت کرنے لگا۔

سینما

عبدالسلام پہلی شہر

ہمیں سینما دیکھنے کا بہت شوق تھا کبھی دیکھا ہی نہ تھا ایک دن ہمارے دوست کلن میاں آئے اور کہنے لگے آج بہت اچھا کھیل آیا ہے۔ ہمارا شوق اور بھی بڑھا ہم ڈرتے ڈرتے ابا کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا شوق سے جاؤ مگر اپنے ماسٹر صاحب کے ساتھ جانا۔ شام کو ماسٹر صاحب آئے تو ہم نے ان سے اس بات کا ذکر کیا ماسٹر صاحب نے کہا: اچھی بات ہے مگر آج تو مجھے فرصت نہیں ہے۔ کل بہت اچھا سینما دکھائیں گے ؟

دوسرے دن ماسٹر صاحب نے آتے ہی کہا

دیکھو یہ سینما! ایک سے ایک مزے دار قصے۔ ڈرامے۔ نظمیں لطیفے اور جگہ جگہ کی تصویریں۔ سینما میں جاؤ تو پردہ پر آنکھیں پھوڑو اور پھر نیند کا خمار۔ مگر دیکھو یہ کیسا اچھا سینما ہے۔ نئے قسم کا۔ آج ہی ۶ بھیجکر منگالو۔ پیارے تو سمجھ گئے ہوں گے۔ ماسٹر صاحب کے ہاتھ میں پیام تعلیم کا پرچہ تھا۔

تمھاری ہی غلطی

صابر قلی خاں اندور (عمر ۱۳ سال)

ایک مرتبہ ایک لڑکا امتحان دے رہا تھا لیکن سوال سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ اس نے دل میں سوچا اگر میں سوال نہ کرسکا تو فیل ہوجاؤنگا آخر کار اس نے ایک ترکیب سوچی اور اپنے امتحان کے کاغذ پر یہ شعر لکھ کر پن لگا کر ماسٹر صاحب کو دے دیا۔ شعر

ہزاروں کی قسمت ترے ہاتھ ہے … اگر پاس کردے تو کیا بات ہے

ماسٹر صاحب بھی ہوشیار آدمی تھے انھوں نے لڑکے کو امتحان میں فیل کردیا اور پرچے پر یہ شعر لکھ کر لڑکے کو دے دیا۔ شعر

کتابوں کی کنجی ترے ہاتھ تھی … اگر یاد کرتا تو کیا بات تھی

ماسٹر صاحب اور بندر

از محمد حمید اللہ صدیقی۔ بھوپالی

ایک بندر درخت پر بیٹھا ہوا ہر روز دیکھا کرتا تھا کہ ایک ماسٹر صاحب آتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ اس نے خیال کیا میں بھی ایک ماسٹر کی طرح پڑھا سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک دن وہ صبح کے وقت کھڑکی سے کود کر کمرہ میں داخل ہوگیا۔ اور ماسٹر صاحب کا چشمہ ٹوپی اور عبا پہنکر ان کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

جب لڑکے پڑھنے کے لئے وہاں آئے تو انھوں نے ماسٹر صاحب کے بجائے ایک چھوٹے ماسٹر صاحب (بندر) کو ان کی کرسی پر بیٹھا پایا۔ تھوڑی دیر میں ماسٹر صاحب بھی آگئے۔ اور وہ یہ دیکھ کر کہ میری کرسی خالی نہیں ہے۔ لڑکوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر بندر بہت خوش ہوا اب بندر نے ماسٹر صاحب کو حکم دیا: "اے سب سے بڑے لڑکے! کھڑے ہوجاؤ۔ مجھے تمھاری قابلیت کا امتحان لینا ہے کیا تم بتا سکتے ہو کہ ایک شخص کو آسمان تک پہنچنے کے لئے کتنی سیڑھیوں کی ضرورت ہوگی" ماسٹر صاحب نے جواب دیا: "صرف ایک سیڑھی کی۔ بشرطیکہ وہ اتنی بڑی ہو کہ آسمان تک پہنچ سکے"

یہ سنکر بندر کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے کچھ دیر سوچا۔ اور پھر دریافت کیا: "اچھا یہ بتاؤ دنیا کے چاروں طرف چکر لگانے میں کتنا وقت صرف ہوگا۔ اور جو کچھ تمھارا جواب ہو اس کو دلیل سے ثابت بھی کرو" ماسٹر صاحب نے فوراً ہی جواب دیا: "چوبیس گھنٹے میں دنیا کے ارد گرد چکر لگانا ممکن ہے۔ اس لئے کہ سورج کو اس سے زیادہ وقت کبھی نہیں لگتا" بندر تھوڑی دیر چپ بیٹھا رہا۔ پھر اس نے کہا: "میرا آخری سوال بہت مشکل ہے۔ اچھا بتاؤ کہ اس وقت میں کیا سوچ رہا ہوں"

ماسٹر صاحب نے کہا اس کا جواب تو بہت آسان ہے "تم اس وقت یہ سوچ رہے ہو کہ میں یعنی تم ایک عالم ہو اس لئے کہ میری کرسی پر میری ہی ٹوپی اور عبا پہنے بیٹھے ہو۔ اور یہ بالکل عیاں ہے کہ تم ایک بندر ہی تو ہو"

اس جواب پر سب لڑکے زور سے کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ اور بندر صاحب نے فوراً ہی چھلانگ مار کھڑکی سے کود اپنا راستہ لیا۔

لکڑی کے جانور

از آپا جان
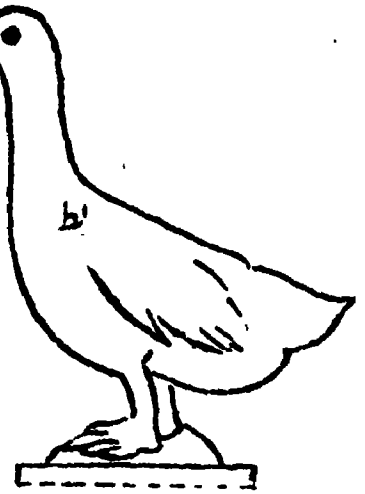
پیاری بچو اور بچیو! خوش رہو اور تندرست

گرمی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے دلی میں تو ٹمپریچر ۱۱۰ تک پہنچ گیا ہے۔ آج کل امتحان کی وجہ سے تم بہت معروف ہوگے۔ بہت سی جگہوں پر تو امتحان ختم بھی ہو گئے۔ جو بچے امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں انھیں ہم مبارکباد دیتے ہیں۔

جاپانی لڑائی کی سرگرمی دن بدن زوروں پر ہے برما میں تو وہ تیل کے چشموں تک پہنچ گیا تھا مگر چینی فوجوں نے اسے میلوں پیچھے بھگا دیا۔ برما میں لڑنے والی فوج کے پاس ہوائی جہازوں اور لڑائی کے دوسرے سامان کی اب بھی کمی ہے ورنہ دشمن کا مقابلہ کرنے میں اسے اتنی دقتیں پیش نہ آتیں۔ جاپان نے سیلون کے بندرگاہ کولمبو پر ہوائی جہازوں سے حملہ کردیا مگر اس حملے میں اُسے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ مدراس میں وزیگاپٹم اور کوکناڈا کی بندرگاہوں پر بم برسائے۔ اس طرح جاپان نے گویا براہِ راست ہندوستان پر حملہ شروع کردیا۔ مدراس میں بھی ہوائی الارم ہوا۔ ان تینوں شہروں کو خالی کیا جارہا ہے۔ ان ہوائی حملوں کی وجہ سے ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی پریشانی ہے۔ اور تو اور دلی کو لوگ خالی کررہے ہیں حالانکہ دلی ساحلی بندرگاہ سے سات سو آٹھ سو میل دور ہے۔ جاپانی ہوائی جہاز طیارہ بردار جہازوں پر آتے ہیں۔ اس لئے ان ہوائی جہازوں کی اتنی ہمت نہیں ہوسکتی کہ اتنی دور کا فاصلہ طے کریں ہاں اگر کسی ساحل پر جاپانی فوج اتر آئے اور اپنا ہوائی اڈا بنالے تو یہ بات ممکن ہے مگر جاپانی فوج کا اترنا بہت دیر کی بات ہے۔ اِدھر امریکن ہوائی جہازوں اور امریکن فوج کے میدان میں آجانے سے لڑائی میں کچھ جان سی پڑگئی ہے۔ امریکن جہازوں نے ٹوکیو اور دوسرے اہم جاپانی شہروں پر بھی ہوائی حملہ کیا۔ اس حملے کے بعد جاپان کو خود اپنے بچاؤ کی فکر بھی پڑگئی ہے۔ ہاں جاپان نے فلپائن کے بہت سے

حصے پر قبضہ کر لیا ہے۔ افریقہ میں لیبیا کے میدان میں کچھ زیادہ سرگرمی دکھائی نہیں دیتی۔ اس کی وجہ غالباً موسم کی خرابی ہے۔ ہاں روس کو جرمنی کے مقابلے میں برابر کامیابی ہو رہی ہے۔ مگر جرمنی کا عام حملہ ابھی شروع نہیں ہوا ہے۔ شاید مئی میں شروع ہو۔ فرانس میں وزارت بدل گئی ہے۔ اور ایسے لوگ وزارت میں آئے ہیں جو جرمنی کے حامی ہیں۔ یہ بات انگریزوں کے لئے بہت خطرے کی ہے۔ کوئی تعجب نہیں جو فرانس کا جنگی بیڑا جرمنی کو مل جائے اور فرانسیسی فوج انگریزوں کے خلاف جرمنی کی مدد بھی کرے۔

ہندوستان میں سر کرپس آئے بھی (۲۴ر مارچ) اور انیس بیس دن رہ کر (۱۲ر اپریل) چلے بھی گئے۔ یہ ہندوستان کے لئے آزادی کا پروانہ لائے تھے۔ مگر بے چارے جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے آزادی کا پروانہ ان کی جیب ہی میں رہا۔ اس پروانے میں ایسی باتیں تھیں جنھیں ہندوستان کی کوئی قوم قبول نہ کر سکی۔ ہندو مہا سبھا والوں اور سکھوں نے کہا اس میں پاکستان کی بو آتی ہے۔ ہمیں منظور نہیں۔ مسلم لیگ نے کہا اس میں پاکستان کے بارے میں صاف اور واضح اعلان نہیں ہے۔ ہمیں منظور نہیں۔ اب رہ گئی کانگریس اس نے ان معمولی باتوں کی طرف دھیان نہ دیا اور فوج کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کا مطالبہ کیا۔ اس بارے میں سمجھوتا ہو رہا تھا کہ اور دوسری باتیں درمیان میں آگئیں اور بات چیت ختم ہو گئی۔ امریکہ کے صدر مسٹر روز ویلٹ کے خاص ایلچی مسٹر جانسن نے سمجھوتا کرانے کی بہت کوشش کی مگر انھیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔

اپریل کے معمے کا صحیح حل ایک بھی نہیں آیا۔ اس لئے ایک غلطی والوں کو پہلا انعام دیا گیا، دوسرا انعام دو غلطی والوں کو دیا جائے گا۔ مگر اس کی رقم بہت کم یعنی کل ا ر یا ساڑھے چار پیسے ہے۔ یہ پیامی آئندہ مہینے دو حل بغیر کسی فیس کے بھیج سکتے ہیں۔ اپنے نمبر کا جو نام سے پہلے لکھا ہے حوالہ ضرور دیں۔

محمد حسین حسّان

معما نمبر ۲۹

(انعام میں کتابیں بھیجی جائیں گی)

پہلا انعام ۶ روپے

دوسرا انعام للعہ

مشقی کوپن

۱ س	۲ ح	ی	۳ ح		۴ د	ہ	
		۶		۵ ہ			
۷ ض	ر	۸ پ		۹ و	و	ا	۹ ز
	۱۰ ت	ے	۱۱ ہ	ر	ا		ا
۱۲		۱۳ ل	ر	ٹ		۱۴	ر
۱۵ ہ	۱۶		۱۷ ز	ڈ		ا	
۱۸ پ		ت			۱۹ ع	۲۰ ز	م
۲۱	ر		۲۲	ہ	ے	ہ	

دائیں سے بائیں

۱۔ اگر اشارے غور سے پڑھے جائیں تو معما سو فیصدی یہ ہو سکتا ہے۔

۴۔ اکثر لوگ مریض کو آخری اس تک دوا دیتے رہتے ہیں۔

۶۔ اگر سخت یہ پہنچ جائے تو پھر ایک عرصہ میں فائدہ ہوتا ہے۔

۸۔ آل انڈیا ریڈیو کا پندرہ روزہ رسالہ۔

۱۰۔ یہ تندرستی کے لئے بہت مفید ہے۔

۱۳۔ آج کل بڑے شہروں میں ... مار کا خطرہ ہے۔

۱۴۔ اگر آپ کسی کو یہ کہدیں تو وہ آپ کو گدھا کہے گا۔

۱۵۔ .. رنا کر پاس ہونا بھی کوئی پاس ہونا ہے۔

۱۷۔ صاحب .. ہو کہ نادار برہمن ہو کہ شیخ
ہر شیر غم میں گرفتار نظر آتا ہے (احسان)

۱۸۔ ایسی ہمت والے انسان کو بزدل کہتے ہیں۔

۱۹۔ بعض لوگ تمام عمر اسے حاصل کرتے رہتے ہیں۔

۲۱۔ ہماری .. کار والا بتا رہا ہے مستقل مزاج واقع ہوئی ہے۔

۲۲۔ ہمیشہ کے بے ترتیب حروف

اوپر سے نیچے

۲۔ برطانیہ کی پے در پے شکست سن کر ہمیں بڑی یہ ہوتی ہے۔

۳۔ معمے میں صحیح یہ صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب
دل سے کیا جائے۔

۵۔ اگر مریض کو صاف یہ نہ ملے تو دیر میں آرام ہوتا ہے۔

۷۔ اس گاڑی کا استعمال کم ہوتا جا رہا ہے۔

۸۔ طالب علم کی بری عادت۔ (الٹا)

۹۔ کسی کو .... رو تا دیکھ کر دل بھر آتا ہے۔

۱۱۔ ہندوستان ... بروز خطرے کے قریب آتا جا رہا ہے۔

۱۲۔ یہ ہندوستان سے ایسے گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ

۱۴۔ بلی شیر کی یہ ہے۔

۱۶۔ ایک قسم کا کپڑا۔

۱۹۔ چچا

۲۰۔ شراب۔

قواعد

۱۔ حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۲۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر۔ آٹھ حلوں کی ۶ر ہے۔
۳۔ دونوں انعام تقسیم کردیئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی ہوگی
۴۔ تمام حل ۱۸ رمئی سنہ ۱۹۴۲ء تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔
۵۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا
۶۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔
۷۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل کیا جائے گا۔
۸۔ ایک لفافے میں ایک نام سے حل آنے چاہئیں۔
۹۔ پتہ :۔ سب ایڈیٹر پیام تعلیم، مکتبہ جامعہ، دہلی۔ قرول باغ

معما نمبر ۳۸ کا صحیح حل

۱و	۲م	۳ت	۴ح	ل	۵ن	■	۶ر
۷ے	خ	ن	ی	■	ث	■	ت
۸ش	ا	د	ا	۹ب	■	۱۰ش	پ
۱۱ی	ل	ر	■	۱۲ر	س	ت	ہ
۱۳ز	ف	س	۱۴ر	ی	■	ب	■
■	۱۵ث	ت	م	■	۱۶ق	■	۱۷ن
۱۸ک	■	۱۹ی	ز	ی	د	■	م
۲۰و	ک	■	■	۲۱ی	ت	ر	ک

اس مرتبہ کوئی صحیح حل نہیں آیا

ایک غلطی فی کس ۶ر

۱۔ محمد طارق صدیقی۔ بنارس
۲۔ فضل احمد۔ ؟
۳۔ محمد عظیم۔ سیال کوٹ
۴۔ احسن حامد۔ بھوپال
۵۔ سید محمد مہدی نقوی۔ امروہہ
۶۔ خورشید مصطفےٰ زبیری۔ دہلی
۷۔ محمد مصطفےٰ زبیری۔ "
۸۔ شاکرہ۔ حیدرآباد
۹۔ محمد انور عثمانی۔ گونڈہ
۱۰۔ قمرالدین احمد۔ لکھنؤ
۱۱۔ سید عبداللطیف۔ گیا
۱۲۔ خورشید احمد۔ دہلی
۱۳۔ محمد وسیم خاں۔ کانپور
۱۴۔ محمد فضل اللہ۔ کڈور
۱۵۔ ظہیرالحق۔ پیلی بھیت
۱۶۔ منظور احمد۔ دہلی

دو غلطیاں فی کس ۱ر

۱۔ محمد اسمٰعیل خاں۔ نئی دہلی
۲۔ وسیم الحق۔ کیمبل پور
۳۔ سید ذاکر علی۔ دہلی
۴۔ خورشید اسحاق۔ لکھنؤ
۵۔ حسن اصغر۔ انبالہ
۶۔ محمد مرادالدین۔ لکھنؤ
۷۔ مصباح الدین۔ حیدرآباد
۸۔ نسیم فاطمہ۔ دہلی
۹۔ محمد الیاس اختر۔ اجمیر
۱۰۔ محمد ولایت حسین۔ الہ آباد
۱۱۔ زہرہ خاتون۔ بارہ بنکی
۱۲۔ صالح۔ ای۔ لوئیہ۔ راولپنڈی
۱۳۔ رفیق حسین۔ پالن پور
۱۴۔ عبدالصمد۔ حیدرآباد
۱۵۔ سید منصور حسن۔ دہلی
۱۶۔ ایم اقبال حسین۔ چکروہرہ

۱۷۔ محمد حنیف۔ جیت پور
۱۸۔ سید محمد احمد عظیم۔ دہلی
۱۹۔ محمد احمدالدین۔ حیدرآباد
۲۰۔ شفیق الدین۔ دہلی
۲۱۔ سید شرافت علی۔ فیض آباد
۲۲۔ ہاجرہ طیب حسین۔ جیت پور
۲۳۔ وجاہت حسین۔ نگینہ
۲۴۔ انور پاشا۔ حیدرآباد
۲۵۔ عزیز احمد۔ گوالیار
۲۶۔ شمیم حسین۔ نگینہ
۲۷۔ رئیس الرحمٰن۔ بڑاگاؤں
۲۸۔ فاطمہ زہرہ۔ علیگڈھ
۲۹۔ بشیر محمد۔ بزیرہ
۳۰۔ سید سلطان احمد۔ پٹنہ
۳۱۔ سید عبدالقدوس۔ حیدرآباد
۳۲۔ ثریا سلطانہ۔ " "
۳۳۔ صدیق محمد خاں۔ بھوپال
۳۴۔ محمد خلیق الزماں۔ اندور
۳۵۔ سید نصیر حسین۔ گونڈہ
۳۶۔ اکبری بیگم۔ فیض آباد
۳۷۔ نجیب احمد۔ فرخ آباد
۳۸۔ انیس احمد۔ نکیسم پورکھیری
۳۹۔ میمونہ۔ پونہ
۴۰۔ تسنیم محمود۔ دہلی
۴۱۔ ہارون رشید۔ بدایوں
۴۲۔ محمد شان علی خاں۔ رودلی

(ڈرامہ)

قیمت دو آنے چھ پائی

ملا ٹکٹ..............قیمت دو آنے

پوسٹوں کا ایک..............قیمت دو آنے

مکتبہ جامعہ دہلی

پیام تعلیم
مکتبہ جامعہ دہلی

جہلم کی پہاڑی:
شہر کے چاروں طرف ایسی ہی پہاڑیاں ہیں

جہلم آغا شاکر احمد

پرنٹر و پبلشر ذاکر حسین ... محبوب المطابع برقی پریس دہلی

مئی کے پیام تعلیم کے لئے پیامیوں کو بہت انتظار کرنا پڑا۔ پرچہ ٹھیک وقت پر شائع ہوجاتا۔ حنقِ کاغذ کی وجہ سے اتنی دیر ہوئی۔

لڑائی جوں جوں ہندوستان سے قریب ہوتی جارہی ہے ضرورت کی چیزوں کا ملنا اتنا ہی مشکل ہوتا جارہا ہے خصوصاً کاغذ کا معاملہ بہت ہی اہم ہے۔ خدا کرے یہ پرچہ پیامیوں کو وقت پر ملے اور آیندہ بھی دیر نہ ہو۔[1]

پچھلے پرچے میں جن اچھے اچھے مضمونوں کا وعدہ کیا گیا تھا وہ اس پرچے میں چھپ رہے ہیں۔ پروفیسر عبدالغفور صاحب کا مضمون "سمندر کا اثر آب وہوا پر" کس قدر مفید اور دلچسپ مضمون ہے۔ اس کا باقی حصہ اگلے پرچے میں چھپے گا اور شجاع احمد صاحب قائد کا ڈراما کتنا مزے کا ہے۔ یہ بھی اگلے پرچے میں ختم ہوگا۔

ان دونوں حضرات کے اور مضمون اور ڈرامے بھی ہمارے پاس رکھے ہیں۔ ایک سے ایک دلچسپ اور مزے دار۔

پرما والا مضمون دو پیامیوں کا لکھا ہوا ہے۔ یہ دونوں مضمون ہمیں ایک ساتھ ملے تھے دونوں اچھے تھے اس لئے کچھ گھٹانے بڑھانے کے بعد دونوں کو ایک ہی مضمون کی شکل دے دی گئی۔

مولانا محمد شفیع الدین صاحب نیر نے ایک مرتبہ پھر شکایت کی ہے اکثر پیامی جو کچھ جی میں آتا ہے لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ نظم لکھتے وقت اُن کے دل میں کوئی خاص خیال نہیں ہوتا شعر کے دونوں مصرعے بھی ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ عام طور پر ایک چھوٹا ہوتا ہے ایک بڑا۔ ایسی نظموں کی اصلاح ناممکن ہے۔

اس طرح کی نظمیں پیام تعلیم میں نہ چھپ سکیں گی نہ ڈاک کا خرچ بڑھ جانے کے سبب واپس کی جاسکیں گی۔ اس لئے پیامی اپنی نظموں کی نقل رکھ لیا کریں۔ اس کے علاوہ کوئی نظم دو تین مہینے تک پیام تعلیم میں نہ چھپی ہو تو سمجھ لیا جائے کہ ردی کردی گئی۔ ہمیں امید ہے کہ پیامی آیندہ زیادہ احتیاط سے کام لیں گے اور خوب محنت کرکے اچھی اچھی نظمیں لکھیں گے ؞

[1] افسوس ہے کہ محنت کا تقاضے سے ... پرچہ ... دیر سے ... ہے۔ پیام اپنے ... ۲۵ تاریخ تک بھیج سکتے ہیں ؞

اشرف کا باغ

اشرف نے اک باغ لگایا | پودوں اور پھولوں سے سجایا
لکھ پڑھ کر جب گھر وہ آتا | بستہ رکھتا کھانا کھاتا
پانی پی کر کھانا کھا کر | لے کر کھرپا باغ میں جا کر
کھودتا وہ ایک ایک کیاری | کرتا نرم وہ مٹی ساری
مٹی میں پھر کھاد ملاتا | کیاری کو ہموار بناتا
پھر کچھ بیج وہاں بو دیتا | بیج کو مٹی میں کھو دیتا
روز خبر وہ اُن کی لیتا | وقت پہ پانی وانی دیتا
اچھے اچھے پودے اُگتے | پیارے پیارے پودے اُگتے
رنگ برنگے پھول مہکتے | آ کے پرندے اُن پر چہکتے
جوہی کھلتی بیلا کھلتا | چمپا کھلتی گیندا کھلتا
امرود آڑو آم اور آمن | آلوچہ لوکاٹ اور جامن
لیمو، نارنگی اور کیلا | ایک سے ایک ان میں البیلا
پھل بھی میٹھے میٹھے آتے | اپنا اپنا رنگ دکھاتے
اشرف یہ پھل آپ بھی کھاتا | اور سب گھر والوں کو کھلاتا
دوست جو اُس کے دیکھنے آتے | وہ بھی پھل اس باغ کے کھاتے
خوب مزے سے وقت گزرتا | اتنا پاتا محنت کرتا
تیرا وقت نہ جائے خالی | آؤ بنیں ہم تم بھی مالی

ایک دن کا ذکر ہے میاں مٹو کھیلتے

دیوار پر گھڑی لگی تھی۔ بس دیکھتے ہی اُچھل پڑے۔ سیدھے چنٹو کے پاس بھاگے اتنے تیز اتنے تیز کہ بس کچھ پوچھو مت۔ چنٹو کے پاس پہنچے تو سانس پھولا ہوا تھا۔ منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ " ارے چنٹو وہ دیوار پر ٹنگی ہے۔ باورچی خانے میں" مٹو بہت مشکل

کھیلتے باورچی خانے میں گھس گئے۔ وہاں

سے اپنے آپ کو سنبھال کر بولے " اندر بھی

بہت ہی خوب صورت ہے "

چٹو نے حیران ہو کر پوچھا " آخر کیا چیز؟" مٹو بولے " گھڑی، گھڑی اور کیا! اور اس میں کچھ لٹک بھی تو رہا ہے جانے کیا ہے، اِدھر آتا ہے اُدھر جاتا ہے۔ بس ہلتا رہتا ہے اور ایسے بولتا ہے جیسے ٹِک ٹِک ٹِک ٹِک (آنکھیں نکال کر اور سنجیدہ بن کر) سنو سنو آ رہی ہے آواز!

چٹو میاں نے تھوڑی دیر آواز کی طرف کان لگائے اور بولے " ہاں بھیا آ تو رہی ہے " اتنا کہہ کر وہ بھی باورچی خانے کی طرف بہت تیزی سے بھاگے کہ ذرا ایک نظر دیکھ لیں۔ وہاں پہنچ کر بولے :۔ " ارے بھیا یہ تو پنڈولم ہے۔ پنڈولم

وہی جسے مولوی صاحب اُس دن رقاص کہہ رہے تھے۔ اہا بھئی یہ تو بڑا اچھا جھولا ہے " چٹو میاں جھٹ سے اُس پر کود کر چڑھ گئے اب مٹو میاں کو کہاں

تاب تھی اُنھوں نے بھی ایک چھلانگ
لگائی اور جھولے پر سوار ہوگئے۔ چٹو میاں
بولے " بھیا ٹلو۔ کھلو اور جگو ملو کو بھی
بُلا لائیں"۔ مٹو بولے " ہاں ہاں ضرور"۔

دونوں اُترے اور تھوڑی دیر
میں اپنے ساتھ فوج کی فوج لے آئے
اور بولے " دیکھو یہ ہے وہ جھولا۔ مگر
اب صورت کیا ہو۔ اچھا یوں کریں دو
دو کرکے باری باری جھولیں۔ پہلے ہم
جھولیں گے۔ ہمارا حق پہلا ہے۔ ہمیں
نے تو اس کا پتہ لگایا ہے"۔ مگر وہ چاروں
پانچوں اکڑنے لگے"۔ واہ صاحب واہ
پہلے ہم جھولیں گے تم اپنی باری سے جھکے
اور جانے کتنا جھول چکے ہو"۔ ابھی یہ بحثا
بحثی ہو رہی تھی کہ گھڑی کی سوئی ٹھیک
بارہ کے ہندسے پر آگئی۔ اچانک ایک
کھٹکے کے ساتھ چھوٹا دروازہ کُھلا اس میں
سے ایک خوب صورت سی چڑیا باہر آئی اور
بہت غصّے سے بولی" ہائیں یہ کیا شرارت
تم نے یہاں آنے کی کیسے ہمّت کی۔ یہ میرا
گھر ہے بھاگ جاؤ"۔ چوہے اِس آواز سے
ایسے سہمے ایسے سہمے کہ جس کا جدھر مُنہ اُٹھا
گرتا پڑتا بُری طرح بھاگا۔

سمندر کے اثرات ہوا پر

از جناب عبدالغفور صاحب ٹریننگ کالج علی گڑھ
آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے

(تفریح کا گھنٹہ ۔ دو لڑکے درجے میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں)

ایک (جھرجھری لے کر) کیسی غضب کی سردی ہے ۔ درجے میں بیٹھے بیٹھے کبھی تو دانت بجنے کو جی چاہتا ہے ۔ ماسٹر صاحب کہتے ہیں کہ Dictation لکھو اور یہاں قلم ہاتھ میں ہیں تو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ قلم کہاں ختم ہوا اور انگلیوں کی پوریں کہاں شروع ہوئیں ۔ ارے صاحب! یہ تو ہمارا حال ہے جو منطقہ حارہ سے اچھا خاصا قریب رہتے ہیں ۔ بھلا اُن مدرسوں میں کیا حال ہوتا ہوگا جو شمالی ملکوں میں واقع ہیں پڑھائی وڑھائی تو کیا ہوتی ہوگی ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یار لوگ مزے میں کچا کچ برف کھاتے ہوں گے ۔ اور روئی جیسے سفید برفیلے میدانوں پر سکیٹنگ اُڑاتے ہوں گے ۔

واہ تم نے انھیں بھی ہم جیسا ناکارہ سمجھ لیا کہ کمرے میں بیٹھے بیٹھے کپکپاتے رہیں اور ناک کو سردی کے مارے لال چقندر بناتے رہیں ۔ اجی ان مدرسوں کے کمرے گرم کئے جاتے ہیں اور پانی سے گرم کئے جاتے ہیں ۔

”بھئی ۔ رہنے بھی دو ۔ بھلا کبھی پانی سے بھی کمرے گرم ہوئے ہیں ۔ یار کہاں پانی کا نام لے دیا میں تو سنتے ہی مارے ڈر کے کپکپی سی چڑھ گئی“ ۔

” ارے تم تو ہر بات کو مذاق سمجھتے ہو ۔ سنئیے مدرسے کی عمارت میں پانی کا ایک بائلر ہوتا ہے اور اسی میں سے نلوں کے ذریعے گرم پانی کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ گھومتا ہے ۔ سب کمروں میں گھوم گھما کر جب ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو نچلے نلوں کے ذریعے پھر بائلر میں واپس چلا جاتا ہے“ ۔

بھئی واہ یہ تو خوب رہی واللہ اگر ہمارے کمرے میں ایسے نلوں کا انتظام ہو جائے تو جہاں ماسٹر صاحب نے ایک زناٹے کا بید لگانے کا ارادہ کیا وہیں نل پر دونوں ہاتھ رکھ کر پہلے خوب گرم کر لئے

بھئی ہاتھ گرم ہوں تو ہم بید وید کی پروا نہیں کرتے اور ٹھنڈے ہاتھوں تو کیا بتائیں بید کھانے کو بالکل ہی طبیعت نہیں چاہتی۔"

"اجی واہ۔ خوب سمجھے آپ بھی۔ گرم پانی کا نل نہ ہوا چونہ بھٹیاری کا بھاڑ ہو گیا۔ نہ تو ہاتھ تاپ لئے اور ہٹے تو پھر ٹھنڈے کے ٹھنڈے۔ اجی نل کے پاس جانے کی ضرورت کس نے کہی ہے کمرے کی ٹھنڈی ہوا گرم نل سے لگ کر گرم ہو جاتی ہے تو ہلکی ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے اور اس کی جگہ لینے کو اور ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ اس طرح ہوا کا ایک اچھا خاصا چکر بندھ جاتا ہے۔ وہی جھولے کا سا چکر جس پر بیٹھ کر تم میلے میں جھولے تھے۔ اس طرح سارے کمرے کی ہوا گرم ہو جاتی ہے۔"

"بھئی واہ وا کیا کہنے۔ لوگوں کو بھی کیا کیا سوجھتی ہے۔" "اجی سوجھتی نہیں سجھائی جاتی ہے۔"

"یہ سجھانے والا کون ہے؟"

"نیچر۔ قدرت کے کارخانے میں تو یہ انتظام پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس نے تو دنیا بھر کے لئے گرم اور ٹھنڈے نلوں کا انتظام کر رکھا ہے۔ اور اس کا بوئلر جانتے ہو کیا ہے؟"

"سمندر کی تہ میں کہیں جوالا مکھی پہاڑ ہوگا جس کی آگ سے پورا سمندر پانی کی دیگ کی طرح کھولنے لگتا ہوگا؟"

"جوالا مکھی کی بھی ایک ہی رہی۔ یہ جوالا مکھی تو ہر روز کا چڑھنے والا سورج ہے۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ زمین پر ایک حصہ خشکی اور تین حصے پانی ہے سورج کی گرمی خشکی پر پہنچی تو پھول بوٹے چرند پرند پیدا ہو گئے لیکن سمندر پر اتری تو بیکار سی معلوم دی۔ مگر قدرت تمہاری طرح فضول خرچ تو ہے نہیں کہ امی نے مدرسے چلتے وقت اکنی دی اور تفریح تک گول گپوں میں ختم کر دی۔ قدرت نے گرمی کو سمندر کے پانی میں یوں سمیٹ کر رکھ لیا جیسے کوئی ہوشیار ساہوکار اپنا سرمایہ سنبھال کر رکھ لیتا ہے اور پھر وہ ضرورت کے مطابق گرمی کی یہ پونجی تھوڑا تھوڑا کر کے خشکی کو دیتی رہتی ہے۔"

"بھلا خشکی میں یہ سوجھ بوجھ نہیں کہ اپنی گرمی کی پونجی کو سمیٹ کر سنبھال رکھے۔ سمندر سے کیوں ادھار لیتی پھرتی ہے۔"

"واہ ابھی تک تمھیں خشکی اور تری کی خصوصیتوں ہی کا پتہ نہ چلا۔ اچھا دیکھو پچھلے دنوں تمھارے چچا کو درد کی شکایت ہوئی تھی تو کاہے سے سینکتے تھے؟"

"پہلے پہل تو امی نے اینٹ کے ٹکڑے سے سینکنا شروع کیا مگر ہمارا تو اس سنکائی سے ناک میں دم آ گیا۔ ادھر کوئلوں سے نکالا نہیں کہ ٹھنڈا ہو گیا بس تو اسی ہیر پھیر میں لگا رہتا تھا کہ ایک دن ڈاکٹر صاحب آئے مجھے دیکھا تو مسکرا کر بولے "کہو جی

مدرسے میں یہی سائنس پڑھتے ہو۔ اتنا پتہ نہیں گرمی کو اپنانے والی چیزوں میں پانی سے بڑھ کر بہت کم چیزیں ہیں۔ ذرا ایک گرم پانی کی بوتل تو بھر لاؤ۔" اب اس سے جو سینکائی شروع کی تو بوتل ٹھنڈا ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔"

"بس سمندر میں منطقہ حارّہ کا حصّہ یوں سمجھ لو کہ ٹھنڈے ٹھٹھرتی ہوئی دُنیا کے لئے ایک گرم بوتل ہے۔ فرق اتنا سا ہے کہ یہ گرم بوتل اپنے آپ ملکوں ملکوں کے ساحل پر گرم دھاروں کی روؤں کی شکل میں پہنچ جاتی ہے۔"

"اجی پہنچ تو جاتی ہے مگر ان مُلکوں پر اس کو پھیلاتا کون ہوگا۔"

"بھئی یہ کام تو ہوائیں ہی انجام دیتی ہیں۔ دھارے گرم ہوئیں تو اوپر اُٹھیں اور پھر سارے مُلک پر جو چلیں تو پوری فضا کو اپنے زندگی بخش اثر سے گرما دیا۔"

"اچھا ان میں سے مشہور رَو کون سی ہے۔"

"گلف اسٹریم۔ ذرا نقشہ اُٹھا کر دیکھئے۔ دونوں امریکاؤں کے بیچوں بیچ میکسیکو کے بغل میں ایک خلیج ہے۔ دو خشکیوں کے درمیاں یہ خلیج سال بھر اپنے سینے میں خطِ استوا کے تیز تیز سورج کی گرمی جمع کرتی رہتی ہے۔ پانی گرم ہو کر اُٹھتا ہے تو شمالی امریکہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ بہہ نکلتا ہے۔ یہی رَو گلف اسٹریم کہلاتی ہے۔"

"اسٹریم؟ تو یہ سمجھئے کہ پانی کی ایک چھوٹی سی ندی ہوگی۔"

"اجی حضرت یہ ندی خشکی کی نہیں سمندر کی ندی ہے۔ چوڑان ۷ سو میل اور کہیں کہیں پھیل کر ایک سو میل سے بھی زیادہ ہو گیا ہے اور اس کے پانی کی مقدار دریائے مس سی پی سے دو ہزار گُنا ہے۔"

"واہ صاحب! یہ بات تو خوب سُنائی پانی پانی میں چلا کس نے دیکھا۔"

"اخاہ تو آپ اب تک جھوٹ ہی سمجھ رہے ہیں اجی حضرت پانی چلتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ پہلے پہل تو اس کے بہاؤ کا حال ایک دلچسپ واقعے سے معلوم ہوا۔ اٹھارویں صدی میں ایک جنگ ہوئی جس میں ولایت والوں کا ایک جنگی جہاز جزائر غرب الہند میں جلا دیا گیا لیکن کچھ مدت کے بعد اس کا جلا ہوا ستون سکاٹ لینڈ کے مغربی ساحل پر پایا گیا۔ اسی طرح ربڑ کی لکڑی سے لدی ہوئی ایک دریائی کشتی جزیرہ ہونڈوراس سے اچانک کھل گئی اور بغیر چپو اور بغیر ملاحوں کے مغربی یورپ کے ساحل پر پہنچ گئی۔"

"اجی ہم تو سمجھتے ہیں کہ آنکھ بند کر کے دھارا پر کشتی چھوڑ اور لنگر توڑ دیجئے اور کہیں سے کہیں

جا نکلے۔

"واہ یہ بھی کوئی کاموں میں کام ہے۔ اس کے کیا آپ کام گنواؤں۔ ایک بہت ہی معمولی سا فائدہ تو گرین لینڈ کے اسکیمو لوگوں ہی کو پہنچ جاتا ہے اس دھارا میں خطِ استوا کی لکڑی بہہ کر ان کے ساحل پر لگ جاتی ہے جس سے وہ لوگ چاقوؤں کے دستے وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ مگر اس کا سب سے بڑا فائدہ تو اور ہی ہے۔ ذرا نقشے پر اس دھارا کا راستہ دیکھو اس پر کون کون سے ملکوں کے ساحل پڑتے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ۔ کینڈا، ولایت فرانس، بلجیم، ہالینڈ، ناروے وغیرہ۔

"بس یوں سمجھ لو کہ یہ گلف دھارا نہیں۔ امرت کی دھارا ہے جس ملک کے ساحل کو چھو گئی اکسیر بنا گئی۔"

"ہیں اکسیر! کیا اس کے پانی سے سونا وونا ہو جاتا ہے۔"

"واہ کیا سونے ہی سے اکسیر بنتا ہے دیکھو اس کی گرمی کی وجہ سے ان ملکوں کی بندرگاہیں بارہ مہینے کھلی رہتی ہیں۔ آب و ہوا میں خوش گوار اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرا نقشے پر نظر ڈالو تو پتہ چلے کہ اس کا درجۂ حرارت پر کتنا گہرا اثر ہے۔ ناروے کے لافٹن جزیروں اور سائبیریا کے شہر ورخویانسک کا عرض بلد ایک ہی یعنی دونوں خطِ استوا سے برابر کی دوری پر ہیں۔ لیکن ان جزیروں کا درجۂ حرارت سائبیریا سے ایک سو ایک درجے فارن ہائٹ بڑھ کر ہے۔ لاڈی واسٹک کی بندرگاہ سال کے اکثر حصے میں جمی رہتی ہے اور جہاز جونک کے توں برف کی بیڑیاں پہنے کھڑے رہتے ہیں۔ ادھر مغربی یورپ کی تجارت سال بھر کھلی رہتی ہے۔

"بھئی ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک دھارا اور یہ عالم گیر اثرات!"

ابھی اس کو ایسی چھوٹی چیز نہ سمجھو اگر اس کی حرارت کو یک جا کر لیا جائے تو وہ دریائے مسسپی کے حجم کے برابر لوہے کو ایسا گلا ڈالے کہ پانی کی طرح بہہ نکلے۔"

"یہ دھارا کام کی تو بہت ہے مگر ہم اتنی بات کہیں گے کہ قدرت نے کچھ بے انصافی ضرور کی۔ کیا ان دیسوں کے لئے ہی یہ دھارا رہ گئی تھی۔ یہی قدرت کے زیادہ لاڈلے تھے۔"

"نہیں اور دیسوں میں بھی گرم رو ہیں اپنا بحرالکاہل کی دھارا کیورو سیو کو ہی لیجئے۔ اسی کی وجہ سے تو جاپان کے جہاز سمندر پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ نہیں تو ولاڈی واسٹک کی طرح اس کی بندرگاہوں میں جہاز یوں جم کر نہ رہ جاتے جیسے آئس کریم میں انناس کا کوئی قتلا۔"

(باقی آیندہ)

عید منائیں

مولوی محمد فیاض الدین خان
رامپور

آؤ بچو عید منائیں — مل کے سب پکوان پکائیں
صبح کو جاکر شام کو آئیں — آؤ بچو عید منائیں
جھولا ڈالیں غزلیں گائیں — گیت سُنائیں پتنگ بڑھائیں
مل کر خوشیاں خوب دکھائیں — آؤ بچو عید منائیں
کاغذ کی اک ناؤ بنائیں — پانی میں اس کو تیرائیں
اپنی صنعت جگ کو دکھائیں — آؤ بچو عید منائیں
بادل آئے کالے ہوا پر — شور مچا ہے کیسا سما پر
باغ میں ہم سب شور مچائیں — آؤ بچو عید منائیں
باغ میں اچھے پھول کھلے ہیں — کیسے پیارے پھول کھلے ہیں
چلتی ہیں وہ مست ہوائیں — آؤ بچو عید منائیں
چڑھ کر ہوا پر بادل آئے — گنگا جمنا سر پہ لائے
پانی برسے خوب نہائیں — آؤ بچو عید منائیں
ہاکی کھیلیں اور کبڈّی — میری ہو کوئی کوئی پھسڈّی
دوڑیں بھاگیں رنگ جمائیں — آؤ بچو عید منائیں
پکّے پکّے آم لگے ہیں — سب میٹھے مصری کے ڈلے ہیں
باغ میں چل کر میوے کھائیں — آؤ بچو عید منائیں
کوئل کی کوکو جو صدا ہے — گھائل اس نے دل کو کیا ہے
راگ پپیہے خوب سنائیں — آؤ بچو عید منائیں

جانکلئے۔

"واہ یہ بھی نوئی کاموں میں کام ہے۔ اس کے کیا آپ کام گنواؤں ایک بہت ہی معمولی سا فائدہ گرین لینڈ کے اسکیمو لوگوں ہی کو پہنچ جاتا ہے اس دھارا میں خط استوا کی لکڑی بہہ کر ان کے ساحل پر لگ جاتی ہے جس سے وہ لوگ چاقوؤں کے دستے وغیرہ بنا لیتے ہیں مگر اس کا سب سے بڑا فائدہ تو اور ہی ہے ذرا نقشے پر اس دھارا کا راستہ دیکھو اس پر کون کون سے ملکوں کے ساحل پڑتے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ۔ کنیڈا، ولایت فرانس، بلجیم، ہالینڈ، ناروے وغیرہ۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ یہ گلف دھارا نہیں۔ امرت کی دھارا ہے جس ملک کے ساحل کو چھو گئی اکسیر بنا گئی۔"

"ہیں اکسیر! کیا اس کے پانی سے سونا وونا ہو جاتا ہے۔"

"واہ کیا سونے ہی سے اکسیر بنتا ہے دیکھو اس کی گرمی کی وجہ سے ان ملکوں کی بندرگاہیں بارہ مہینے کھلی رہتی ہیں۔ آب و ہوا میں خوش گوار اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرا نقشے پر نظر ڈالو تو پتہ چلے کہ اس کا درجہ حرارت پر کتنا گہرا اثر ہے۔ ناروے کے لافٹن جزیروں اور سائبیریا کے شہر ورخو یانسک کا عرض بلد ایک ہی یعنی دونوں خط استوا سے برابر کی دوری پر ہیں۔ لیکن ان جزیروں کا درجہ حرارت سائبیریا سے ایک سو ایک درجے فارن ہائٹ بڑھ کر ہے۔ ولاڈی واسٹک کی بندرگاہ سال کے اکثر حصے میں بند رہتی ہے اور جہاز جون کے تک برف کی بیڑیاں پہنے ٹھہرے رہتے ہیں۔ ادھر مغربی یورپ کی تجارت سال بھر کھلی رہتی ہے۔"

"بھئی ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک دھارا اور یہ عالم گیر اثرات!"

"ابھی اس کو ایسی چھوٹی چیز نہ سمجھو اگر اس کی حرارت کو یک جا کر لیا جائے تو وہ دریائے مسی سپی کے حجم کے برابر لوہے کو ایسا گلا ڈالے کہ پانی کی طرح بہہ نکلے۔"

"یہ دھارا کام کی تو بہت ہے مگر ہم اتنی بات کہیں گے کہ قدرت نے کچھ بے انصافی ضرور کی۔ کیا ان دیسوں کے لئے ہی یہ دھارا رہ گئی تھی۔ یہی قدرت کے زیادہ لاڈلے تھے۔"

"نہیں اور دیسوں میں بھی گرم رو ہیں ہیں۔ بحر الکاہل کی دھارا کیورو سیو کو ہی لیجئے۔ اسی کی وجہ سے تو جاپان کے جہاز سمندر پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ نہیں تو ولاڈی واسٹک کی طرح اس کی بندرگاہوں میں جہاز یوں جم کر نہ رہ جاتے جیسے آئس کریم میں انناس کا کوئی قتلا۔"

(باقی آئندہ)

عید منائیں

مولوی محمد فیاض الدین خاں
رامپور

آؤ بچو عید منائیں — مل کے سب پکوان پکائیں
صبح کو جا کر شام کو آئیں — آؤ بچو عید منائیں
جھولا ڈالیں غزلیں گائیں — گیت سنائیں پتنگ بڑھائیں
مل کر خوشیاں خوب دکھائیں — آؤ بچو عید منائیں
کاغذ کی اک ناؤ بنائیں — پانی میں اس کو تیرائیں
اپنی صنعت جگ کو دکھائیں — آؤ بچو عید منائیں
بادل آئے کالے ہوا پر — شور مچا ہے کیسا سما پر
باغ میں ہم سب شور مچائیں — آؤ بچو عید منائیں
باغ میں اچھے پھول کھلے ہیں — کیسے پیارے پھول کھلے ہیں
چلتی ہیں وہ مست ہوائیں — آؤ بچو عید منائیں
چڑھ کر ہوا پر بادل آئے — گنگا جمنا سر پہ لائے
پانی برسے خوب نہائیں — آؤ بچو عید منائیں
ہاکی کھیلیں اور کبڈی — میری ہو کوئی کوئی پھسڈی
دوڑیں بھاگیں رنگ جمائیں — آؤ بچو عید منائیں
پکے پکے آم لگے ہیں — سب میٹھے مصری کے ڈلے ہیں
باغ میں چل کر میوے کھائیں — آؤ بچو عید منائیں
کوئل کی کو کو جو صدا ہے — گھائل اس نے دل کو کیا ہے
راگ پپیہے خوب سنائیں — آؤ بچو عید منائیں

(۱) جاوید عمر ۱۶ سال بڑا بھائی
(۲) غفور " ۱۲ "
(۳) مجن " ۱۰ " چھوٹا بھائی
(۴) شمو " ۸ " ایک عزیز کی لڑکی
(۵) مولوی صاحب

(دور پہاڑے پڑھنے کی آواز -)

مجن:- چار اکن چار ، چار دون آٹھ ، چار تیئے بارہ ، چار پنجے بارہ ، چار چھکّے چھو۔

غفور:- (ذرا آہستہ آہستہ) مجن او مجن ......
مجن او مجن۔

مجن:- کیا ہے۔

غفور:- آؤ ادھر آؤ ، ہم نے شمو سے موڑ لے لیا۔

مجن:- ابّا صاحب نے کہا ہے کہ تم پہاڑے یاد کرو۔ ہم پہاڑے یاد کر رہے ہیں۔

غفور:- اونہہ مولوی صاحب تو سو گئے ہیں۔ شاید کل سینما دیکھنے گئے تھے۔ ......

آؤ ادھر آؤ۔ (آنے کی آواز)

مجن:- مولوی صاحب نے کہا ہے کہ آدھ گھنٹہ میں سب پہاڑے یاد کرکے فرفر سنا دو۔

غفور:- ارے رے رے ، مجن ، مجن شمو آرہی ہے آ ادھر آ جلدی سے چھپ جائیں گے

مجن:- اچھا اچھا۔

(جلدی جلدی چلنے پھرنے کی آواز)

شمو:- (چلتے پھرتے) ارے ابھی ابھی تو یہیں تھے۔ اچھا دونوں کہیں چھپ گئے ہیں .... دیکھو جہاں چھپ گئے ہو جلدی سے نکل آؤ مولوی صاحب بلا رہے ہیں ...... ہاں

یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔ اچھا یہاں کیا کر رہے ہو
مجن مولوی صاحب نے تو تمھیں پہاڑے یاد
کرنے کو کہا تھا۔ اچھا چلو مولوی صاحب
سے کہہ کے ....

مجن :۔ نہیں شمو دیکھو میری شمو۔ مولوی صاحب
سے نہ کہنا نہیں تو آفت آ جائے گی۔ اچھا
کیا آدھا گھنٹہ ہو گیا۔

شمو :۔ ابھی دس منٹ باقی ہیں آدھے گھنٹے
میں۔

مجن :۔ (گھبرا کر) دس منٹ ارے شمو جا میری
شمو جلدی سے گھڑی کی سوئی گھما دے۔ دس
منٹ میں تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

شمو :۔ کیوں مجن تم ہم کو ایسے کام کرنا سکھاتے ہو۔
مولوی صاحب سے میں سب کہہ دوں گی
.... اچھا غفور کہاں ہے۔

مجن :۔ (روٹھی ہوئی آواز میں) ہم کو کیا معلوم۔

شمو :۔ اگر بتا دوگے تو ہم تمھاری شکایت نہیں
کریں گے۔

مجن :۔ (آہستہ آہستہ) اچھا دیکھو اس کوٹھری
کے پاس جو صندوق ہے بس اُس کے پیچھے چھپے
بیٹھے ہیں

شمو :۔ اچھا (چلنے کی آواز)

شمو :۔ (زرا زور) کیوں میاں غفور یہاں چھپے بیٹھے
ہو۔

(غفور زور سے ہنستا ہے)

غفور :۔ تم کو کس نے بتایا شمو۔

شمو :۔ تم کو کیا کسی نے بتایا۔ ہاں سیدھی طرح وہ
ہمارا کوک سے چلنے والا موٹر دے دو نہیں
تو پھر ہاں۔

غفور :۔ واہ چوری لگاتی ہو۔ ہونہہ ہم تمھارا
سڑیل موٹر کیوں لینے لگے۔

شمو :۔ سڑیل موٹر بڑے اچھے لگتے ہیں۔ آئے
وہاں سے سڑیل موٹر۔

غفور :۔ سچی شمو تمھارا موٹر ہم نے نہیں لیا۔

شمو :۔ ہمارا جیسا ہی موٹر ہے دے دو ہمارا گڈا
گڑیا کس پر سوار ہوں گے۔

غفور :۔ ہمارے پاس ایک گدھا ہے۔

شمو :۔ دیکھو غفور ہم کو چڑھاؤ گے تو اچھا نہ ہوگا
بڑے آئے وہاں سے گدھے والے۔

مجن :۔ ہوں غفور گدھے والے (تالیاں بجاتا ہے)
غفور گدھے والے۔

غفور :۔ اور یہ شمو شمو بھی تو گدھے . . . .

شمو :۔ (روتے ہوئے) ہم کو گدھے والی کہتا ہے
جبھی مولوی صاحب کہتے ہیں بندر، ناک تو
بالکل مینڈک کی سی ہے۔ آنکھیں چینگا ڈنگی سی
ڈیڑھ ٹانگ کا پتلون کیا مل گیا ہے اترانے

لگا۔ (زور زور سے روتی ہے۔)

مجن:۔ (آہستہ آہستہ) روتی ہو۔ شمّو دیکھو مولوی صاحب جاگ پڑیں گے تو۔

شمّو:۔ (روتے ہوئے) میں اس سے بھی زور سے روؤں گی۔

مجن:۔ ارے دے دو نا نہیں تو یہ رو رو کے فیل مچائے گی۔ اور آفت ہمارے تمھارے سر آئے گی۔

غفور:۔ اچھا اچھا شمّو رو مت، رو مت، ہم ابھی تمہارا اچھا موٹر لائے دیتے ہیں۔ لو شمّو لو اپنا موٹر۔ کڑّب۔ گڑیا کو بٹھا دو یا تم خود اس میں ڈٹ جاؤ۔

شمّو:۔ اور اس کا پہیا کہاں غائب ہوگیا۔

غفور:۔ پہیا بہیہ ہونہہ وہ تو پہلے ہی سے ٹوٹا ہوا تھا۔ کیوں مجن ٹھیک ہے نا۔

مجن:۔ ہاں ہاں وہ تو پہلے ہی سے غائب تھا... ...ارے شمّو..... او شمّو تم کہاں جا رہی ہو کھیلو گی نہیں۔

شمّو:۔ (روٹھی ہوئی آواز میں) نہیں ہم نہیں کھیلتے۔

غفور:۔ کہو اب تو ہم نے تمہارا موٹر بھی دے دیا نا۔

شمّو:۔ تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

مجن:۔ نہیں نہیں آؤ میری شمّو ذرا دیر کھیل کے پھر ہم سب چل کر اپنے حصّے کا حلوا کھائیں گے۔ ہم اپنے حصّے کا بھی اپنی شمّو کو دے دیں گے۔ ہاں

شمّو:۔ ہوں بڑے دینے والے۔ ہم سے ہی چھین چھین کے کھا جاتے ہیں۔ اب یہ سب خوشامد کر رہے ہیں کھیلنے کے لئے۔

مجن:۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہے شمّو تم دیکھ لینا۔

شمّو:۔ اچھا کیا کھیلو گے۔

غفور:۔ آنکھ مچولی کھیلیں گے۔

شمّو:۔ لطیفے کہو نا اللہ۔

مجن:۔ اس کے بعد لطیفے کہیں گے۔

شمّو:۔ مگر دیکھو بے ایمانی نہ کرنا نہیں تو پھر ہم چلے جائیں گے۔

غفور:۔ اچھا تو چلو...... مگر آدمی کم ہیں۔ کلو اور محمود کو بھی بلا لیں گے۔

مجن:۔ نہیں گڑبڑ ہو جائے گی۔ چلو ہم تم ہی کھیل لیں...... اچھا آؤ دونوں کھڑے ہو جاؤ باتی ادل بدل، سینک سدل۔ آم ڈال پیپل پان پھول جاؤ غفور تم نکل گئے۔

غفور:۔ اچھا

شمّو:۔ (روتی ہوئی آواز میں) ہوں اب چور کیا ہم کو بناؤ گے۔

مجن:۔ نہیں نہیں تم کو کیوں بنائیں گے۔ ہاں سیدھی کھڑی ہو، ادل بدل، سینک سدل، آم۔

ڈال بیل پان، پھول۔

شمو:۔ (ٹھنکتے ہوئے۔) نہیں ہم نہیں بنتے چور دیکھا غفور مجن نے ہمیں کو چور بنا دیا۔

مجن:۔ ہونہہ ہم نے کیوں بنایا۔ اوّل بدل نے بنایا۔

غفور:۔ نہیں شمو، بات یہ ہے کہ مجن نے اوّل بدل کیا جس پر پھول آیا وہ نکل گیا۔

شمو:۔ نہیں مجن بے ایمانی کرتے ہیں۔ غفور تم اوّل بدل کرو۔

غفور:۔ اچھا۔۔۔۔ سیدھی کھڑی ہو جاؤ۔ اوّل بدل سینک سدل آم ڈال پیپل پان پھول۔۔ ۔۔۔ لو اب بھی تمھیں چور ہوئیں۔

شمو:۔ اچھا ہمیں چور سہی تم بڑے ساہوکار جاؤ چھپ جاؤ۔

غفور:۔ مگر دیکھو شمو آنکھیں ذرا ٹھیک طرح سے میچنا نہیں تو پھر۔۔۔۔۔

مجن:۔ غفور شمو کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیں۔

شمو:۔ (منہ بنا کر) پٹی باندھ دیں بڑے آئے وہاں سے پٹی باندھنے والے۔

غفور:۔ نہیں نہیں ہماری شمو بڑی ایماندار ہے۔ پٹیاں باندھنے کی ضرورت نہیں، چلو چھپ جائیں۔ (چلنے کی آواز) (ایک سکنڈ کا وقفہ)

شمو:۔ آئیں ۔۔۔۔ آئیں ۔۔ آئیں

ایک آواز بدلی ہوئی۔۔۔۔ آؤ (چلنے کی آواز)

شمو:۔ ہاں ہاں بیٹھے ہو تم دونوں۔۔۔۔ ایک ڈنڈا۔ (بھاگنے کی آواز، گرنے اور لڑھکنے کی آواز)

آواز آتے ہی شمو رونا شروع کر دیتی ہے

غفور:۔ ارے رے رے تم گر گئیں شمو اٹھو اٹھو جلدی اٹھو، رو نہیں نہیں تو مولوی صاحب اٹھ بیٹھیں گے۔

شمو:۔ (روتی آواز سے) ہم نے تم کو چھو لیا اب تم چور۔

غفور:۔ ارے واہ، ہم تو تمھیں اٹھانے آئے تھے اور تم ایسا کہہ رہی ہو۔ اب اٹھو اور ہم کو چھوؤ۔

شمو:۔ (روتی آواز سے) نہیں ہم نے تم کو چھو لیا تم چور ہو گئے۔

جاوید:۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟

مجن:۔ بھائی جان ہم تو الگ کھڑے ہوئے ہیں۔

غفور:۔ تو ہم کیا کر رہے ہیں۔ شمو گر گئی تھی اسے اٹھا رہے تھے۔

جاوید:۔ تو یہ گری کیسے

(باقی آئندہ)

ہمارے پچھلے مضمون سے تم نے رات میں وقت کا اندازہ لگانا تو جان ہی لیا ہوگا۔ اب ہم تمھیں سورج سے وقت کی شناخت کا طریقہ بتاتے ہیں۔

دوپہر کی شناخت:-

ہندوستان میں ٹھیک دوپہر کے وقت ہر چیز کا سایہ شمال کی طرف ہوتا ہے۔ اس وقت سورج ہمیشہ جنوب کی طرف رہتا ہے۔ یہ سایہ گرمیوں میں کم اور سردیوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کا رُخ شمال ہی کی طرف رہتا ہے اور ٹھیک دوپہر کے وقت یہ سایہ سب سے کم ہوتا ہے۔

اب اگر تم خطِ شمالی معلوم کرلو تو پھر بڑی آسانی سے دوپہر کی شناخت کرسکوگے۔ اس کا طریقہ تو بہت ہی آسان ہے۔

کسی ہموار جگہ پر ایک دائرہ کھینچ لو اور دائرے کے بیچ میں یعنی مرکز پر ایک سیدھی لکڑی گاڑ دو۔ دوپہر سے پہلے لکڑی کا سایہ مغرب کی طرف پڑے گا۔ جب یہ سایہ دائرے کے اندر داخل ہونے لگے تو فوراً محیط پر نشان کردو اور پھر دوپہر کے بعد جب سایہ مشرق کی طرف پڑنے لگے اور دائرے سے باہر نکلنے لگے تو پھر محیط پر نشان لگادو۔

ان دونوں نشانوں کو مرکز سے ملادو اور ان کا بیچ معلوم کرو۔ بس یہی خطِ شمال ہے۔

جب اس خط پر لکڑی کا سایہ پڑے گا۔ وہی ٹھیک دوپہر کا وقت ہوگا اور یہ سایہ سب سے کم ہوگا۔

طلوع اور غروب کی شناخت:-

سورج نکلنے سے دوپہر تک جتنا وقت گذرتا ہے

تا ہے۔ وقت دوپہر سے سورج ڈوبنے تک گزرتا ہے۔ اگر سورج ساڑھے چھ بجے نکلا تو ساڑھے پانچ بجے ڈوبے گا۔ یعنی ساڑھے پانچ گھنٹے طلوع سے دوپہر تک ہوئے تو ساڑھے پانچ ہی گھنٹے دوپہر سے غروب تک ہوں گے۔

سال میں صرف دو مرتبہ ۲۲ر مارچ اور ۲۲ر ستمبر کو دن رات برابر ہوتے ہیں۔ بارہ گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور بارہ گھنٹے کی رات ہوتی ہے۔ ۲۲ر جون کو دن سب سے بڑا تیرہ گھنٹے اور بیالیس منٹ کا اور رات سب سے چھوٹی دس گھنٹے اٹھارہ منٹ کی۔ ۲۲ر دسمبر کو اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ رات سب سے بڑی تیرہ گھنٹے بیالیس منٹ کی اور دن سب سے چھوٹا دس گھنٹے اٹھارہ منٹ کا۔

ہر تین مہینے میں صبح و شام دن اور رات اکیاون اکیاون منٹ کم اور زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہر مہینے میں سترہ سترہ منٹ یعنی چونتیس منٹ اور ایک منٹ سے کچھ زیادہ روزانہ دن اور رات کم زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔

پیامِ تعلیم کا سالنامہ سعادت کی نظر میں

(سعادت لاہور اپریل [illegible])

پیامِ تعلیم (ماہوار) دہلی قرول باغ

پیامِ تعلیم یہی نہیں کہ ہندوستان کے چوٹی کے پرچوں میں سے ہے بلکہ ہندوستان بھر میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے اس پرچے کے ذریعے سے ہندوستان ہی نہیں باہر کے ملکوں کے بچوں کی بھی خوب تربیت کی ہے۔ اس پرچے میں معلومات اتنی ہوتی ہیں کہ بچے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی پیامِ تعلیم کا سالگرہ نمبر شائع ہوا ہے ہمارے محترم دوست حسین حسان صاحب نے کمال محنت کی ہے اس میں ایسے ایسے مضمون اور ایسی ایسی نظمیں شائع کی ہیں جن کے مطالعے سے دل دماغ کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

نہایت مناسب اور اچھے موضوعوں پر مضمون نظر آتے ہیں۔ کارٹون بہت دلچسپ۔ تصویریں نہایت اعلیٰ اور صاف۔ لکھائی چھپائی کا تو کیا کہنا غرض ہر لحاظ سے سالگرہ نمبر کامیاب ہے۔ اس کامیابی پر اگر ہم حسین حسان صاحب کو مبارکباد نہ بھی کہیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ پیامِ تعلیم کا ایک ایک لفظ اپنے اندر مبارکباد کا پیغام رکھتا ہے۔ ہماری دعا ہے۔ خدا اس پرچے کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے اس کی کامیابی میں ویسے تو بہت اچھے اچھے مضمون نگاروں کا ہاتھ ہے۔ لیکن شفیع الدین صاحب نیر کی خاص کوشش بھی متعدد نظموں کی صورت میں نظر آتی ہے۔

"مدیر"

"کوئی ہے ؟"

"کنیز حاضر ہے جہاں پناہ!" رشتاگنی نے کہا

"رشتاگنی چم کہاں ہیں؟ نظر نہیں آتیں" شاہنشاہ نے پوچھا۔

"جہاں پناہ! شہزادی چم چم شانہ ناریل کے درخت پر چڑھی ناریل توڑ رہی ہیں۔"

لونڈی نے جواب دیا۔

"بہت شوخ ہے ہماری بچی! لیکن.... چمرغ"

"عالم پناہ" چمرغ نے جواب دیا۔

"عالم پناہ کے بچے۔ تو یہاں کھڑا ہے اور شہزادی خود درخت پر چڑھی پھل توڑ رہی ہے۔"

"عالم پناہ! گی گا گا! میں نے تو......."

"خاموش! ہماری بارگاہ میں جواب دینے کی جرأت! کوئی ہے؟"

"سحرنا حاضر ہے۔ شہنشاہ" سحرنا نے ادب سے جواب دیا۔

"سحرنا! جلاد سے کہو کہ چمرغ کو تارے آنا ہکا دے۔ ہمارے یہاں کام چوری کی یہی سزا ہے۔" شہنشاہ نے حکم دیا.......

بوڑھے شہنشاہ پشپانگ رڈگی گاگا اور ملکہ گرگاز کے دو ہی بچے تھے ایک شہزادی چم چم شانہ' دوسرا شہزادہ لپشگنڈہ" شہزادہ تو ابھی ننھا ہی تھا لیکن شہزادی ماشاءاللہ ساٹھ ستر سال کی ہوگئی تھیں اپنی ماں کی طرح کالی تو نہ تھیں لیکن ہاں۔ خوب صورت بہت تھیں۔ شہزادی پر ایک دیو عاشق تھا۔ اس لئے بےچاری کسی سے شادی نہ کر سکتی تھی۔ دو ایک مرتبہ اس کی شادی مختلف شہزادوں سے ہوئی لیکن اِدھر نکاح ختم ہوا، اُدھر دولھا میاں خون میں رنگے سچ مچ کے دولھا بن گئے۔ اور تھوڑی دیر میں پھڑک پھڑک کر مر گئے تھے۔ تین شہزادے اسی طرح مارے گئے تو اب شہزادی سے شادی کرنے کی کس میں ہمت

تھی۔ شہزادی نہ کسی سے بولتی تھی نہ چالتی تھی بس گم سُم کبھی
درختوں پر کبھی غاروں میں۔ کبھی محل میں اپنی زندگی کے
دن گزارتی تھی۔ بادشاہ اور ملکہ بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر روتے
تھے لیکن کیا کرسکتے تھے۔ یہ بات تو ان کے بس کی تھی نہیں کہ
اس دیو کو جس کا نام غنتارا" تھا مار ڈالتے یا جلا دیتے۔ دیو
ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو رات کے ۲ بجے آتا۔ راستے میں
جو ملتا اسے مار ڈالتا اور جب تک شہزادی کو تلاش نہ
کرلیتا۔ محل کا کچھ نہ کچھ نقصان کرتا رہتا۔ جب شہزادی
مل جاتی تو اسے مارنا شروع کرتا۔ اتنا مارتا کہ غریب بیدم
ہوجاتی۔ پھر دروازے پر آتا پچاس گاڑی گلگلے اصلی
چربی میں تلے ہوئے تیار رہتے۔ انھیں کھاتا۔ ایک
کنواں پانی پیتا اور جدھر سے آیا تھا اسی طرف چلا جاتا۔

گنتارا ریاست کے شمال کی طرف اگر ۱۰۰ میل آپ
چلے جائیں تو ایک میدان بہت سرسبز و شاداب ملے
گا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں جنات کی حکومت ہے
وہ لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ کوئی شخص بغیر نہائے اس
میدان سے نکل گیا تو کبھی واپس نہ آسکا۔ جنوں کا بادشاہ
شاہ طغرم" بہت نیک بادشاہ تھا اور اپنی ریاست
"تیکچ پھکرا" کا حکمران تھا۔ غنتارا اس کا سپہ سالار تھا۔
۲۰ برس پہلے ایک دن غنتارا الّو کے بھیس میں محل
کی دیوار پر آ بیٹھا۔ شہزادی تیر کمان لئے جا رہی تھی اس
نے ایک تیر الّو کے مارا۔ وہ آنکھ میں لگا۔ اس طرح
غنتارا کانا ہوگیا اور اب وہ شہزادی سے روز بدلا لیا
کرتا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ کس طرح غنتارا کو مارا جائے۔
کیوں کر مارا جائے۔ کوئی تدبیر کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی
آخر ایک دن شہنشاہ پشپانگرو گی گاگانے ایک عام
دربار کیا جس میں اس کے بارھوں وزیر حاضر تھے۔

شہنشاہ نے نہایت غمگین آواز میں سارے واقعے کو
بیان کیا۔ شہزادی کی چوٹیں دکھائیں۔ آخر میں کہا مجھے
اپنے وزیروں سے بہت کچھ توقع ہے۔ امید ہے کہ
وہ کوئی نہ کوئی راستہ بہتری کا پیدا کرلیں گے۔ ان میں
جو سب سے بڑا وزیر تھا اس کا نام عرل تھا۔ اس کی
عمر سترہ سو سال تھی۔ یہ بہت تجربہ کار اور سمجھ دار وزیر
تھا۔ اس وزیر نے کہا۔

"میرے بچے! میرے شاہنشاہ، غنتارا کی موت
صرف جادو کے زور سے ہوسکتی ہے۔ آپ کی ساری
فوج اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ اسے تدبیر سے مارنا
چاہیئے۔ بہتر ہے کہ ہندوستان سے کسی جادوگر کو بلایا
جائے۔ اور اس سے یہ کام لیا جائے۔"

وزیر گنسو نے کہا: جہاں پناہ! ایک ہندوستانی
جوان دریائے نیل کے چھپنے آبشار کے پاس آنکھیں
بند کئے دو سال سے بیٹھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ وہ کسی خیال میں گُن ہے۔ اگر اس جوان سے کام لیا
جائے تو اور بھی بہتر ہے۔" لیکن اس کو کون لے کر
آئے گا۔ شاہنشاہ نے کہا

"میں! بابا جان" شہزادی چم شانہ بولی

"تم! تم کیسے انھیں لا سکتی ہو شہزادی؟"
"میں ان کی خدمت کروں گی۔ انھیں خوش کر کے یہاں لاؤں گی۔ پھر اس نابکار کو جہنم رسید کراؤں گی"
شہزادی نے کہا
"اچھا جاؤ خدا حافظ"
شہزادی کو فوج کا ایک دستہ دریائے نیل پر چھوڑ آیا۔ یہاں شہزادی نے دیکھا کہ ایک جوان آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے آبشار اس کے اوپر گر رہا ہے۔ وہ ہے کہ بے خبر۔ بس آہستہ آہستہ ہونٹ ہل رہے ہیں۔ شہزادی حیران و پریشان کھڑی رہی۔ ایک دن دو دن پورے تین ہفتے گزر گئے آخر ایک دن پانی کم ہوا اور نوجوان نے آنکھیں کھولیں۔
سامنے ایک سیاہ سایہ نظر پڑا وہ غریب سمجھا کہ جبرئیل ہے۔ جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ شہزادی نزدیک آئی۔ اور نوجوان کے قدموں پر گر پڑی اور رو رو کر اپنی بپتا سنائی۔ نوجوان کا دل بھر آیا۔ اس نے کہا سامنے جو پیڑ کھڑا ہے اس کے پتے توڑ لاؤ۔ شہزادی دوڑی دوڑی گئی اور پتے توڑ لائی۔ اب آگ کی ضرورت ہوئی۔ پتھروں کو رگڑ رگڑ کر آگ جلائی گئی۔
اب نوجوان نے ایک دائرہ کھینچا اس میں خود بیٹھ گیا دوسرے دائرہ میں شہزادی کو بٹھایا۔ اور کچھ الفاظ پڑھنے لگا۔ شہزادی نے سنا نوجوان کہہ رہا ہے
آتا کھنڈا لنگاٹاٹ تیتے گاڑی چلی پاٹ
اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک آندھی آئی اور دائرے کے چاروں طرف چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔ نوجوان آگ پر پتھر مار رہا تھا اور باہر ایسی چیخیں سنائی دیتی تھیں جیسے کسی کے سر پر گھن پڑ رہا ہو۔ آخر چیخیں ختم ہوئیں میدان صاف ہوا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا دیو مرا پڑا ہے۔
شہزادی نے پہچانا اور نوجوان کی طرف دیکھا اس کے قدموں پر گر کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اب شہزادی اور نوجوان بہت جلد بے تکلف ہو گئے۔ شہزادی نے پوچھا
"آپ یہاں کیسے آئے تھے؟"
نوجوان نے کہا "کہ اس آبشار کے نیچے جواہرات کا خزانہ ہے۔ اسے لینے آیا ہوں، لیکن میں اکیلا اس کو نہیں لے جا سکتا۔"
شہزادی نے اپنے یہاں سے فوج بلوائی اس نے خزانہ نکالا۔ پھر شہزادی اپنے باپ کے پاس نوجوان کو لے گئی۔ شہنشاہ نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور اس کو اپنے کے "غدیدی" پر سوار کرا کے بنگال بھیج دیا۔
تھوڑے دنوں بعد شہزادی کی شادی ایک شہزادے سے ہو گئی اور دو سو برس جب شہنشا پشپانگڑ دگی گاگا اس دنیا سے چل بسے تو اس ملک کے دستور کے مطابق بادشاہت کا تاج شہزادی کے سر پہ رکھا گیا۔ جیسی ان کی پھیری۔ خدا سب کی پھیرے

اجمیر شریف

۱۸ر جنوری جمعہ کا مبارک دن ہے۔ ۹ بجے کے قریب ہم اجمیر پہنچے۔ سامان اسٹیشن کے قریب ہی عبدالوحید کے ایک عزیز کی دکان پر رکھ دیا۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ باقی تمام لڑکوں کو چھوڑ اور صرف مجھے ساتھ لے عوض صاحب جناب حکیم نظام الدین صاحب کے ہاں پہنچے۔ حکیم صاحب ہماری جامعہ کے پرانے ہمدرد ہیں۔ اُن سے تو ملاقات نہ ہو سکی لیکن اُن کے لڑکے حکیم نصیر الدین صاحب ملے۔ یہاں کا نقشہ بھی کچھ اُلٹا ہی نظر آیا۔ حکیم صاحب کہنے لگے ٹھہرنے کا انتظام تو نہیں ہو سکتا آج کل مہمان آئے ہوئے ہیں۔ مکان کوئی بھی خالی نہیں ہے آپ کے پاس اطلاع تو پہنچ ہی گئی ہوگی۔

ہم نے بس یہ کہا کہ آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ دن میں شہر کی سیر کریں گے رات کو یہاں سے چلے جائیں گے۔ "کھانا کہاں کھائیے گا؟" حکیم صاحب نے کہا۔ "جی گھومتے پھرتے کہیں راستے میں کھالیں گے" ہم نے جواب دیا۔ "تو پھر یہیں کھائیے گا جو حاضر ہوگا پیش کر دیا جائے گا۔ آپ لوگوں کے لئے کوئی خاص تکلف تو ہوگا نہیں اور ہاں نماز جمعہ کے لئے تو آپ درگاہ شریف میں ضرور آئیں گے۔ کچھ منٹ پہلے آجائیے گا"۔

اُن کی اِن باتوں نے ہمیں مجبور کر دیا اور اقرار کرتے ہی بنی۔ اُن سے مل کر واپس لوٹے اور شہر دیکھنے نکلے۔

جینیوں کا مندر اور دولت باغ دیکھا۔ آنا ساگر جھیل اور شاہ جہاں کی بنوائی ہوئی سنگ مرمر کی بارہ دری دیکھی۔ جھیل کے ایک کنارے بارہ دری اور تین طرف پہاڑوں کا منظر دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ واپسی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

چلّا دیکھا۔ مزار دلّی میں دیکھ چکے تھے۔

دوپہر کا کھانا حکیم صاحب کے ہاں کھایا۔ جس محبت اور خلوص سے اُنھوں نے ہمیں کھانا کھلایا وہ یاد رہے گا۔ اپنے بچّوں کی طرح اُنھوں نے ہمیں سمجھا۔

جُمعہ کی نماز درگاہ میں ادا کی۔ درگاہ حکیم صاحب کے مکان کے پاس ہی ہے۔ بس ایک گلی بیچ میں ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی، غریب نواز، سلطان الہند کا مزار دیکھا۔ فاتحہ پڑھی اور عقیدت کے پھول چڑھائے۔ درگاہ کے احاطے میں اکبری مسجد، صندل مسجد، جامع مسجد، بلند دروازہ اور محفل خانہ دیکھا، وہ دونوں دیگیں بھی دیکھیں جن میں ۱۲۰ من اور ۶۰ من چاول ایک وقت میں پک سکتے ہیں۔ اور کچھ یاد رہے نہ رہے۔ درگاہ کے مجاور ضرور یاد رہیں گے۔

درگاہ کے سامنے قوّالی ہو رہی تھی۔ قوّال حضرت جگرؔ کی ایک غزل گا رہا تھا۔ ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔

میرا جو حال ہو سو ہو برقِ نظر گرائے جا
خواجہ میں یوں ہی نالہ کش رہوں خواجہ، تو یوں ہی مسکرائے جا

درگاہ سے نکل کر ڈھائی دن کا جھونپڑا دیکھا پھونس کا نہیں پتھروں کا۔ جھونپڑا سا نہیں بہت بڑا کہتے ہیں کہ یہ عمارت ڈھائی دن میں بن گئی تھی۔ بن گئی ہوگی۔ انسان تو بنا سکتے نہیں۔ جنوں نے بنائی ہوگی۔

اب ہم ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ رہے ہیں بڑے پیر کا چلّا دیکھنا ہے۔ اوپر پہنچے ہشت پہلو عمارت ہے۔ صرف تین چار آدمی اندر بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔

اتنی بلندی سے اجمیر کا منظر دیکھنے کے قابل ہے۔ قدرتی قلعہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑیاں بیچ میں آبادی۔ شام ہوتے ہوتے وہاں سے لوٹے نوابوں اور راجوں کے لڑکوں کا کالج دیکھنا تھا۔ ریل میں سے ایک جھلک دیکھ چکے تھے۔ دو میل کے قریب پیدل چل کر کالج کے دروازے پر پہنچے۔ وقت ہو چکا تھا۔ سنتری نے ہم سے کہا۔ ہم نے دور سے بس یہ دیکھا کہ سنگ مرمر کی ایک بڑی اور خوب صورت عمارت ہے۔

رات کا کھانا بھی حکیم صاحب کے ہاں کھایا اس وقت دن سے بھی زیادہ تکلف تھا۔ [illegible] اور اگر کہیں پر تکلّف ہوتا تو من و سلویٰ ہوتا۔ پیٹ بھر چکا تھا ہاتھ روکنے کی اجازت نہ تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر اسٹیشن کا ارادہ کیا۔ حکیم صاحب کے عزیز اور ہمارے نئے دوست الیاس اختر اور سلیم اختر بھی ہمارے ساتھ ہو۔ سامان اُٹھا اسٹیشن پہنچے۔ ہمارے نئے دوستوں نے بھی ہمارا ہاتھ بٹایا۔ تھوڑی دیر میں نصیر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ ہمارے لئے ایک نوکری

کیلے، سنترے، امرود اور پپیتے منگا دیئے۔
گاڑی چھوٹنے میں دیر تھی۔ الیاس اور سلیم سے دلچسپ باتوں میں وقت کاٹا۔ رات کے دس بجنے والے ہیں۔ ہماری گاڑی دہلی ایکسپریس پلیٹ فارم پر کھڑی ہے پھر حکیم صاحب اور کچھ ہماری کوشش سے آدھا ڈبہ ہمارے قبضہ میں تھا۔ لیکن فرش گنے کے چھلکوں سے سفید ہو رہا تھا اسے صاف کیا۔ سامان ٹھکانے سے رکھا اور بستر بچھا لئے۔ تین سو چار میل کا سفر احمد آباد تک طے کرنا ہے۔ مسلسل چودہ گھنٹے اس گاڑی میں گذارنا ہیں۔ گاڑی چل پڑی نصیر صاحب اور ہمارے نئے دوست ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے اور خدا حافظ کہا۔

احمد آباد

آج ۳ جنوری ہے۔ ہفتے کا دن ہے۔ ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں ہماری گاڑی احمد آباد کے اسٹیشن پر کھڑی ہے ہم اپنا سامان اتار رہے ہیں۔ منظور کے ایک عزیز جناب نظام الدین صاحب ہمیں لینے کے لئے پلیٹ فارم پر موجود ہیں۔

ہمارا سامان دیکھتے ہی کئی قلی ہمارے گرد آکر جمع ہو گئے لیکن ان کو اس وقت بڑی مایوسی اور حیرت ہوئی جب ہم اپنا سامان خود اٹھا کر کلوک روم کی طرف جانے لگے۔ بڑے بڑے پلندے جو گنتی میں سات تھے یہاں رکھ دیئے۔ ایک عدد کے دو آنے دینے پڑتے ہیں۔ بس دو چار ہلکی پھلکی چیزیں ہمارے پاس تھیں

نظام الدین صاحب کو کچھ کام تھا۔ انھوں نے ایک صاحب کو ہمارے ساتھ کر دیا جو ہمیں سیٹھ ولی اللہ صاحب کے ہاں لے گئے۔ جس کمرے میں ہم جا کر بیٹھے وہ کمرہ کیا تھا اچھی خاصی نمائش گاہ تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم وہاں کی چیزوں کو دیکھنے لگے۔ ہم میں سے بعض تو بھونچکے ہو کے رہ گئے۔ کوچوں پر بیٹھنے کے بجائے فرش ہی پر بیٹھ گئے۔

دوپہر کا کھانا سیٹھ صاحب کے ہاں کھایا۔ کھانے کے دوران میں وہ ہمارے پاس ہی کھڑے رہے مزے مزے کی باتیں کرتے اور دیکھتے جاتے کہ کہیں ہم تکلف تو نہیں کر رہے ہیں "بیٹا کھاؤ، بچہ کھاؤ" کہہ کہہ کر انھوں نے ہمیں خوب کھلایا۔ کھانے میں ایک چیز بڑی دلچسپ تھی وہ ایک خاص قسم کی روٹی تھی جسے وہ اپنی زبان میں مانڈہ اور ہمارے سمجھانے کے لئے نان ململ کہتے تھے۔ روٹی کیا تھی۔ اچھا خاصا میز پوش تھی اور وہ بھی گول۔

ہم کھانا کھا ہی چکے تھے کہ نظام صاحب کے ڈرائیور ہمیں احمد آباد کی سیر کرانے کے لئے آ گئے۔ اس وقت وہ بغیر موٹر کے ڈرائیور تھے۔ ہم سب سیر کے لئے پیدل ہی چل کھڑے ہوئے۔

شہر بہت وسیع اور صاف ہے۔ بسوں کا

بڑا اچھا انتظام ہے۔ تانگے خوب صورت اور آرام دہ
ہوتے ہیں۔ گھنٹے گھر جگہ جگہ پر نظر آتے ہیں۔ تجارتی
مرکز ہے۔ ملوں کی اونچی اونچی چمنیاں ہر طرف
دکھائی دیتی ہیں۔ عام زبان گجراتی ہے۔

تاریخی عمارتوں میں یہاں کی جامع مسجد کا شمار
ہندوستان کی بہترین مسجدوں میں ہے۔ سیدی سید
کی مسجد چھوٹی ہے لیکن کھڑکیوں کی جالیوں میں سنگ تراشی
کا کمال نظر آتا ہے۔ ان کے علاوہ رانی روپ متی کی
مسجد، احمد شاہ اور ان کی بیگم کا مقبرہ اور تین دروازے
بھی دیکھنے کی چیزیں ہیں۔

یہ سب دیکھنے کے بعد ہم New Rajpur
Mills دیکھنے گئے۔ مل کے مالک جناب پٹیل صاحب
کی موجودگی کی وجہ سے مل کا ہر ہر شعبہ ہم تفصیل کے
ساتھ دیکھ سکے۔ انھوں نے ہمیں چائے بھی پلائی۔
اور ایک خط بھی لکھ دیا جس کے ذریعے ہم نے اُن کا
بڑودہ میں اونی کپڑے بننے کا مل بھی دیکھ لیا۔ واپسی
میں داؤدی فرقے کی ایک مسجد دیکھی۔ بہت شاندار
عمارت ہے۔

ایک طرف تو یہ شان ہے کہ شہر اپنی قدیم عمارتوں
کے لحاظ سے مشرق کی صورت نظر آتا ہے اور دوسری
طرف روئی کے کارخانوں کی فلک بوس چمنیاں سر اٹھائے
ہوئے اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ یہاں مغرب کا اکھاڑا
بھی جما ہوا ہے۔

غرض احمد آباد کا شہر مشرق اور مغرب کی گنگا جمنا
ہے جو شاید آپ ہی اپنا جواب ہے۔

رات کا کھانا بھی سیٹھ صاحب کے ہاں
کھایا۔ کھانا کھاتے ہی پیدل چلنے کی ساری تھکن
دور ہو گئی تھی اور کھانے کے ساتھ ساتھ احمد آباد
کی سیر کا پروگرام بھی ختم ہو گیا تھا۔

ساڑھے نو بجے کی گاڑی سے ہمیں بمبئی جانا تھا
۹ بجے کے قریب اسٹیشن پہنچے کلوک روم سے
سامان لیا۔ گجرات میل پلیٹ فارم پر کھڑا تھا ایک
چھوٹے سے ڈبے کو خالی پاکر ہم پھولے نہ سمائے۔
جلدی جلدی تمام سامان اس طرح جا کر دے مار
اور کھڑکیوں میں جا کر ایسے کھڑے ہو گئے جیسے اس
ڈبے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ گاڑی مسافروں سے
کھچا کھچ بھر گئی تھی لیکن کسی نے ہمارے ڈبے کا رخ
بھی نہ کیا۔ گاڑی چلنے سے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے نظام الدین
صاحب ہمیں رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن پر تشریف
لے آئے تھے۔ آپ گورنمنٹ کی طرف سے
Controller of Mills ہیں بڑے خوش مزاج
اور خلیق آدمی ہیں۔ جامعہ سے ہمدردی رکھتے ہیں
حقیقت یہ ہے کہ محض آپ کی وجہ سے ہم احمد آباد
دیکھ سکے۔

ٹھیک ۹ بج کر ۲۰ منٹ پر ہماری گاڑی روانہ ہو گئی
تھی۔ سب اپنا اپنا بستر بچھا کر مزے سے پاؤں پھیلا کر لیٹ گئے

بچّوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر کی اصلاح کے بعد

ایمان داری کا پھل

عبدالحمید قریشی میدک

ایک لڑکا تھا بہت سچا بہت ایمان دار
نام اُس کا تھا وصی باپ اُس کا تھا دکان دار

مدرسے میں پڑھ رہا تھا اور سب کا یار تھا
تھا بہت چھوٹا مگر چالاک اور ہوشیار تھا

کھیل کے میدان میں اک دن ہوا اُس کا گذر
اک چمکتی چیز پر اک دم پڑی اُس کی نظر

اُس نے جو دیکھا اُٹھا کر ہاتھ کی تھی اک گھڑی
دو خیال آئے یہ اُس کے دل میں فوراً اس گھڑی

ایک کہتا تھا گھڑی دے دو اُسے جس کی ہے وہ
دوسرا کہتا تھا کیوں دو مفت میں ملتی ہے وہ

بے ایمانی کو شکست اور فتح حق کو ہو گئی
بول اُٹھا اک دم وہ یہ نہیں میری گھڑی

صبح آکر مدرسے اُستاد کو دی وہ گھڑی
صاحبِ موصوف سے خوب اُس کو شاباشی ملی

وہ ہے اس تاک میں موقع کوئی ایسا ملے
اچھا پھل ایمان داری کا ضرور اس کو ملے

منعقد اس مدرسے میں ایک دن جلسہ ہوا
خوب تقریریں ہوئیں انعام بھی سب کو ملا

اور گھڑی وہ مل گئی اس لڑکے کو انعام میں
اس کی نیکی بھی ہوئی مشہور خاص و عام میں

دیکھ لو بچّو یہی ایمان داری کا ہے پھل
گر ہو ایمان دار ایسا ملے تم کو بھی پھل

تارا
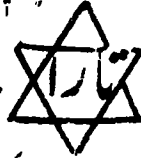
شیخ عبدالرحیم اسعد متعلم جماعت ہفتم دیوا

اے آسماں کے تارے ۔ اے پیارے پیارے
اے چرخ کے شرارے ۔ اے ننھے مُنّے تارے
اے میرے ماہ پارے

تجھ سے فلک مزیّن ۔ کھڑا ہے تیرا روشن
قربان تجھ پہ تن من ۔ اے ننھے منے تارے
اے میرے ماہ پارے

تو پاس میرے آجا ❊ فکرِ جہاں مٹا جا
آجا مجھے لُبھا جا ❊ اے ننھے مُنے تارے
اے میرے ماہ پارے

دل کا سرور ہے تو ❊ آنکھوں کا نور ہے تو
بے بس ہوں دور ہے تو ❊ اے ننھے مُنے تارے
اے میرے ماہ پارے

تیرا وقار اتنا ❊ خالق نے کیوں بڑھایا
یہ بھید تو بتا جا ❊ اے ننھے مُنے تارے
اے میرے ماہ پارے

تجھ میں یہ آب کیوں ہے ❊ تجھ میں یہ تاب کیوں ہے
تو صاف و ناب کیوں ہے ❊ اے ننھے مُنے تارے
اے میرے ماہ پارے

اسعد کا کہنا سُن لے ❊ آجا قریب میرے
اب کر نہ تو بہانے ❊ اے ننھے مُنے تارے
اے میرے ماہ پارے

بارش کا گیت

ذاکر حسین امداد علی - عمر ۹ سال

سرسبز وادیوں میں ❊ خوش رنگ گھاٹیوں میں
لہراتی جا رہی ہوں
اور گیت گا رہی ہوں

جنگل میں بستیوں میں ❊ لہراتی کھیتیوں میں
اک غُل مچا رہی ہوں
اور گیت گا رہی ہوں

پھولوں کو اور پھلوں کو ❊ گلشن کو اور بنوں کو
دل کش بنا رہی ہوں
اور گیت گا رہی ہوں

باغوں میں گھومتی ہوں ❊ پھولوں کو چومتی ہوں
موتی لُٹا رہی ہوں
اور گیت گا رہی ہوں

گاتے ہیں بچے بوڑھے ❊ اور ساتھ میں بھی اُن کے
تانیں اُڑا رہی ہوں
اور گیت گا رہی ہوں

خوش کر کے ہر بشر کو ❊ نہلا کے ہر شجر کو
اب میں جا رہی ہوں
اور گیت گا رہی ہوں

محنت

حسن اصغر کاظمی - انبالہ

یہ فرض ہے ہمارا محنت سے کام کرنا ❊ اس کے بغیر یارو مشکل ہے کام چلنا
اس آسماں کے نیچے رہنا بہت ہے مشکل ❊ اس کے لئے کہ جس نے محنت سے جی چرایا
کی ہم نے خوب محنت ہوگی ہماری عزت ❊ محنت سے کام لینا ہر چیز سے ہے اچھا
زینہ بلندیوں کا محنت کو تم سمجھ لو ❊ وقت اپنا مت گنواؤ یہ ہے اگر ہو پڑھنا
ناصر کی بات مانو کچھ کر کے تم دکھاؤ ❊ دو دن کی زندگی ہے دو دن کا ہے زمانہ

چور کی چالاکی

محمد اسد طاہر خلیلی ۔ ایبٹ آباد

ایک چور رات کو چوری کرنے کے لئے جا رہا تھا کہ راستے میں اُسے ایک سپاہی نے بازو سے پکڑ لیا اور پوچھا ۔ تُم کون ہو اور کہاں جاتے ہو؟ چور ڈر گیا اور اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے یک لخت کہا ۔ آہ! چھوڑیے اس جگہ درد ہے ۔ سپاہی نے اُسے چھوڑ دیا اور چور ہاتھ کے چھوٹتے ہی ہوا ہوگیا ۔

برساتی

جمیلہ خانم ۔ گورکھ پور ۔ عمر ۸ سال

ایک روز زوروں سے بارش ہو رہی تھی ۔ ہوا بھی بہت تیز تھی ۔ ابا جان بیٹھے ہوئے تھے ۔ اُن کے ہاتھ میں قلم تھا ۔ ایک کاپی پر کچھ لکھ رہے تھے ۔ کچھ دیر بعد کوئی ضرورت پیش آئی ۔ بازار جانے کا ارادہ کیا ۔ گھر میں کوئی چھتری نہ ملی ۔ غالبًا ماموں جان لے کر چلے گئے ہوں گے ۔ میں نے دل میں سوچا وہ اب ہرگز باہر نہیں جا سکتے پانی زوروں سے پڑ رہا ہے ۔ ابا جان کمرے سے باہر آئے ۔ میں نے دیکھا شیروانی کے اوپر اُنھوں نے ایک بہت موٹے کپڑے کی اور شیروانی پہن لی ہے ۔ مجھے ہنسی آئی اور تعجب بھی ہوا ۔ میں نے کہا اب بھیگ جائیے گا ۔ اُنھوں نے ہنس کر کہا نہیں بیٹا میں نہیں بھیگ سکتا ۔ میں نے برساتی پہن رکھی ہے ۔ مجھے اور تعجب ہوا ۔ میں نے کہا برساتی کیا بلا ہے ؟ آخر یہ بھی کپڑے ہی کی بنی ہے نا ۔ سب کپڑے بھیگ جاتے ہیں اِس کو بھی بھیگ جانا چاہئے جب ابا جان بازار سے واپس آئے تو میں نے برساتی کو خوب اُلٹ پلٹ کر دیکھا واقعی اس کی اوپری سطح تر تھی لیکن استر بالکل خشک تھا ۔ اسی دن سے مجھے معلوم ہوگیا کہ برسات کے دنوں میں برساتی بہت عمدہ چیز ہے اس لئے کہ اس سے پورا جسم پانی سے محفوظ رہتا ہے ◆

رحم

سلطان احمد وارثی کان پور

ایک مکھی اُڑتے اُڑتے تالاب میں گر پڑی ۔ اس کے پر پانی میں بھیگ گئے اور غوطے کھانے لگی ۔ ایک کبوتر پیڑ پر بیٹھا یہ ماجرا دیکھ رہا تھا ۔ وہ اُڑ کر ایک پتہ لے آیا اور پانی میں ڈال دیا ۔ مکھی جوں توں کرکے اس پر تھم گئی ۔ جب اس کے پر سوکھ گئے تو اُڑ گئی ۔

تھوڑے دنوں بعد اسی جنگل میں ایک شکاری آیا ۔ ایک پیڑ پر وہی کبوتر بیٹھا تھا ۔ شکاری اس کبوتر پر اپنی بندوق سے نشانہ لگا ہی رہا تھا کہ وہی مکھی جس کی اس کبوتر نے مدد کی تھی جلدی سے اُڑی اور شکاری کے پیر میں ڈنک مار دیا ۔ نشانہ خطا ہو گیا اور مکھی بھی اُڑ گئی ۔

کسی کا بُرا نہ سوچنا چاہئے

جگ جیت سنگھ سید صو ٹونگ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شکاری شکار کو جنگل میں گیا ۔ وہ بہت دیر تک جنگل میں گھومتا رہا ۔ مگر اُسے کوئی شکار نہ ملا ۔ آخر کار تھک کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا اور اپنے جھولے میں سے روٹی نکالی اور نوالا کھانے ہی کو تھا کہ جس درخت کے نیچے وہ بیٹھا تھا اس پر ایک شکرا اُڑتا ہوا دکھائی دیا ۔ شکاری شکرے کو دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک جوڑا کبوتروں کا بیٹھا ہے ۔ یہ دیکھ کر جھٹ سے بندوق اُٹھائی اور شست باندھ لی ہی دبانے ہی کو تھا کہ پاس کی گھاس میں سے ایک کالا سانپ نکلا اور اس کے پاؤں میں اس زور سے کاٹا کہ نشانہ چوک گیا اور گولی شکرے کے جا لگی ۔ شکرا اور شکاری دونوں گر کر مر گئے اور کبوتروں کا جوڑا خوشی خوشی اُڑتا ہوا اپنے گھونسلے میں چلا گیا ۔

ایک لڑکی کی بہادری

محمد سلیم ، کان پور

کسی گاؤں میں ایک غریب لڑکی رہتی تھی ایک دن وہ جنگل میں لکڑیاں چننے جا رہی تھی ۔ اچانک ایک شیر سامنے آ گیا ۔ پہلے تو وہ جھجکی مگر پھر مقابلے پر آ گئی ۔ اور کلہاڑی سے اس پر حملہ کر دیا ۔ یہاں تک کہ شیر مر گیا ۔ اب اس نے شیر کی کھال اُتروائی ۔ اس زمانے میں شیر کی کھال بہت قیمتی ہوتی تھی ۔ لڑکی اس کھال کو ایک راجہ کے پاس لے گئی راجہ اس کھال کو دیکھ کر اور لڑکی کی بہادری کا حال سن کر بہت خوش ہوا ۔ اور اپنے لڑکے کی شادی اس سے کر دی

پریسٹلی

مبارک حسین خان ۔ رائسین بھوپال

پریسٹلی انگلستان کے ایک شہر لیڈز کے پاس ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ پہلے یہ اپنے شہر کا پادری تھا۔ اُسے علمی تحقیقات کا بڑا شوق تھا۔ گرجے کے کام کے بعد جو وقت بچ رہتا اُسے وہ علمی تحقیقات میں صرف کرتا۔ شروع شروع میں پریسٹلی پر یہ دھن سوار ہوئی تو لوگوں نے اُس کا خوب مذاق اُڑایا۔ اس کے گھر کے قریب ایک شراب نکالنے کا کارخانہ تھا۔ فرصت کے وقت وہ کارخانے میں چلا جاتا تھا۔ گیس کے متعلق تحقیقات کرتا تھا۔ کارخانے میں چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کرتا اور اُن کو جلاتا تھا شراب کے پیپوں سے گیس نکلنے لگتی تو وہ اُسے جلتی آگ کے قریب کر دیتا اور اس کے متعلق غور و فکر کرنے لگتا۔ گرمی کے زمانے میں وہ پسینہ پسینہ ہو جاتا۔ اس کے کپڑے بھیگ جاتے ماتھے کا پسینہ ایڑی تک پہنچتا مگر وہ اپنے کام میں لگا رہتا گرمی کے زمانے میں کارخانے کے مزدور اُسے شراب کے پیپوں پر جھکا ہوا دیکھ کر اس کا خوب مذاق اُڑاتے۔ لیکن ان باتوں کا اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوتا۔ اس کی مسلسل کوشش اور محنت کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے دنوں کے بعد اس نے سوڈا واٹر ایجاد کر لیا۔ اس کے انعام میں اُسے ایک خوب صورت طلائی تمغہ ملا اس کے علاوہ اُس نے اور بھی بہت سی چیزیں ایجاد کیں جو آج کل بہت کار آمد سمجھی جاتی ہیں۔ یہ تمام باتیں اس زمانے میں ایک پادری کی شان کے خلاف سمجھی جاتی تھیں اس کے دوست احباب اس کو آلات و ایجادات میں گھرا ہوا دیکھ کر افسوس اور حسرت کرتے تھے لیکن وہ اپنا کام کئے جاتا تھا۔ وہ نہایت جری صاف گو اور جھوٹ سے پرہیز کرنے والا آدمی تھا یہی وجہ تھی کہ تھوڑے دنوں کے بعد ایسے حالات پیش آئے کہ اس کا اس ملک میں رہنا وبال جان ہو گیا چنانچہ وہ امریکہ چلا گیا اس وقت اس کی عمر

سالڑ سال تھی۔ امریکہ کے رہنے والوں نے اُسے سر آنکھوں پر بٹھایا اور نہایت شان و شکوہ سے اس کا خیر مقدم کیا۔ امریکہ میں ہر خاص و عام نے اس کی عزّت کی۔ یونیورسٹیوں نے اسے بہت بڑے بڑے عہدے دینا چاہے لیکن اُس نے اِنکار کر دیا اور پُرسکون زندگی کو ترجیح دی۔ ۲ فروری ۱۸۰۴ء میں "پریسٹلی" اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

ایک دلچسپ کھیل

سید محمد احمد نقوی، بھوپال
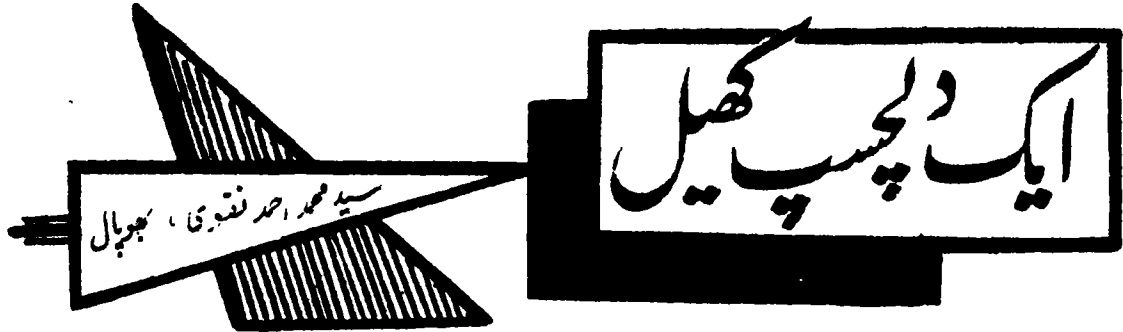
میں اپنے پڑھنے کے کمرے میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا کہ اتنے میں بھائی محمود آ موجود ہوئے۔

محمود:۔ دوست تمھیں آج ایک کھیل بتائیں۔ بس پھڑک جاؤ گے۔

میں:۔ (پڑھنا چھوڑ کر) اچھا بتائیے، ہم بھی دیکھیں۔

محمود:۔ تم اپنے دل میں دو ہندسے (عدد) سوچ لو جن کے اندر ایک کا فرق ہو۔ اور ان دونوں کا مربع کرو۔ پھر بڑے مربع میں سے چھوٹا مربع گھٹا دو۔ اور باقی مجھے بتا دو۔ میں بتا دوں گا، تم نے کون سے دو عدد لئے ہیں۔

میں نے دو عدد ۵، ۶ لئے اور دونوں کا مربع کیا یعنی ۵ کا ۲۵ اور ۶ کا ۳۶ آیا۔ اب ۳۶ میں سے ۲۵ گھٹایا تو ۳۶ - ۲۵ = ۱۱ باقی بچے۔

میں:۔ بھائی تمھارے کہنے کے مطابق حساب لگا لیا۔ ۱۱ باقی بچتے ہیں۔

محمود:۔ (حساب لگا کر) تم نے ۵ اور ۶ لئے ہیں۔

میں نے ان کو بہت داد دی اور ترکیب پوچھی، تو بولے کہ جو کچھ باقی بتلایا جائے اس میں سے ایک گھٹاؤ۔

---

۲ اور باقی کو دو سے تقسیم کرو تو چھوٹا عدد آ جائے گا اور اس میں ایک جوڑنے سے بڑا معلوم ہو سکتا ہے۔

برما

عبدالرشید مہاجر - حیدر آباد
سید عبدالرزاق - محبوب نگر

برما کے متعلق تم روز اخباروں میں خبریں پڑھتے ہو۔ وہاں لڑائی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ مگر برما کا گورنر اور وزیر دلی میں آ گئے ہیں اور انگریزی فوجیں نہایت کامیابی کے ساتھ برابر پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ جاپان سیام کی طرف سے تو حملہ کر ہی رہا تھا سنگاپور فتح ہونے کے بعد سمندری راستہ بھی مل گیا اور سمندری جہازوں کے ذریعے وہ بہت سی فوج لے آیا۔ انگریزی فوجوں کی تعداد سے کہیں زیادہ علاوہ اس کے انگریزی فوجوں کو وقت پر مدد بھی نہ مل سکی۔

ہوائی جہازوں کی خاص طور پر کمی تھی چینی فوجوں نے بھی لڑائی کے میدان میں بہت بہادری دکھائی وہ اب تک بے جگری سے لڑ رہی ہیں۔ مگر ہوائی جہازوں اور لڑائی کے دوسرے سامان کی کمی کی وجہ سے اُن کی یہ محنت کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہو رہی ہے۔

برما بہت خوبصورت اور سرسبز و شاداب ملک ہے۔ اس کا رقبہ کوئی دو لاکھ تیس ہزار مربع میل ہے۔ اراودی دریا کی وادی، ڈیلٹا اور سالون اور شانگ دریاؤں کے دہانے کے علاقے اس میں شامل ہیں موجودہ برما میں شان ریاستوں کی سطح مرتفع بھی ملا دی گئی ہے۔

برما کی آبادی کوئی ڈیڑھ کروڑ ہے۔ شمالی علاقے میں زیادہ تر برمن آباد ہیں اور جنوبی میں ان کے پرانے دشمن تلائنگ (Talaings) آباد ہیں دونوں یہاں کے اصلی باشندے نہیں ہیں۔ غالباً چین اور تبت سے آئے ہیں۔ شان ریاستوں میں تائے

یا شان قوم کے لوگ آباد ہیں۔ انگریزی حکومت کے بعد بہت سے ہندوستانی بھی وہاں جاکر آباد ہوگئے تھے۔ لڑائی کی وجہ سے اِن میں بہت سے ہندوستان واپس آگئے ہیں۔

برما میں بارش اتنی سے سو انچ تک ہوتی ہے۔ زمین بہت زرخیز ہے۔ لوگ زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ کوئی ایک کروڑ دس لاکھ ایکڑ زمین میں دھان بوئے جاتے ہیں۔ برما میں گھنے جنگل بھی کثرت سے ہیں۔ ان جنگلوں میں شاہ بلوط، بانس، بید، صنوبر، ربر اور انجیر وغیرہ کے درخت ہوتے ہیں۔ ساگوان کی لکڑی یہاں کی بہت اچھی ہوتی ہے۔ ایک اور لکڑی جسے رنگون ٹیک کہتے ہیں ولایت تک جاتی ہے۔

ان جنگلوں میں چوپائے اور درندے بھی کثرت سے ہیں۔ مثلاً ہرن (چھوٹے اور بغیر سینگ کے) بارہ سنگھا، نیل گائے، شیر چیتا، ریچھ، جنگلی ہاتھی بھی بہت ہیں۔ انھیں سدھاکر ان سے لکڑی کے بڑے بڑے شہتیر ڈھونے کا کام لیتے ہیں۔ جنگلوں میں کہیں کہیں گینڈا بھی پایا جاتا ہے

یہاں انجیر، اناناس، کیلا، آم وغیرہ ہر قسم کے پھل ہوتے ہیں۔ ایک پھل یہاں کا خاص ہے اُسے دُریان کہتے ہیں یہ بہت گرم اور بدبودار ہوتا ہے اسے ایک اور پھل منگستان کے ساتھ کھاتے ہیں۔ منگستان کی تاثیر ٹھنڈی ہے۔ ساحلوں پر ناریل کے درخت کثرت سے ہیں۔

برما میں سونے چاندی، ہیرے وغیرہ کی کانیں بھی ہیں۔ مٹی کے تیل کے چشمے بھی ہیں۔ یہ چشمے اب بالکل بیکار کردئے گئے ہیں۔ جاپان ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ بعض دریاؤں سے موتی بھی نکالتے ہیں۔

برمی قوم بہت ہنس مکھ اور زندہ دل قوم ہے۔ صفائی ستھرائی کا بہت خیال رکھتی ہے برمی دن میں ایک بار ضرور نہاتے ہیں۔ لباس بھی اُجلا اُجلا اور بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ مرد عام طور پر اونچا کوٹ پہنتے ہیں۔ سر پر چھوٹی سی ٹوپی ہوتی ہے۔ اس پر ریشمی کپڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ خوب صورتی کے لئے کان کے پاس تھوڑا سا حصّہ چھوڑ دیتے ہیں۔ پاجامہ یا پتلون کی جگہ لنگی باندھتے ہیں۔ پیروں میں خاص قسم کی کھڑاویں یا چپل پہنتے ہیں۔ آج کل انگریزی تہذیب کے اثر سے کوٹ پتلون اور بوٹ جوتے بھی پہننے لگے ہیں۔

عورتیں ہندوستان کی طرح دوپٹہ نہیں

اوڑھتیں۔ بس ایک کرتا ہی پہنتی ہیں اور لنگی باندھتی ہیں۔ مگر ان کی لنگی ساری کی طرح بدن پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ بعض برمی مسلمان بھی ہو گئے ہیں۔ مگر ان کا لباس بھی دیسی ہوتا ہے۔ ہاں عورتیں اپنے سر پر اوڑھنی کی طرح ذرا سا کپڑا ڈال لیتی ہیں۔

برما میں ہر شخص پڑھا لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ جوں ہی ذرا ہوشیار اور پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا۔ بدھ مت کے مذہبی عالموں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ مذہبی عالم ہر جگہ ہیں اور بہت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

رہنے سہنے کا طریقہ بھی ہندوستان سے بالکل مختلف ہے۔ مکان عموماً لکڑی کے ہوتے ہیں زمین میں بلیاں گاڑ کر تین چار فٹ اونچائی پر تختے بچھا دیتے ہیں۔ چاروں طرف دیواریں بھی لکڑی کی۔ چھت منگلوری ٹائل کی۔ بڑے بڑے شہروں میں سیمنٹ کے مکان بھی بننے لگے ہیں

برما کا دار السلطنت رنگون ہے۔ اسے انگریزوں نے بسایا ہے۔ بہت خوب صورت شہر ہے۔ بندرگاہ بھی بہت خوب صورت ہے تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے شہر بہت کم ہیں۔ مانڈلے کا شہر بھی بہت خوب صورت ہے۔ یہ کسی زمانے میں دار السلطنت رہ چکا ہے۔ مولمین بھی بہت اچھا اور خوب صورت شہر سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی عملداری سے پہلے دار السلطنت یہیں تھا۔ پیگن، امرپور، آوا بھی اچھے خاصے شہر ہیں۔ اب یہ سب جاپانی حملے کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہیں۔

برما پہلے ہندوستانی حکومت میں شامل تھا۔ مگر تین سال ہوئے اُسے ہندوستان سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ویسے نسلی اور جغرافی اعتبار سے بھی یہ ہندوستان سے بالکل الگ ہے۔ خلیج بنگال نے اسے ہندوستان سے الگ کر دیا ہے۔ دوسری طرف آسام کے پہاڑی سلسلے نے اسے بنگال اور آسام سے بالکل بے تعلق کر دیا ہے۔ برمیوں کے رہنے سہنے کا طریقہ بھی ہندوستان سے بالکل الگ ہے۔

اس مرتبہ پیامی اپنے حل
۲۵ رجون تک بھیج سکتے ہیں۔

لکڑی کے جانور

(آپا جان)
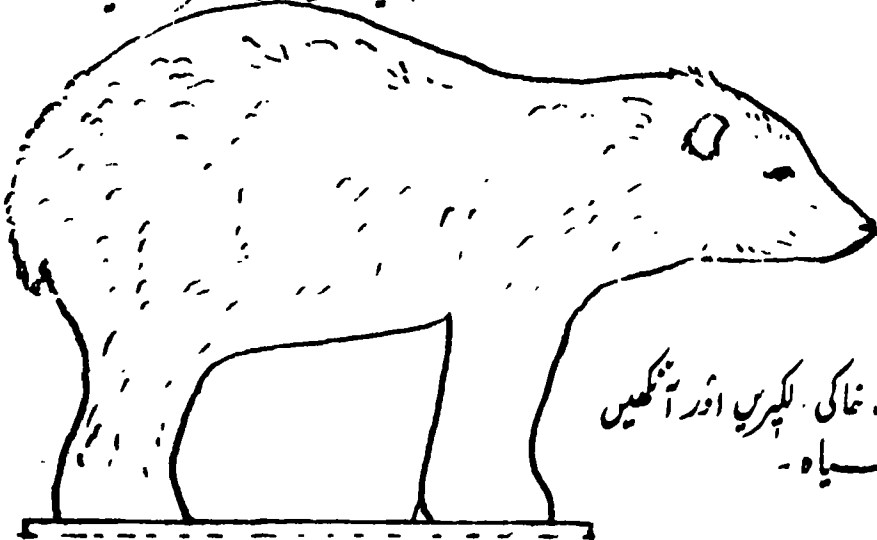
پیاری بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست

پیام تعلیم کا پچھلا پرچہ بہت دیر میں شائع ہوا۔ ہمیں اس بات کا بہت افسوس ہے۔ لڑائی کی وجہ سے کاغذ صرف مہنگا ہی نہیں کم یاب بھی ہوگیا ہے یعنی بہت دقت سے ملتا ہے۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ پیامیوں کو اپنا معمّا حل کرنے اور اسے وقت پر بھیجنے کا موقع نہیں ملا۔ معمّا بنانے والے صاحب کی ہدایت کے مطابق اس معمّے کو دوبارا شائع کیا جا رہا ہے۔ پیامی ۱۵ر جون تک اسے حل کرکے بھیج دیں۔

پچھلے مہینے لڑائی کا بازار خاص طور سے گرم رہا۔ جرمنی نے کاکیشیا پر ۲۰ لاکھ فوج سے حملہ کردیا اور روسیوں کی شدید مزاحمت کے باوجود کچھ کچھ آگے بڑھ رہا ہے۔ دوسری طرف روسی فوجیں خارکوف کی طرف برابر آگے بڑھ رہی ہیں۔ اور جرمن فوجیں اب تک تو انھیں روکنے میں ناکام رہی ہیں۔ لینن گراڈ پر بھی مقابلہ بہت سخت ہو رہا ہے اور روسی خبروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کو یہاں بھی کوئی کامیابی نہیں ہو رہی ہے۔

انگریزی ہوائی جہاز ان ملکوں پر جہاں جرمنی کا قبضہ ہے اور جرمنی پر خوب بم برسا رہے ہیں۔ افریقہ کے میدان میں موسم کی خرابی کی وجہ سے زیادہ سرگرمی نہیں پائی جاتی۔ مالٹا پر جرمنی اور اٹلی کے ہوائی حملے ہو رہے ہیں۔ ہزاروں ٹن بم اس جزیرے پر گرائے جا چکے ہیں۔ مگر دشمن اس پر قبضہ نہیں کرسکے ہیں۔ ہاں انگریزوں نے ایک فرانسیسی جزیرہ مڈغاسکر پر قبضہ کرلیا ہے اس جزیرے پر جاپان کے دانت تھے۔ اگر یہ اس کے قبضے میں چلا جاتا تو انگریزوں کی افریقی نوآبادیوں کے لئے بہت خطرہ پیدا ہو جاتا۔ علاوہ اس کے بحرالکاہل اور بحر ہند دونوں پر اس کی حکومت ہو جاتی اور انگریزوں کو بہت مشکل پیش آتی۔ انگریزوں نے اس جزیرے کا انتظام آزاد فرانسیسیوں کے سپرد کردیا ہے۔

بحرالکاہل میں جاپان کی سرگرمیاں برابر بڑھ رہی ہیں۔ آسٹریلیا پر اس کے حملے برابر ہو رہے ہیں۔ کورل سی کی لڑائی میں امریکہ کا بیان ہے کہ جاپانیوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا اور امریکہ نے اس کے بہت سے جہاز ڈبوئے۔

برما میں لڑائی بہت دھیمی پڑ گئی ہے۔ انگریزی فوجیں برابر پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ چینی اب تک مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں اور خوب لڑ رہے ہیں۔ جاپانی فوجیں یونان کے صوبے میں داخل ہو گئی ہیں۔ اور بڑی دور تک بڑھ گئی ہیں۔ مگر چینی قدم قدم پر اُن کے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ برما روڈ ختم ہو گئی ہے۔ مگر چینیوں کے پاس چھ مہینے تک کے لئے لڑائی کا سامان موجود ہے۔ ہاں ہوائی جہازوں کی اُن کے پاس بہت کمی ہے۔ اور اسی کمی کی وجہ جاپانیوں کا مقابلہ کرنے میں اُنھیں اتنی دقت پیش آ رہی ہے۔ پچھلے دنوں جاپان نے چٹاگانگ پر بم برسائے تھے۔ آسام کے پوربی علاقے میں تو تیسرے چوتھے وہ برابر بم برساتا رہتا ہے۔ برما پر قبضہ کرنے کے بعد معلوم نہیں جاپان کا رُخ کدھر ہوگا۔ بہر حال ہندوستان میں مقابلے کی تیاری بہت زوروں سے ہو رہی ہے۔

پچھلے مہینے سندھ میں ایک خاص جماعت نے بہت غدر مچایا۔ یہ جماعت حر کہلاتی ہے۔ اس نے سندھ اسمبلی کے ایک ممبر کو قتل کر دیا۔ ریل کی پٹری اُکھاڑ دی اور جب لاہور میل پٹری سے اُتر گیا تو اس پر حملہ کر دیا۔ ۲۵ آدمیوں کو قتل اور کوئی ۲۲ کو زخمی کیا۔ اس کے بعد ایک لاری پر حملہ کیا تیرہ مسافر مار ڈالے اور لاری میں آگ لگا دی۔

یہ حر اصل میں پیر پگاڑو کے مرید ہیں۔ پیر پگاڑو سندھ کے مشہور پیر ہیں۔ صوبے بھر میں اُن کے لاکھوں مرید ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو پیر کے فدائی ہیں اور اپنی جان و مال پیر پر قربان کرنا معمولی بات سمجھتے ہیں۔ بس یہی لوگ حر کہلاتے ہیں۔ ویسے یہ بہت نمازی پرہیزگار اور دیندار ہیں۔ اب سے بہت دنوں پہلے ایک بار اور انھوں نے حکومت کے خلاف کسی بات پر بغاوت کر دی تھی۔ حکومت نے سزا کے طور پر اُن کا شمار جرائم پیشہ قوموں میں کر دیا تھا۔ اُن سے بیگار بھی لی جاتی تھی یہ باتیں بجائے خود اُن کے لئے بہت تکلیف کی تھیں پھر سندھ کی حکومت نے اُن کے پیر پگاڑو کو نظر بند کر دیا اس سے اُن کا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور اُنھوں نے کھلے خزانے لوٹ مار مچا دی۔ اُن کا مطالبہ ہے کہ پیر پگاڑو کو چھوڑ دیا جائے سندھ کی حکومت اس فتنے کو دبانے کی کوشش کر رہی ہے

بعض پیامیوں کا خیال ہے کہ حلوں کے ساتھ معمّے کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں ایسا نہیں ہے۔ اصل میں جن خطوں میں ڈاک کے ٹکٹ آتے تھے وہ راستے میں غائب ہو جاتے تھے اور پیامیوں کا نقصان ہوتا تھا اسی بنا پر ہم نے یہ ٹکٹ چھپوائے کہ سوائے حل بھیجنے والے پیامیوں کے یہ سب کے لئے بیکار ہوں گے اور لوگ ڈاک کے ٹکٹوں کے لالچ میں معمّے کے لفافے غائب نہ کریں گے پیامی ڈاک کے ٹکٹ بھی بھیج سکتے ہیں لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ معمّے کے ٹکٹ بھیجے جائیں۔

عظیم اللہ صاحب کوٹلی لوہاران اور محمد عبد الرحمٰن بیگ ورنگل، کے معمّے ہمیں نہیں ملے شاید راستے میں کھو گئے ہوں گے سید اقبال حسین کرمانی نے اپنی شکایت بہت دیر میں بھیجی۔ مارچ کے حل ضائع کر دئے گئے۔

(محمد حسین حسان)

معمّا نمبر ۲۹

(انعام میں کتابیں بھیجی جائیں گی)

پہلا انعام ۶ روپے

دوسرا انعام للعہ ر

مشقی کوپن

م	۴ د	■	■	۳ ج	ی	۲ ع	۱ س
■	■	۵ د	■		■	ع	■
۹ ز	ا	و	۸ ا	■	۷ ب	ر	۶ ض
!	■	ا	ن	۱۱	ے	۱۰ ت	■
ر	۲۳	■	ش	و	۱۳ ل	■	۱۲
■	ا	■	س	۱۷ ر	■	۱۶ ت	۱۵
۲۰ م		۱۹ ع	■	■	ت	س	۱۸ ج
ے	ہ		ہ	۲۲	■	ر	۲۱

دائیں سے بائیں

۱۔ اگر اتنا سے غور سے پڑھے جائیں تو معاسب فیصدی یہ ہو سکتا ہے۔

۴۔ اکثر لوگ مریض کو آخری اس تک دوا دیتے ہیں۔

۶۔ اگر بخت یہ پہنچ جائے تو پھر ایک عرصے میں فائدہ ہوتا ہے۔

۸۔ آل انڈیا ریڈیو کا پندرہ روزہ رسالہ

۱۰۔ یہ تندرستی کے لئے بہت مفید ہے۔

۱۲۔ آج کل بڑے شہروں میں ... مار کا خطرہ ہے

۱۴۔ اگر آپ کسی کو یہ کہہ دیں تو وہ آپ کو گدھا کہے گا۔

۱۵۔ ... رٹا کر پاس ہوتا ہی کوئی پاس ہوتا ہے۔

۱۷۔ صاحب .. ہو کہ نادار برہمن ہو کہ شیخ

ہر بشر غم میں گرفتار نظر آتا ہے

احسان

۱۸۔ ایسی ہمت والے انسان کو ... دل کہتے ہیں

۱۹۔ بعض لوگ تمام عمر اسے حاصل کرتے رہتے ہیں۔

۲۱۔ ہماری .. کاروالا بتار بڑی مستقل مزاج واقع ہوئی ہے۔

۲۲۔ ہمیشہ کے بے ترتیب حروف۔

اوپر سے نیچے

۲۔ برطانیہ کی پے در پے شکست سن کر ہٹلر بڑی یہ ہوتی ہے۔

۳۔ سچے تیں صحیح یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دل سے کیا جائے۔

۵۔ اگر مریض کو صاف یہ نہ ملے تو دیر میں آرام ہوتا ہے۔

۷۔ اس گاڑی کا استعمال کم ہوتا جا رہا ہے۔

۸۔ طالب علم کی بری عادت (الٹا)

۹۔ کسی کو ... ، ... روتا دیکھ کر دل بھر آتا ہے۔

۱۱۔ ہندوستان ... یہ روز خطرے کے قریب آتا جا رہا ہے۔

۱۲۔ ہندوستان سے ایسے گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

۱۴۔ بلی شیر کی یہ ہے۔

۱۶۔ ایک قسم کا کپڑا

۱۹۔ چچا

۲۰۔ شراب

قواعد

۱: حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۲۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی سماعتی فیس ۳؍ آٹھ حلوں کی ۶؍ ہے۔
۳۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی
۴۔ تمام حل ۱۵؍ جون تک دفتر پیام تعلیم دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔
۵۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
۶۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔
۷۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔
۸۔ ایک لفافے میں ایک نام سے حل آنے چاہئیں۔
۹۔ پتہ:۔ سب ایڈیٹر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ، دہلی۔ قرول باغ

مشغلے

از وقار احسن صاحب

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد اپنی طبیعت اور مذاق کے مطابق کسی پیشے یا مشغلے کو پسند کر لینا چاہئے اور پھر اسی طرح کی تعلیم حاصل کرنی چاہئے اسی سلسلے میں کہانی قصے کے طور پر بہت سے پیشوں کا حال لکھ دیا ہے کہ ان کو اختیار کر لینے کے لئے کس طرح کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے مشغلے بہت ہی مفید عام معلومات کی کتاب ہے اس کے مطالعے سے ہم اپنی منشا کے مطابق مشغلہ اختیار کرنے کے لئے صحیح تدبیر اور ذریعہ اختیار کر سکتے ہیں اور ان کو اپنے مستقبل کو اچھا اور کامیاب بنانے کے لئے اس سے مفید مشورہ مل سکتا ہے۔ اردو زبان میں اس مضمون کی پہلی کتاب ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب۔ قیمت فی جلد ۱۲؍ مطبع انوار احمدی پریس، الہ آباد سے مل سکتی ہے

(م۔ ر)

بچوں کا تحفہ

بچوں کے شاعر مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی نظموں کا مجموعہ۔ یہ کتاب ہندوستان کے ماہرین تعلیم کی رائے میں تعلیمی دلفریبی اعتبار سے بچوں کے لئے بہترین چیز ہے۔ مختلف صوبوں کے تعلیمی محکموں میں منظور شدہ ہے۔ اب تک کوئی ۲۰ ہزار سے زیادہ فروخت ہو چکی ہے۔ قیمت حصہ اول ۵؍ حصہ دوم ۵؍

دھوئیں کی پھانسی

یہ سید ابو طاہر صاحب بی ایس سی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو پیام تعلیم اور دوسرے پرچوں میں چھپے ہیں جو بچے پیام تعلیم پڑھتے ہیں انھیں اچھی طرح اندازہ ہوگا کہ ابو طاہر صاحب کیسے اچھے اور دلچسپ مضمون لکھتے ہیں۔ کتاب کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کتاب دیکھ کر ہو سکتا ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی۔ ٹائٹل خوش نما قیمت آٹھ آنے (۸؍)

مکتبہ جامعہ دہلی۔ قرول باغ

ایک برمی لڑکی

برما کے دو منظر

Regd. L. No. 1961

مکتبہ جامعہ دہلی

پیام تعلیم
مکتبہ جامعہ دہلی

دریائے نائیل کا ایک منظر

KANGAROO

آسٹریلیا کا کانگرو

THE DROVER

آسٹریلیا میں بھیڑوں کا گلہ

پیام تعلیم دہلی

دہلی، یوپی، سی پی، برار، رام پور، قلات، بنگال، میسور، حیدرآباد، سندھ، کشمیر اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔

جولائی ۱۹۴۲ء

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ

فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۶

نمبر ۷

فہرست مضامین

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی محبوب المطابع پرنٹنگ پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی ہم نے پرچے کو وقت پر نکالنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی اور پیامیوں کو اتنے دنوں تک انتظار کی تکلیف اُٹھانا پڑی، سبب وہی کاغذ کا کال۔ ایک لڑائی کی وجہ سے باہر سے کاغذ آنا بند ہو گیا دوسرے مال گاڑی کے ڈبّوں کی کمی کے سبب کاغذ وقت پر نہیں پہنچ پاتا۔

بہرحال اب کے منیجر صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو آئندہ پرچہ ٹھیک وقت پر شائع کیا جائے گا۔ اِس مرتبہ بھی پیامی اپنے حل ۲۵ر جولائی تک بھیج سکتے ہیں۔

اس پرچے میں شجاع احمد صاحب قائد اور پروفیسر عبدالغفور صاحب کے مضمونوں کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے۔ پیامیوں نے یہ مضمون بہت پسند کئے۔ تھے ہی اِتنے اچھے اور دلچسپ اگلے پرچے میں اِن دونوں حضرات کے دو اور نئے مضمون چھپیں گے، یہ بھی بڑے ہی اچھے ہیں

پچھلے دنوں ہمارے محترم مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر فرصتی کی وجہ سے کچھ نہ لکھ سکے تھے اب آپ نے نظموں کے علاوہ نثر کی کئی اچھی اچھی کہانیاں ہمیں مرحمت فرمائی ہیں، مثلاً

(۱) ریڈیو کا بھوت

(۲) انوکھی بچّی

(۳) اُدْفو اور لومڑی غائب ہونے کا جادو وغیرہ

نیّر صاحب کی ایک بہت اچھی نظم اس پرچے میں چھپ رہی ہے۔ کہانیوں کا سلسلہ اگلے پرچے سے شروع ہو گا۔

اِس مرتبہ پیامِ تعلیم کے سالنامے میں سائنس کے مضمون شائع کرنے کا خیال ہے۔ پیامی اپنی اپنی رائے سے ہمیں مطلع کریں۔ سائنس کے علاوہ دلچسپی کی اور چیزیں بھی ہوں گی ؎

لڑکیوں کے لئے

ساون کا گیت

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر

سکھی برکھا کی دیکھو بہار

سکھی برکھا کی دیکھو بہار

کالی کالی گھٹاؤں کا زور

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا شور

ہلکی ہلکی ، سُہانی پھُوار

سکھی برکھا کی دیکھو پھُوار

سُنو کوئل کی کُوکُو کُوکُو ÷ اور پپیہے کی پی ہو پی ہو
کیسی پیاری ہے اُن کی پُکار
سکھی برکھا کی دیکھو بہار
چکنے چکنے درختوں کے پات ÷ پتّی پتّی میں ہے ایک بات
ڈالی ڈالی پہ آیا نِکھار
سکھی برکھا کی دیکھو بہار
جا بجا باغ میں کھم گڑے ÷ ان میں ریشم کے جھولے پڑے
گائے سکھیوں نے مِل کر ملھار
سکھی برکھا کی دیکھو بہار
ہر طرف ہے سُہانا سماں ÷ ہیں سُہانے زمین آسماں
دِل ہے نیّرؔ کا اُن پر نثار
سکھی برکھا کی دیکھو بہار
سکھی برکھا کی دیکھو بہار
سکھی برکھا کی دیکھو بہار

کریم کی سچّائی

محمد عبدالواحد سندھی ۔ استاد مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر

کریم کے ابا گھی کے بیوپاری تھے۔ وہ گاؤں سے گھی اکٹھا کرکے شہر میں بیچنے جایا کرتے تھے۔ سات دن تک گاؤں میں گھی جمع کرتے اور آٹھویں دن جاکر شہر میں بیچ آتے۔

ایک دن کریم کے ابا شہر جانے کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ کریم کی اماں نے کھانا پکا کر گھی کا مٹکا چولھے کے پاس رکھ دیا۔ وہ کریم کے ابا کو کھانا کھلانے دالان میں چلی گئی تھیں۔ کیونکہ کریم کے ابا کو جلدی تھی۔

کریم کھیلتا کودتا اِدھر آنکلا وہ اپنے خیال میں مگن تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اندر گھر میں سے کوئی کھیل کی چیز اُٹھانے جا رہا تھا جلدی میں مٹکے پر اُس کی نظر نہ گئی اور مٹکے میں اس کی ایسی ٹھوکر لگی کہ بہت سارا گھی زمین پر گر گیا۔ اس وقت اُسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ اُس نے اوپر اوپر سے صاف صاف گھی مٹکے میں سمیٹ سمیٹ کر ڈالا۔ اور باپ کے ڈر کے مارے باہر چلا گیا۔

کریم کے ابا جب کھانا کھا چکے تو کریم کی اماں سے گھی کا مٹکا مانگا۔ کریم کی اماں اندر چلیں، ان کے پیچھے پیچھے کریم کے ابا بھی چلے۔ مٹکے کے پاس جا پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ زمین پر گھی بکھرا پڑا ہے۔ کریم

کے ابّا بہت خفا ہوئے اور بولے "یہ گھی
کس نے گرایا؟" کریم کی امّاں بولیں "ابھی
میں مٹکا ڈھانک کر باہر نکلی تھی۔ ٹھہرو میں
ابھی اس کا پتہ لگاتی ہوں۔"

کریم کی دو بہنیں تھیں۔ بڑی کا نام
راشدہ تھا اور چھوٹی کا نام رشیدہ۔ دونوں
غریب بچیاں گھر کے ایک کونے میں گڑیوں
سے کھیل رہی تھیں۔ اُن کے ابا تو ڈانٹنا
اور مارنے کو دوڑے۔ کریم نے شور سُنا

جھٹ پٹ گھر میں آیا اور بولا "ابا جان! یہ
گھی میں نے گرایا ہے ان کو نہ ماریئے۔ یہ میرا
قصور ہے۔ مجھ کو مارنا چاہیئے۔"

کریم کے ابا نے جب یہ بات سُنی تو ان
کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ کریم کی سچائی سے خوش
ہوئے کریم کو بلا کر شاباشی دی اور کہا۔
"تم نے سچ بولا اس لیئے
میں تمھیں چھوڑے دیتا
ہوں۔"

لڑائی کے ہتھیار

عبداللطیف اعظمی، بی۔اے

موجودہ لڑائی پچھلی تمام جنگوں سے مختلف ہے، یہاں تک کہ جنگِ عظیم سے بھی جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جاری تھی۔ پچھلے زمانے میں کسی

مگر اب آدمی کی حیثیت گھٹ گئی ہے اور اس کی جگہ نئے قسم کے ہتھیاروں نے لی ہے۔ کسی ملک کے پاس کتنی ہی بڑی فوج کیوں نہ ہو اور اس کے سپاہی

جنگ کے جیتنے کا دارومدار آدمیوں پر تھا جس کے پاس بہت بڑی فوج ہوتی ۔ بہادر اور لڑنے والے سپاہی ہوتے اور وہ پوری ہمت و جرأت سے لڑ سکتے، انھی کے ہاتھ میں میدانِ جنگ ہوتا
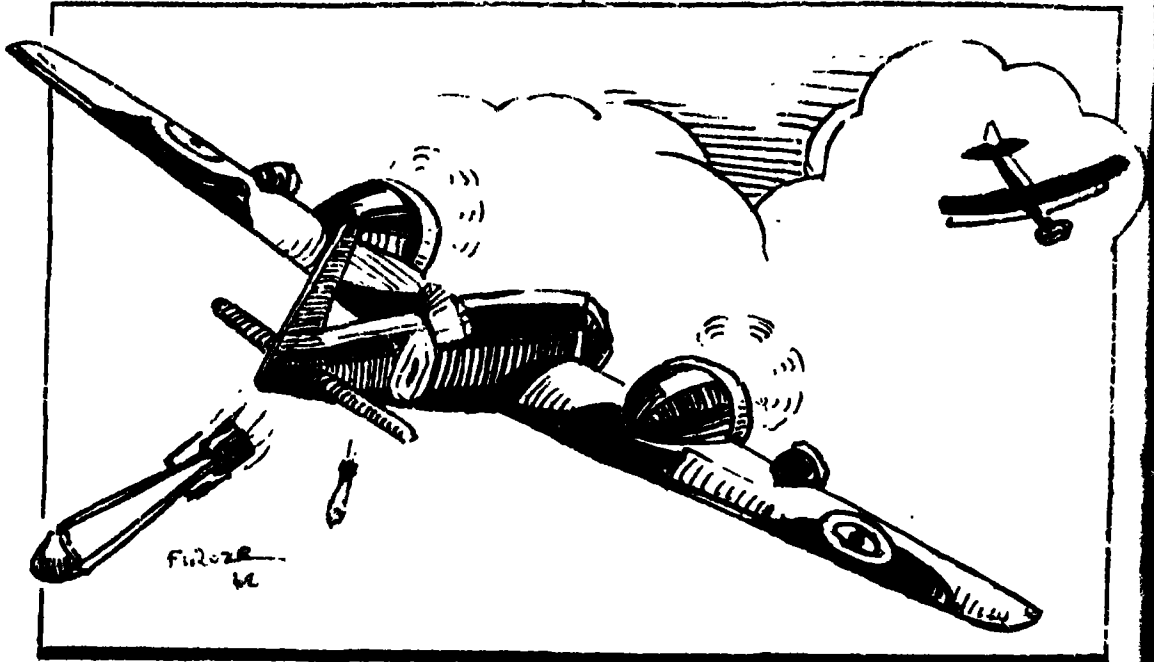
چاہے کتنی ہی بہادری اور شجاعت سے کیوں نہ لڑنا جانتے ہوں لیکن اگر اس کے پاس نئے ہتھیار بڑی تعداد میں نہ ہوں تو اس کی ہار یقینی ہے۔ ۶ نومبر کو روس کے ڈکٹیٹر اسٹالن نے، روسی انقلاب کی سالگرہ

کے موقع پر ایک تقریر کی تھی۔ اس میں اُس نے ایک جگہ یہ بھی کہا تھا کہ موجودہ جنگ مشینوں کی جنگ ہے جس کے پاس مشینیں زیادہ ہوں گی وہی جیتے گا۔ تم خود ہی سوچو جرمنی کی آبادی کچھ بہت زیادہ نہیں ہے یہی کوئی ۹۰ کروڑ ہوگی یعنی تقریباً اتنی ہی جتنی مسلمانوں کی ہندوستان میں ہے۔ مگر دیکھو اس نے سار ی دنیا سر پر اُٹھالی ہے، چھوٹے چھوٹے ملکوں کا کیا ذکر فرانس جیسی قدیم اور طاقتور سلطنت اس کا مقابلہ نہ کرسکی اور روس جیسا بڑا ملک بڑی دقتوں سے اس کی روک تھام کر رہا ہے، آخر کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ جرمنی کے پاس نئے قسم کے ہتھیار بہت بڑی تعداد میں ہیں۔

موجودہ جنگ کے سب سے اہم ہتھیار ر کھنی چار، پانچ ہیں۔ ہوائی جہاز، چھتری، ٹینک، ڈبکنی کشتی وغیرہ۔ نیچے ہم ان کے متعلق ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ہوائی جہاز

پہلے ہوائی جہاز کو لو، ہوائی جہاز کوئی نئی چیز نہیں ہے اس کی ایجاد پر خاصی مدت گذر چکی ہے۔ مگر شروع میں یہاں تک کہ پچھلی بڑی جنگ تک اس کی حیثیت وہ نہیں تھی، جو آج ہے مشینیں اتنی مکمل نہیں تھیں اور نہ ان پر اتنا قابو حاصل تھا، جتنا اب ہے اگر ہوا موافق نہ ہوتی تو اس کے رکنے تک انتظار کیا جاتا۔ اس کے علاوہ زیادہ اونچائی اور دیر تک اُڑنا مشکل تھا۔ چنانچہ آج سے ۳۱، ۳۲ سال پہلے یعنی ۱۹۰۸ء میں پہلی مرتبہ ایک جہاز ایک گھنٹے تک اُڑتا رہا مگر اس کے بعد اس میں برابر ترقی ہوتی رہی اور اس کی خرابیوں کو دور کرنے کی برابر کوشش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ جنگ عظیم میں اسے فوجی نقطۂ نظر سے استعمال کیا گیا۔ مگر اس کی حیثیت زیادہ تر جاسوس کی رہی یعنی اس کے ذریعے دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔ پہلے یہ کام مخصوص سپاہیوں سے لیا جاتا تھا۔ وہ چھپ چھپا کر دشمنوں کے ارادوں سے واقفیت حاصل کرتے، اور پھر اپنی فوج کو آگاہ کرتے مگر یہ کام تھا بڑا مشکل اور خطرناک بھی۔ اس لئے جب جہاز نے ترقی کی تو جاسوسی کا کام اس سے لیا جانے لگا۔ ہوائی جہاز دشمن کے کسی محاذ کی طرف اُڑ کر جاتے اور پوری معلومات حاصل کرکے تھوڑے وقت میں واپس آجاتے اس سے دشمنوں کو بڑا نقصان ہونے لگا وہ کتنا ہی چھپ کر حملہ کرنا چاہتے اور اپنے حملے کے رُخ سے مخالف کو ناواقف رکھنے کی کوشش کرتے مگر وہ ان جاسوسوں کی نگاہ سے چھپ نہ سکتے، اس لئے ان سے بچنے کے لئے لمبی مار توپوں کی ایجاد ہوئی، جب ہوائی جہازوں کو لمبی مار توپوں کا سامنا ہوا تو وہ بھی ان سے مقابلہ کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ تم جانتے ہو کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ چنانچہ ہوائی جہازوں میں ہلکی قسم کی مشین گنیں لگائی گئیں مگر ان کی زد سے بچ جانا دشمن کے لئے کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس سے دشمن کو بہت زیادہ

نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا تھا اس لئے بم برسانے والے جہاز تیار کئے گئے۔ اس طرح ہوائی جہاز جنگِ عظیم میں بھی لڑائی کے لئے استعمال کئے گئے، مگر ان جہازوں کا بڑا مقصد دشمن سے لڑنے کے بجائے خود اپنی حفاظت تھا اور ان کی اصلی غرض جاسوسی تھی۔ جنگ کے ایک اہم ہتھیار کی حیثیت سے صرف موجودہ جنگ میں استعمال کئے گئے۔ جنگِ عظیم ہی میں تمام ملکوں نے محسوس کر لیا تھا کہ ہوائی جہاز جنگ کا سب سے بڑا ہتھیار ہو سکتا ہے اور آئندہ جب کبھی جنگ ہوگی تو اس کا فیصلہ زمین پر نہیں فضا میں ہوگا، اس لئے تمام ملک زیادہ سے زیادہ اور عمدہ سے عمدہ ہوائی جہاز تیار کرنے لگے۔

یہ سمجھنا کہ موجودہ جنگ میں ہوائی جہاز سے جاسوسی کا کام نہیں لیا جا رہا ہے، غلط ہوگا جاسوسی کے لئے مخصوص ہوائی جہاز ہوتے ہیں جن میں بے تار کے خبر پہنچانے والے آلے لگے ہوتے ہیں اور وہ اس کی مدد سے دشمن کی نقل و حرکت اور جہاں جہاں اُن کی توپیں چھپی ہوتی ہیں ان جگہوں سے اپنی فوج کو آگاہ کرتے ہیں۔ خبر دینے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز اپنے توپچیوں کو محض [illegible] دشمن کے توپ خانوں اور اُن کی فوج کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ توپچی اس [illegible] مشتعین کرکے توپیں [illegible] ہیں۔ ہوائی جہاز اس کی نگرانی کرتے ہیں کہ گولے ٹھیک نشانے پر گر رہے ہیں یا نہیں۔

یوں تو ہوائی جہازوں کی بہت سی قسمیں ہیں مگر تین قسمیں بہت مشہور ہیں۔ (۱) اسکاؤٹنگ جہاز (۲) لڑاکا جہاز (۳) اور بمبار جہاز۔ پہلے جہاز کا بڑا مقصد جاسوسی کرنا ہے اس میں دو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ حفاظت کے لئے ہلکی قسم کی توپیں بھی لگی ہوتی ہیں۔ دشمن کے اہم مقامات کی تصویر لینے کے لئے کیمرہ بھی ہوتا ہے اور پیغامات بھیجنے اور وصول کرنے کے لئے بے تار کے آلات بھی ہوتے ہیں۔ ان کی رفتار عام طور پر فی گھنٹہ ۱۰۰ میل سے زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرا جہاز پہلے جہاز سے ذرا بھاری ہوتا ہے۔ مگر اُڑنے کی رفتار تقریباً اتنی ہی ہوتی ہے۔ اس میں مشین گنیں تعداد میں زیادہ ہوتی ہیں۔ جب دشمن کے جہاز بم برسانے کے لئے آتے ہیں تو یہ فضا میں بہت اونچے اڑ کر ان جہازوں پر حملہ کرتے ہیں۔ بمبار جہاز خاصے بھاری ہوتے ہیں اور ان کی رفتار پہلے دونوں جہازوں سے کم ہوتی ہے مگر پھر بھی وہ [illegible] چار سو میل فی گھنٹہ اُڑ سکتے ہیں۔ یہ جہاز دھات سے بنائے جاتے ہیں۔ سامنے نہایت عمدہ قسم کی توپیں ہوتی ہیں جو ضرورت کے مطابق ہر طرف گھمایا جاسکتا ہے۔ ایک ہوائی جنگی بیڑے میں یہ تینوں قسم کے جہاز ہوتے ہیں ان کے بغیر کوئی بیڑہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

(باقی آئندہ)

ریڈیو کا بھوت

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر

چند سال کا ذکر ہے ریڈیو اس وقت تک اتنا عام نہ ہوا تھا جتنا آج کل ہے ۔ ضلع بلند شہر کے کسی قصبے کے ایک پٹھان دہلی آئے ان صاحب کا نام اسد خاں تھا اسد خاں اپنے آپ کو ہمت اور بہادری میں شیر سے کچھ کم نہیں سمجھتے تھے ۔ گھر کے کھاتے پیتے آسودہ حال تھے ۔ بزرگوں نے کچھ زمینداری چھوڑی تھی اس پر گذران تھی ، ان کا مشغلہ سیر و شکار اور یار دوستوں میں دن بھر، تاش، گنجفہ، چوسر، شطرنج کھیلنا اور ہنسی دل لگی میں سارا دن گذار دیتا تھا۔ زندگی بڑی بے فکری سے بسر ہوتی اور وقت اس تیزی سے گذرتا کہ خبر بھی نہ ہوتی کہ صبح کب ہوئی اور شام کب ؟

آپ نے سنا کہ دہلی میں ایک نمائش ہونے والی ہے ۔ پھر کیا تھا کھٹ سے دہلی چلنے کا فیصلہ کر لیا۔ باپ نے اپنی مجبوریاں بتائیں پھر بھی انھوں نے ان کی ایک نہ سنی ۔ آخر انھوں نے اپنے ایک دوست فیاض خاں صاحب کے کے نام جو دہلی میں ٹھیکہ داری کرتے تھے ایک خط لکھ دیا اور یہ ریل میں سوار ہوکر دہلی پہنچ گئے ، فیاض خاں صاحب کی موٹر اسٹیشن پر موجود تھی اس میں بیٹھ اُن کے گھر پر جا اُترے ۔

فیاض خاں صاحب بڑے با مروت آدمی تھے ۔ پھر اسد خاں کے والد کے ساتھ ان کی دوستی بھی بہت گہری تھی ، اس لئے وہ ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور اپنے بیٹے فیض علی کے کمرے سے ملے ہوئے ایک کمرے میں اُن کو ٹھہرایا اسد خاں کے کپڑے اُتارے ۔ ہاتھ منہ دھویا ، اتنے میں چائے کا وقت ہوگیا ۔ فیض خاں کے کچھ اور دوست بھی آئے ہوئے تھے ۔ یہ بھی اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے اور اکڑتے ہوئے پہنچے ، اور سب کے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہوگئے ۔

چائے کے دوران میں ادھر اُدھر کی باتیں چھڑیں ہندوستان اور دنیا بھر کے سیاسی حالات سے

لے کر مقامی ہنڈی کے نرخ کے بھاؤ تک کوئی بات ایسی نہ تھی جس پر کچھ نہ کچھ کہا نہ گیا ہو۔ مگر اس ساری گفتگو کا تار بھوت پریت پر آکر ٹوٹا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ بھوت ہوتا ہے اور کچھ کا خیال تھا کہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ بھوت ووت کچھ نہیں ہوتا۔ بحث میں دلچسپی اس وجہ سے اور بھی پیدا ہوگئی کہ ان میں ایک صاحب جو خاص دہلی کے رہنے والے تھے ان کی زبان سے کہیں یہ بات نکل گئی کہ اجی شہر کا رہنے والا کوئی بھوت نہیں مانتا۔ ہاں گاؤں یا قصبے کے رہنے والے گنوار شاید اس زمانے میں بھی اس قسم کی لچر اور پوچ باتوں کو مانتے ہوں شہر اور گاؤں کا یہ فرق اسد اسد خاں صاحب کو ناگوار گزرا۔ وہ بولے "مجھے دیکھئے میں جہاں رہتا ہوں وہ ایک چھوٹا سا قصبہ کسی بڑے گاؤں ہی کے برابر ہے اور میں کچھ ایسا زیادہ پڑھا لکھا بھی نہیں، لیکن میں تو بھوت پریت کا قائل نہیں ہوں میں کیا ہمارے یہاں کا کوئی شخص بھی قائل نہیں۔

ایک صاحب نے کہا بھی کہ جناب اس بحث میں شہر اور گاؤں کا سوال نہیں آپ ناحق برا مانتے ہیں، رہا قائل ہونا یا نہ ہونا توہم نے اچھے اچھوں کو ڈرتے دیکھا ہے، اسد خاں سمجھے کہ اچھے اچھوں کے لفظ سے وہی مراد ہیں۔ اس پر انھوں نے ذرا بگڑ کر کہا "خیر اچھے اچھوں کو ڈرتے دیکھا ہو یا نہ ہو مگر ہم تو ذرا بھی نہیں ڈرتے۔

ہمیں کوئی ڈرا دے تو ہم جانیں۔

یہ بات اتنی بڑھی کہ اس کو ختم کرنا ہی مناسب سمجھا گیا۔ تھوڑی دیر میں چار وغیرہ سے فارغ ہو کر لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے شام ہو چکی تھی اس لئے فیض خاں اسد خاں کو لے کر نمائش پہنچے۔ دو تین گھنٹے وہاں کے تماشوں اور دلچسپیوں میں گزار کر گھر لوٹے، کھانا کھایا فیض خاں نے اس خیال سے کہ اسد خاں کو آرام کی ضرورت ہوگی، ان سے سو جانے کے لئے کہا، اسد خاں خود بھی یہی چاہتے تھے پلنگ پر جا کر لیٹ گئے۔ پلنگ پر لیٹتے ہی ان کے دماغ میں چار کے وقت کی گفتگو چکر لگانے لگی۔ وہ آپ ہی آپ کہنے لگے۔

یہ شہر والے ہم گاؤں والوں کو نہ جانے کیوں اتنا بزدل سمجھتے ہیں۔ میں نے بھی آج وہ منہ توڑ جواب دیا کہ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بھلا

بھوت سے ڈرنا بھی کوئی بات ہے"
اس قسم کی باتیں کرتے کرتے ان کی آنکھ لگ گئی

کوئی ساڑھے نو بجے ہوں گے سردی کی رات تھی فیض خاں کے پاس اُن کے چند دوست بیٹھے تھے یہ ریڈیو سننے آئے تھے، یہ ریڈیو ابھی تھوڑے دِنوں ہوئے ٹھیکہ دار صاحب نے خرید کر اپنے ہاں لگایا تھا۔

ایک طرف ریڈیو کی میز تھی دُوسری طرف فیض علی کی مسہری ریڈیو اور مسہری کے دونوں طرف درمیان میں چار گدّے دار کرسیاں قرینے سے بچھی ہوئی تھیں۔ اِن کرسیوں پر اُن کے وہی دوست جو چائے میں بھی شریک تھے بیٹھے ہوئے ریڈیو سُن رہے تھے تھوڑی تھوڑی دیر میں کوئی شائستہ مذاق بھی ہو جاتا تو قہقہہ لگنے لگتا۔

اسد خاں نے ریڈیو کا نام تو اکثر سُنا تھا مگر ابھی تک اس کے سُننے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ ٹھیکے دار صاحب کے ہاں ریڈیو ہے۔

اس اثنا میں اُن کی آنکھ لگ چکی تھی۔ مگر ابھی غافل نہ سوئے تھے، یہاں ریڈیو کھلا ہوا تھا اور کسی برخود غلط شاعر کا کلام سُنا جا رہا تھا جو لہک لہک کر اپنا کلام سُنا رہے تھے۔ اُنھوں نے ایک شعر پڑھا، شعر تو یاد نہیں کہ کیا تھا مگر اس میں عروض کی کچھ غلطی تھی۔ اس پر ان سب یاروں نے ایک قہقہہ لگا۔ قہقہہ لگا بھی اس زور سے کہ اسد خاں کی آنکھ کھل گئی۔ بھوت کے خیالات تو دماغ میں چکر لگا ہی رہے تھے، دل میں فوراً خیال آیا کہ ہو نہ ہو میری باتوں سے ناراض ہو کر بھوتوں نے دھاوا بول دیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اُن کو پسینہ آگیا ضرورت تھی کہ رضائی ہٹا دیں مگر ہاتھوں کو ہلانے کی ہمت نہ ہوئی قہر درویش بر جان درویش۔ دم سادھے چپ چاپ بے حس و حرکت لیٹے رہے۔

یہاں اتنے میں وہ غزل ختم ہو چکی تھی اور اب کسی بہت ہی خوش گلو موسیقی کی ماہر نے گانا شروع کیا۔ آواز میں لوچ اس غضب کا تھا کہ یہ سب اس نغمے کو سُننے میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔

گانے والی کی آواز نہایت شیریں اور سُریلی تھی، رات کا سنّاٹا اسد صاحب کے کمرے میں تاریکی، نغمے کی ہلکی ہلکی آواز کا آنا اور بھی قہر ہوا، یہ سمجھے کہ یہ ضرور بھوت پریت ہیں جو گردن دبلنے سے پہلے میرا مذاق اُڑا رہے ہیں، اُن کے جی میں آئی کہ مسہری سے کود کر کمرے سے نکل بھاگیں یا اور کچھ نہ ہو تو فیض علی ہی کو آواز دے کر بلا لیں مگر نہ کود کر نکل بھاگنے

کی ہمت ہوئی نہ آواز نکلی۔ ان کو یقین ہو گیا کہ میرا گلا کسی نے دبا رکھا ہے اور اس یقین کے ساتھ ہزاروں وہم دماغ میں آنے لگے۔

آج یہ بھوت مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے،

آخر مجھے کیا پڑی تھی کہ میں نے بھوت پریت سے انکار کیا، بھوت کوئی مخلوق نہ ہوتی تو اس کا ذکر ہی کیوں ہوتا، خود ہمارے قصبے کے باہر ہیرا کہار کی پیاؤ کے پاس والے پیپل پر ایک بھوت رہتا ہے، شام ہوتے ہی محال ہے جو کوئی اس طرف چلا جائے!

ایک دفعہ میں شکار میں گیا تھا رات ہوئی اور مرگھٹ کے پاس سے گذرا تو بھوتوں کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ ہر طرف شعلے بکھرتے نظر آئے۔ خدا نے اُس دن بال بال بچایا آج مجھے یہ کیا ہو گیا کہ بیٹھے بٹھائے بھوتوں سے انکار کرنے میں، اس بلا میں پھنس گیا۔

یہ اسی قسم کے خیالات میں غرق تھے کہ ریڈیو میں مختلف قسم کی آوازوں کا پروگرام شروع ہو گیا، کبھی کتا بلی لڑے کبھی بندروں کو لڑتے سُنا کبھی کتا بھونکا، کبھی گدھا رینکا، کبھی گھوڑا ہنہنایا تو کبھی ہاتھی چنگھاڑا۔ کبھی اونٹ بلبلایا تو کبھی شیر دھاڑا۔ کبھی تانگا چلنے کی آواز سُنائی دی تو کبھی ریل کے انجن کے چلنے اور سیٹی دینے کی۔ اِدھر ریڈیو میں یہ پروگرام چل رہا تھا۔ اُدھر خان صاحب کو یہ سب جانور چلتے پھرتے اور اُن کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ رہ رہ کر اُن کو یہی خیال ستا رہا تھا کہ آج بھوتوں کو مجھ پر بلا کا غصہ ہے اس طرح دق کرتے کرتے یہ میری جان لے کر چھوڑیں گے۔ مجھے اس آفت کی خبر ہوتی تو بھولے سے بھی دلی آنے کا نام نہ لیتا۔

اس گھر میں بھوت ضرور رہتے ہیں۔ ہم لوگ چار کے وقت جب اُن کی باتیں کر رہے تھے تو انہوں نے سُنی ہوں گی، شاید وہ اوروں کے ہاں بھی گئے ہوں، مگر بھوت۔ یہ بہت ہی بگڑے معلوم ہوتے ہیں۔

اب میں کہوں بھی کہ بھوت ہوتے ہیں تو کیا فائدہ اس وقت میرے پاس کوئی بھوت آ جائے تو میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں اور کہوں کہ باتوں باتوں میں میرے مُنہ سے بھی ایک بات نکل گئی تھی۔ آپ اس بات کا بُرا نہ مانئے اور میری خطا کو معاف کیجئے۔

پھر سوچا۔ یہ مجھے ہو کیا گیا اتنا خوف تو مجھ پر اس سے پہلے کبھی طاری نہ ہوا تھا۔ صبح چار میں جو لوگ شریک تھے اس وقت یہاں آ جائیں تو مجھے کتنا بنائیں لیکن میری تو جان پر بن رہی ہے۔

میں خود ہی اُن سے خطا معاف کیوں نہ کرا لوں
مجھ پر حملہ کرنے کے لئے آئے ہیں تو ضرور اِدھر
اُدھر آس پاس کھڑے ہوں گے۔

اِدھر اُنھوں نے یہ کہا۔ اُدھر آنکھیں کھولیں
کمرے میں اندھیرا تھا اور بھوتوں کی سینکڑوں دن
صورتیں اُن کے سامنے کھڑی تھیں، یہ ایسی بھیانک
اور ڈراؤنی تھیں کہ مارے ڈر کے اُن کی گھگھی بندھ
گئی۔ انھوں نے اپنی آنکھیں پھر بند کرلیں اور
اپنی انّاں جان کا بتایا ہوا وظیفہ:۔

"جل تو جلال تو صاحب کمال تو
آئی بلا کو ٹال تو"

جلدی جلدی گھبرا گھبرا کر پڑھنا شروع کیا اس
طرح کہ کہنا کچھ اور چاہتے تھے اور زبان سے نکلتا
کچھ اور تھا۔ اُن کی زبان خشک ہوگئی۔ حلق میں
کانٹے پڑگئے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں، اتنے
میں پروگرام بدلا اور کسی غیر ملک کے بینڈ باجے
کی آواز آئی۔ اِدھر ڈھول پر ضرب پڑی اور زور
سے بم ہوئی۔ اِدھر خاں صاحب سمجھے کہ بھوتوں
نے حملہ کردیا۔ اک دم بھوت بھوت کہہ کہہ
کر چیخنے لگے اور آن کی آن میں بیہوش ہوگئے۔

فیض خاں اور ان کے دوست اُن کی چیخ
سُن کر حیران ہوئے اُنھوں نے جھٹ ریڈیو بند
کیا۔ دروازہ کھول کر اسد کے کمرے میں داخل ہوئے
بجلی کی بتی روشن کی۔ دیکھا تو ان کو بیہوش
پایا۔ سب گھبرا گئے ٹھیکے دار صاحب کو اطلاع
ہوئی۔ اُنھوں نے ٹیلیفون کرکے ڈاکٹر کو بلایا۔
ڈاکٹر صاحب نے آکر دیکھا، آلہ لگایا۔ اُن کے
دل کی حرکت بہت تیز تھی۔ ہوش میں لانے کی
تدبیریں کیں۔ ذرا ہوش آیا تو اُن کی زبان سے
پھر بھوت بھوت کے لفظ نکلنے لگے۔

حاضرین نے ڈاکٹر صاحب، کو صبح کو چائے
پر جو گفتگو ہوئی تھی اس کا سب حال سنایا۔
ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے۔ تھوڑی دیر میں اُن کو
بھی ہوش آیا اور اپنے اِرد گِرد لوگوں اور ڈاکٹر
صاحب کو کھڑا دیکھا تو کچھ ہمت بندھی۔ اُنھوں نے
رُکتے رُکتے وہ سب باتیں بیان کیں جو اُن پر
گذری تھیں۔ فیض خاں نے کہا "واہ جناب
جس چیز سے آپ ڈرے یہ بھوت، دوت کچھ نہ تھا
ریڈیو کی آواز تھی۔ یہ سُن کر خاں صاحب بہت
جھکرائے اُن کا پورا اطمینان کرنے کے لئے یہ لوگ
پکڑ کر اُنھیں اس کمرے میں لائے جہاں ریڈیو تھا
اور فیض خاں کے بستر پر لٹا دیا اتنی سی دیر
میں اُن کا چہرا پیلا پڑگیا تھا اور ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ بدن میں سکت نام کو باقی نہیں رہی۔

ڈاکٹر صاحب تو دل کی تقویت کی دوا پلا کر
چلتے بنے۔ یہاں بہت دیر تک ریڈیو بجتا رہا۔ کبھی

آتا، کبھی تقریر، کبھی باجا، کبھی ڈراما، کبھی کچھ، کبھی کچھ، خدا خدا کرکے خان صاحب کو یقین آیا کہ ریڈیو کے اس قسم کے پروگرام ہی کو اُنھوں نے بھوتوں کی آواز سمجھا تھا دل میں بہت شرمندہ ہوئے کہ جن لوگوں کے سامنے بیٹھ کر بڑھ بڑھ کر باتیں بنائی تھیں۔ انھیں کے سامنے بات نیچی ہوئی بھوت پریت پر اعتقاد رہا یا نہیں مگر خان صاحب کو ریڈیو کا یہ بھوت ہمیشہ ہمیشہ یاد رہا۔

چھوٹی چڑیا

روشن چنپالوی بی اے

چھوٹی چڑیا پیاری پیاری — اُڑنے میں ہے سب سے نیاری
صورت اس کی بھولی بھولی — ہر اک اس کی بات نرالی
دانے دُنکے کھاتی ہے یہ — میٹھے راگ سُناتی ہے یہ
پر ہیں اِس کے پیارے پیارے — پیار نہ اِس پر کس لئے آئے
بچے اس کے چھوٹے چھوٹے — پیارے پیارے اچھے اچھے
بیٹھتی ہے شاخوں پہ کبھی یہ — جاتی ہے پھولوں پہ کبھی یہ
ڈرتی ہے چھپ جاتی ہے یہ — اپنی جان بچاتی ہے یہ
کھانا کھاتی ہے یہ تھوڑا — پیٹ ہے جلد اس کا بھر جاتا
چونچ سے دانے چگتی ہے یہ — پُھدک پُھدک کر چلتی ہے یہ
جاگ اُٹھی ہے نور کے تڑکے — گاتی ہے نغمے چوں چوں کرکے
پھر جاتی ہے پیٹ کو بھرنے — بچوں کی خاطر دانہ لانے
سارا دن پھرتی رہتی ہے — اِدھر اُدھر اُڑتی رہتی ہے

بھولی بھالی ہے یہ چڑیا
رحم ہمیں اس پر ہے آتا

آل انڈیا ریڈیو کی اجازت کے بعد | ۲ | از جناب عبدالغفور صاحب ٹریننگ کالج، علی گڑھ

"نا بھائی۔ باز آئے اِن گرم دھاراؤں سے۔ اگر آج کیورو سیو و نہ ہوتی تو جاپانی ملایا پر کاہے کو حملہ کرتے۔ آج کل لاکھ سردی پڑ رہی ہو مگر ہمیں تو دل سے ٹھنڈی ٹھنڈی دھارا ہی پسند ہے۔"

"جی ہاں سرد دھارائیں بھی ہیں۔ اگر ہم ایک کشتی میں بیٹھ کر نیوفاؤنڈلینڈ کے ساحل پر اس جگہ پہنچ جائیں جہاں لیبریڈار کے شمال سے آنے والی سرد دھار گلف اسٹریم سے ملتی ہے تو بڑا لطف ہوگا۔ میلوں تک دھند کے بادل اُمنڈتے نظر آئیں گے۔ یہ بادل ٹھنڈے اور گرم پانی کے ملنے سے اُٹھتے ہیں۔ ایک طرف بالٹی ڈالیں تو ٹھنڈا یخ پانی نکلے گا اور دوسری طرف ہلکا گنگنا۔ مگر اس کشتی میں ذرا سنبھل کر بیٹھیے گا۔ کہیں آپ پہاڑوں کے درمیان پھنس کر نہ رہ جائیں"

"پہاڑ!" "جی ہاں۔ سچ مچ کے پہاڑ اور وہ بھی برف کے۔ یہ پہاڑ قطبی سمندر سے دھارا کے ساتھ ٹوٹ ٹوٹ کر بہے چلے آتے ہیں۔ اور ان پر کبھی کبھی ایک آدھ سوار بھی ہوتا ہے۔" "وہ کون؟" "کوئی قطبی ریچھ جو اتفاق سے اس تیرتے ہوئے برف کے پہاڑ پر رہ گیا ہو۔ آپ کی کشتی ان دو برف کے پہاڑوں کے درمیان آگئی تو یوں پس کے رہ جائے گی جیسے دو پتھروں کے درمیان ایک دیاسلائی کی ڈبیا۔"

"ارے یار! یہ دُور دراز ملکوں کے افسانے چھوڑو۔ کچھ آپ بیتی بھی کہو یہ دھارا اور وہ دھارا آخر یہ تو بتائیے کہ ہمارے ہاں بھی کوئی دھارا ہے؟ گلف اسٹریم امرت کی دھارا ہو تو ہمیں کیا۔ اگر جنوبی امریکہ کا ساحل گرمیوں میں ٹھنڈا رہتا ہے تو رہے ہمیں اس سے کیا مطلب۔ یہاں تو ہمیشہ سردیوں میں ٹھٹھرتے رہیں گے اور گرمیوں میں پسینے میں نہاتے رہیں گے۔ آخر ہمارے ہاں بھی تو سمندر ہے اور سولہ آنے ہمارا۔ بحر ہند جو کہلاتا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ پورا نکھٹو ہے۔ نہ سرد دھارا نہ گرم رو"

اور یہ جو مون سون برسات لاتی ہے وہ کہاں سے آتی ہے۔ اگر بحرِ ہند انھیں بخارات نہ بخشتا تو بارش کہاں سے ہوتی۔ ہمارے دریا، ہمارے نباتات، ہمارے جنگل کہاں ہوتے اور یہ نہ ہوتے تو شاید ہم بھی کہاں ہوتے۔"

ارے بھئی یہ چیزیں نہ ہوتیں تو کیا تھا۔ سینما گھر میں جاکر بیٹھ جاتے۔ کلکتہ کی بنی ہوئی فلموں میں دیکھ لیا کرتے۔"

واہ صاحب فہم کی بھی کیا بات کہی۔ اگر سمندر مغربی گھاٹ پر پانی سے بھری ہوئی ہوا نہ بھیجے تو وہ خوب صورت مناظر کیسے پیدا ہوں جو ہماری فلموں میں اکثر دکھائے جاتے ہیں۔ اگر سمندر نہ ہوتا تو بھلا لوگ بڑا دن منانے کلکتے کیوں جایا کرتے۔"

"ارے! ہم تو سمجھے تھے لوگ بڑے دن کو کلکتے گھوڑ دوڑ دیکھنے جاتے ہیں۔"

ہاں یہ بھی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ کلکتے میں دسمبر کا موسم نہایت خوش گوار ہوتا ہے۔ اور دسمبر کا کیا ذکر سمندر کے کنارے تو ہمیشہ بارہ مہینے نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی۔ سمندر کے بخارات کیا ہیں کہ دن کو خشکی کے لئے چھتری اور رات کو کمبل کا کام دیتے ہیں۔ اس لئے درجۂ حرارت اچھا خاصا معتدل رہتا ہے۔ اکیلی خشکی کا حال نہ پوچھو بس ایک چھچھورے ساہوکار کا ہے۔ تھوڑی سی گرمی پہنچی تو لگی تپنے اور پھر ٹھنڈک ہوئی تو ٹھٹھر کے رہ گئی۔ مثلاً شمالی افریقہ

(FEZZAN) کی راجدھانی (MURZUK) ہی کو دیکھ لیجئے۔ یہاں دن کے وقت سایے میں درجۂ حرارت ۱۳۰ تک چڑھ جاتا ہے اور صبح صبح جاڑے سے بھی سات درجے نیچے ہوتا ہے۔ طرابلس کے جنوبی صحرا میں جہاں آج کل جنگ جاری ہے ایک مرتبہ دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اس کے اندر دو مقامات پر اتنی برف پڑی، اتنی برف پڑی کہ مکانوں کی چھتیں مارے بوجھ کے نیچے آگئیں۔ برف! اور صحرا کے اندر برف! وہاں کی چھتیں تو ہماری طرح ہموار ہوتی ہیں۔ ڈھلوان تو جب بناتے کہ برف گرنے کا خطرہ ہوتا۔ مگر خشکی کا اعتبار نہیں۔ ٹھنڈک ہوئی تو اتنی ٹھٹھری کہ اوپر کی فضا کو یخ کردیا اور اس کے بخارات برف کے گالوں کی شکل میں نیچے گرنے لگے۔ اب اگر اس صحرا میں بحیرۂ روم کا پانی چھوڑ دیا جائے تو اس قسم کی اچانک تبدیلیاں آب و ہوا میں واقع نہ ہوسکیں گی۔"

بھئی میرے اگر دو پر ہوتے تو اڑ کر سیدھا سمندر کے پاس پہنچتا اور دونوں پر پھیلا پھیلا کر خوب دھوپ سینکا کرتا۔ اور سینکنے کی ضرورت بھی کیوں ہوتی۔ وہاں سردی تھوڑا ہی ہوگی۔"

ہاں یہ تم نے سچ کہا۔ خوش گوار موسموں کا لطف تو پرندے خوب لیتے ہیں۔ پچھلے دنوں ہمارے ماموں ایک قاز شکار کرکے لائے۔ کیسی بھولی بھالی

خوبصورت - ہم نے پوچھا اس چڑیا کو کیا کہتے ہیں
تو بتایا [illegible] اور پھر انھوں نے بتایا کہ جب
شمال [illegible] میں قطبی سمندر کی طرف سے سرد
ہوائیں چلتی ہیں تو یہ پرندے جنوب کے گرم دیسوں
میں آجاتے ہیں۔

بجلی پر تو ہم کیا لگائیں گے ، مگر ہاں ایک
ترکیب ہو سکتی ہے۔ سنا ہے ایک مرتبہ دیوتاؤں
نے امرت حاصل کرنے کے لئے سمندر کو متھا
تھا اور اسی سے دھارائیں بنی ہوں گی ۔ اب کے
پھر سمندر کو متھا جائے لیکن [illegible] دیا جائے تو
وہ سب دھارائیں ہمارے بحر ہند میں آجائیں گی اور
پھر امرت کی دھارا نئے سرے سے یہاں بھی بہنے لگے گی۔"

سائنس کے کھیل

مقدس علی خاں
بدایوں
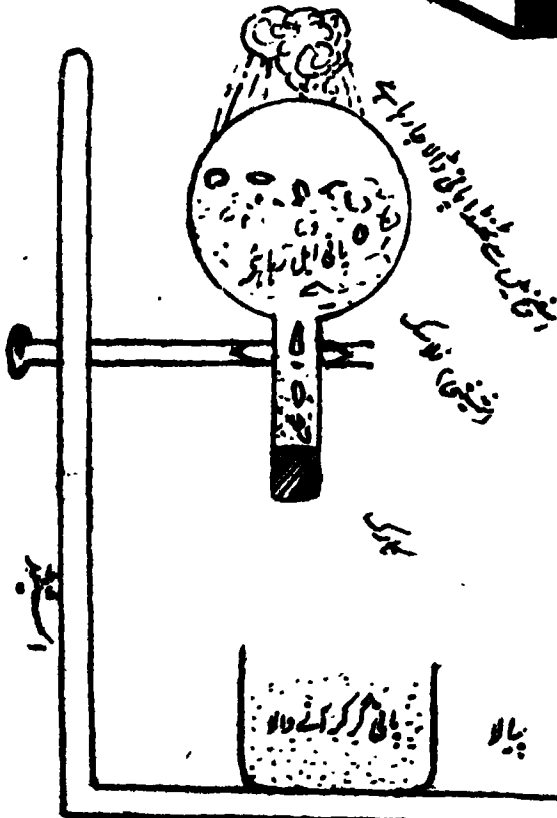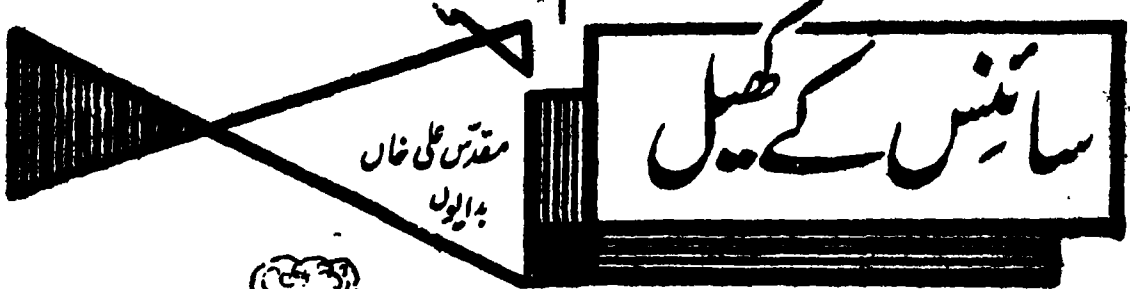
پانی جب کھولنے لگتا ہے تو اس میں سے بلبلے اُٹھنے لگتے
ہیں۔ اچھا آؤ ایک تجربہ کریں، بڑا دلچسپ، ایک مضبوط خوب
صورت سی شیشی لے آؤ۔ اس کا کارک خوب کسا ہوا ہو
اب کسی برتن میں پانی کو خوب جوش دو۔ جب خوب جوش
آجائے تو فوراً اسے شیشی میں بھر دو، بس پونی شیشی میں۔
شیشی میں کارک خوب کس کر لگاؤ۔ تمھارے ہاں تختے یا چوکی میں چھید
ہو تو شیشی کو اس چھید میں الٹ کر رکھ دو اگر اسٹینڈ ہو تو جیسا کہ
تصویر میں دکھایا گیا ہے، تو بہت اچھا ہے۔ اب اس شیشی پر ٹھنڈا
پانی ڈالو، دیکھو اُٹھنے لگے بلبلے۔ ارے یہ تو پانی ابل رہا ہے کیسا
دلچسپ تجربہ ہے مگر ایک بات کا خیال رکھنا شیشی کا کارک خوب
کسا ہوا ہو اور پانی میں جوش آتے ہی فوراً شیشی میں ڈال
دیا جائے ہاں شیشی بھی خوب مضبوط ہونی چاہیے۔"

پانی ابل رہا ہے
شیشی کا کارک
پیالہ
پانی گر کر آنے والا

شمو:۔ بھائی جان اُنھوں نے کہا آؤ ہم تم آنکھ مچولی کھیلیں۔ ہم نے کہا چلو۔ اُنھوں نے اول بدل میں بے ایمانی کرکے ہم کو چور بنا دیا اور۔۔۔

جاوید:۔ کتنی مرتبہ تم سب کو منع کرچکے ہیں کہ ایسے کھیل نہ کھیلا کرو۔ دیکھو شمو کے سب کپڑے مٹی میں خراب ہوگئے۔ اور تم دونوں اپنی صورتیں تو دیکھو شیطانوں کی سی، کپڑے تمام کیچڑ مٹی میں بھرے ہوئے۔ شرم آنا چاہیے تم کو۔

مجن:۔ تو پھر ہم کون سا کھیل کھیلیں بھائی جان؟

جاوید:۔ ارے کھیل کے بچے۔ کیا کھیل کے بغیر کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ اور اگر کھیلنا ہے تو ایک جگہ بیٹھنا، لطیفے کہنا۔ پہیلیاں بجھانا۔ اسی وجہ سے تم دونوں مار کھاتے ہو، مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ مولوی صاحب کہاں ہیں؟

مجن:۔ سو رہے ہیں۔

جاوید:۔ سوگئے؟

غفور:۔ ہاں وہ سوگئے ہیں شاید کل سنیما دیکھنے گئے تھے۔

شمو:۔ اسی وجہ سے تو ہم سب کھیل رہے تھے۔

جاوید:۔ تو کوئی دوسرا کھیل کھیلنا تھا۔ ایسے کھیلوں میں تو کپڑے خراب کرنا گرنا پڑنا چوٹ چپیٹ سبھی کچھ مصیبت ہے۔

مجن:۔ اور مولوی صاحب اگر کہیں اُٹھ بیٹھے تو پھر مزا آجائے گا۔

غفور:۔ بھائی جان کل مولوی صاحب نے مدرسے میں موہن کو اتنا پیٹا اتنا پیٹا کہ تمام پیٹھ لال ہوگئی۔ بے چارے کے منہ سے خون آنکلنے لگا۔

شمو:۔ آج آتے آتے میرے سر پر ایک ایسی چپت

جھائی کو سر کرتے کرتے بچ گیا۔

(سب ہنستے ہیں)

مجن:۔ بھائی صاحب ابّن جان سے کہہ دیجئے [illegible] صاحب ہمیشہ سوتے رہتے ہیں یا پھر [illegible] ہنستے ہیں۔ کوئی دوسرے مولوی صاحب ہوتے تو ....

جاوید:۔ ہاں ہاں میں بھی اسی فکر میں ہوں۔

مولوی:۔ کس فکر میں ہو جاوید۔ (سناٹا)
بڑے افسوس کی بات ہے جاوید تم ان سب سے بڑے ہو۔ پھر تمہاری عقل کیوں چرنے چلی گئی ہے تم سمجھ رہے تھے کہ میں سو رہا تھا میں پڑھانے آتا ہوں کہ سونے۔ کل تم سب نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ جو کام دیتے ہیں ہم اچھی طرح پورا کر لیتے ہیں بس مجھے صرف یہی دیکھنا تھا اور اسی وجہ سے میں سوتا بن گیا تھا۔ ہاں کیوں میاں غفور، موہن کو میں نے کب مارا تھا۔ جھوٹ بولتے ہو شرم نہیں آتی .... ہاں میاں مجن تم کو تو پہاڑے یاد کرنے کے لئے بتائے گئے تھے۔ یہاں تم بیٹھے کیا کر رہے ہو؟

مجن:۔ ماسٹر صاحب غفور نے ہم کو بلایا ہم چلے آئے۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے اور ہم یہاں بھی بیٹھے بیٹھے آہستہ آہستہ پہاڑے یاد کر رہے تھے کہ کہیں آپ کی نیند خراب نہ ہو۔

مولوی:۔ ہاں ٹھیک ہے ...... اور آنکھ مچولی کون کھیل رہا تھا؟

شمو:۔ ہم منع کرتے رہے مولوی صاحب کہ نہ کھیلو نہ کھیلو مگر یہ لوگ نہیں مانتے۔

مولوی:۔ اچھا چلو تم سب کے سب اِدھر آؤ۔

(چلنے کی آواز)

مولوی:۔ چلو بیٹھو۔ (بیٹھنے کی آواز)
تم لوگ ایسے کھیل کیوں کھیلتے ہو۔ دوسرے بہت سے کھیل ہیں جس سے تمہاری قابلیت بھی بڑھ سکتی ہے اور دل بھی لگ سکتا ہے۔

شمو:۔ وہ کون سے کھیل ہیں مولوی صاحب؟

مولوی:۔ پہلے یہ بتاؤ کہ اب تو کبھی ایسے کھیل نہ کھیلو گے؟

شمو:۔ نہیں مولوی صاحب اب ہم کبھی نہیں کھیلیں گے۔

مولوی:۔ اچھا پہلے کچھ زبانی سوال کرتا ہوں اُن کو حل کر لو پھر کھیل بتائیں گے۔

مجن:۔ اچھا مولوی صاحب۔

مولوی:۔ ہاں بتاؤ۔ ایک آدمی کے دو سر تو پانچ آدمیوں کے کتنے سر ہوں گے؟

شمو:۔ پانچ مولوی صاحب ...... مگر مولوی صاحب

نہیں آدمی کے دو سر بھی ہوتے ہیں۔
مولوی :۔ تم بتاؤ میاں مجّن۔
مجّن :۔ چھ مولوی صاحب
مولوی :۔ کیسے۔
مجّن :۔ دو کا پہاڑہ پانچ تک پڑھیں تو جواب نکل آئے گا۔
مولوی :۔ اچھا پڑھئے دو کا پہاڑہ۔
مجّن :۔ دو اکن دو۔ دو دوُن چار۔ دو تیئے چھ۔ دو چوک چھ۔ دو پنجے چھ۔
مولوی :۔ واہ وا ! پہاڑے تو تم کو خوب یاد ہیں۔ اچھا تم بتاؤ غفور۔
غفور :۔ پانچ آدمیوں کے دس سر ہوں گے مولوی صاحب۔
مولوی :۔ کیسے۔
غفور :۔ دو کا پہاڑہ پانچ تک پڑھا۔ دو پنجے دس۔
مولوی :۔ کیوں میاں مجّن۔ اب بتاؤ تم کو کیا سزا دوں۔ بس بن جاؤ مُرغا۔
مجّن (عاجزی سے) نہیں مولوی صاحب معاف کر دیجئے۔ آیندہ سے برابر یاد کر لیا کروں گا۔
مولوی :۔ اب ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔ کسی کی ضمانت دو۔

مجّن :۔ بھائی جان آپ دے دیجئے جو مولوی صاحب کہہ رہے ہیں۔
جاوید :۔ مگر تم تو بہت کھلاڑی ہو۔ اچھا ماسٹر صاحب آج جانے دیجئے۔ اگر پھر کبھی ہو تو بلی بنا دیجئے گا۔
مولوی :۔ اچھا جاؤ معاف کر دیا۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم کو کس نے بنایا ہے۔
جاوید :۔ میں بتاؤں۔
مولوی :۔ نہیں تم نہیں۔ مجّن تم بتاؤ۔
مجّن :۔ ہم کو مولوی صاحب کسی نے بھی نہیں بنایا۔
مولوی :۔ اچھا تو تم یوں ہی آسمان سے ٹپک پڑے۔
(سب ہنستے ہیں)
شمو :۔ مولوی صاحب ہم بتائیں۔
مولوی :۔ ہاں بتاؤ
شمو :۔ ہم کو ابا جان اور اماں جان نے بنایا۔
(سب ہنستے ہیں)
مولوی :۔ اچھا غفور تم بتاؤ۔
غفور :۔ ہم کو اللہ میاں نے بنایا۔
مولوی :۔ شاباش۔ اچھا اب یہ بتاؤ مجّن تم کس چیز سے بنے ہو۔
مجّن :۔ گوشت سے (ہنسی)
مولوی :۔ واہ وا۔ اچھا تم شمو۔

شمو :۔ آدمی کے گوشت سے بنے ہیں۔
(سب ہنستے ہیں)
مولوی :۔ بھئی واہ شمو تمہارا جواب تو لاجواب ہوتا ہے۔ اچھا غفور تم۔
غفور :۔ ہم مٹی سے بنے ہیں مولوی صاحب۔
مولوی :۔ شاباش۔
شمو :۔ یہ جھوٹ کہتے ہیں مولوی صاحب۔
مولوی :۔ کیسے؟
شمو :۔ مولوی صاحب ہمارے لئے ابا جان جتنے مٹی کے کھلونے لائے تھے سب نیچے گر گر ٹوٹ گئے۔ مگر غفور بھائی تو کئی دفعہ گر چکے ہیں، مگر بالکل نہیں ٹوٹے اور پھر کل اماں جان نے رول سے ان کو مارا اگر یہ مٹی کے ہوتے تو رول پڑتے ہی ان کی گردن ٹوٹ جاتی۔
مجن :۔ اور مولوی صاحب اگر یہ مٹی کے بنے ہیں تو نہاتے وقت کیچڑ نہ بن جاتے۔
مولوی :۔ بھئی واہ تم دونوں کے دونوں بہت عقل مند ہو۔
:۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ ہم نے جو سمجھا کہہ دیا مولوی صاحب۔
مولوی :۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ اچھا ٹھہرو تم کو ہم ابھی سمجھائے دیتے ہیں۔ ہاں تو تم کیا پوچھنا چاہتی ہو پوچھو

شمو :۔ یہی کہ اصل میں ہم کس چیز سے بنے ہیں۔
مولوی :۔ مٹی ہی سے بنے ہیں۔
شمو :۔ پھر زمین والی مٹی میں اور ہم میں کیوں فرق ہے؟
مولوی :۔ ابھی بتاتا ہوں غور سے سنو۔ ہاں میاں مجن ہم روزانہ کیا کھاتے پیتے ہیں۔
مجن :۔ گوشت، ترکاری
مولوی :۔ کس کا گوشت کھاتے ہیں۔
شمو :۔ بکری۔ بکرے کا گوشت۔
مولوی :۔ بکری بکرے کیا کھاتے ہیں۔ تم بتاؤ مجن۔
مجن :۔ گھاس پات۔
مولوی :۔ گھاس پات۔ کہاں سے آتے ہیں۔
غفور :۔ زمین سے آگتے ہیں۔
مولوی :۔ زمین سے کیسے اگتے ہیں تم بتاؤ شمو۔
شمو :۔ بو دیتے ہیں۔
مولوی :۔ کیا بو دیتے ہیں۔
شمو :۔ کچھ بھی۔
مولوی :۔ کچھ بھی سے کیا مطلب۔ تم بتاؤ مجن۔
مجن :۔ بیج بوتے ہیں مولوی صاحب۔
مولوی :۔ بیج کہاں سے آتا ہے
شمو :۔ درخت میں سے۔ مگر مولوی صاحب ہماری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔

مولوی ۔ پوچھو۔

شمو ۔ پیج تو ہوتا ہے کھی کے سر کا اتنا۔ پھر یہ بڑے بڑے درخت کہاں سے آجاتے ہیں؟

مولوی ۔ تم کو نہیں معلوم؟

شمو ۔ معلوم تو ہے مگر ...... اچھی طرح نہیں معلوم۔

مولوی ۔ اچھا جو معلوم ہے وہی بتاؤ۔

شمو ۔ اللہ میاں بنا دیتے ہوں گے۔

مولوی ۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر اللہ میاں صرف حکم دیتے ہیں۔ دیکھو تمہارے ابا جان، اماں جان اور ہم کتنے بڑے ہیں اور تم لوگ ہم سے کتنے چھوٹے۔

شمو ۔ ہاں!

مولوی ۔ مگر کیا ہمیشہ سے ہم اتنے ہی ہیں۔

شمو ۔ ہیں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ✦

اتوار کا دن تھا دوپہر کا وقت۔ میں اپنے گھر میں چارپائی پر لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا۔ گرمی کی اُمس نے پریشان کر رکھا تھا۔ نیند بھی نہ آتی تھی۔ نہ پڑھنے میں جی لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ چاروں طرف اندھیرا چھانے لگا۔ آسمان پر کالے کالے بادل دکھائی دینے لگے اے لو دم کے دم میں پانی بھی آگیا۔ تھوڑی دیر میں پانی رکا تو میں گھر سے باہر نکلا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے دل خوش کر دیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کس بلا کی گرمی تھی اور اب کیا سماں ہے۔ پانی رُک چکا تھا۔ لیکن بادلوں کے دل کھول چلے ہی آتے تھے۔ پورب کی گھٹائیں دیکھ کر جی سیر کو للچایا۔ اسی خیال میں تھا کہ نگاہ اُتر طرف اُٹھی۔ میرے کچھ اسکول کے ساتھی سائکلوں پر چلے آرہے تھے میں نے اُن کو دیکھتے ہی تاڑ لیا، کہ انھیں بھی سیر کی سوجھی ہے۔ سب میرے مکان میں بغیر کسی اجازت کے گھس آئے۔ ذکی میاں نے کہا کہ بھائی خلیل! آج تو سیر کرنی چاہیے۔ نیاز نے اُس کی تائید کی۔ اور میں تو پہلے ہی سے تیار تھا، ہم سب سائکلیں لے کر چل پڑے۔ سائکلیں اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں خوب مزا دے رہی تھیں سامنے دیہات کے ہرے بھرے کھیت تھے۔ گاؤں کے تالاب پر کسانوں کا ہجوم تھا۔ کچھ بڑی محنت سے اپنی کیاریوں کی مینڈیں درست کر رہے تھے۔ اور کچھ دیر میں پہنچنے پر افسوس کر رہے تھے، اُن کی کیاریوں کا تمام پانی مینڈیں کاٹ کر بہہ گیا تھا۔

ہم سب یہ تماشے دیکھتے جاتے تھے اور سڑک پر سائکل بھی چلاتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں دریا کا پُل بھی آگیا۔ بہت سے آدمی اس پر بیٹھے پانی کے بہاؤ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ کشتیاں بھی چل رہی تھیں۔

تھوڑی دیر میں زنانہ اسپتال آگیا۔ یہ اسپتال شہر سے باہر اسٹیشن کے پاس ہے۔ وہاں سے جو ہم نے پورب کی طرف تاکا تو ایک سیدھا راستہ جاتا تھا۔ سڑک تو اس طرف نہیں تھی لیکن راستہ

پہنچا تھا۔ سائکل دوڑائی گئی۔ دم کے دم میں ہم بہت دور پہنچ گئے۔ آگے راستہ خراب تھا۔ لوٹنے کا خیال ہوا۔ گھڑی دیکھی گئی تو صرف پندرہ منٹ دن تھا۔ اندھیرا کافی ہو چلا تھا۔ گھٹا آسمان پر چھائی ہوئی تھی۔ اب تو ہم بہت گھبرائے۔ "اب گھر کیسے پہنچیں گے؟" ذکی نے کہا۔ ہم لوگوں کو سیر کی ترنگ میں کچھ نہ معلوم ہوا۔ حالانکہ ہم شہر سے کافی دور چلے آئے تھے۔

اسی سوچ بچار میں بالکل شام ہوگئی۔ ہم نے سوچا کہ اب تو گھر پہنچنا مشکل ہے۔ چلو کسی گاؤں میں رات بسر کی جائے۔

سامنے ہی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ دس بیس گھر ہوں گے۔ ہم سب وہاں گئے۔ اہیروں کی بستی تھی اہیر گوالے ہوتے ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں، اور گائے بھینس پالتے ہیں۔ اناج اور دودھ ان کی دولت ہے۔ رستے میں چند گوالے ملے۔ یہ اپنی بھینسوں کو دوہ رہے تھے۔ انھوں نے ہم لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو سلام کیا، جیسے پہلے کی جان پہچان ہو۔ "چودھری سلام! چودھری سلام!" کئی آدمیوں نے ایک بارگی کہا

ان میں سے ایک گوالا ہماری طرف بڑھا اور پوچھنے لگا "سرکار لوگ اتنی شام کو ادھر کہاں چلے آئے؟" ہم نے کہا "ہم پڑھنے والے لڑکے ہیں۔ آج چھٹی میں ادھر ہی گھومتے چلے آئے تھے، شام ہوگئی" اہیروں نے کہا "سرکار! آپ لوگ آج ہمارے یہاں ٹھیریں۔" "ہم آپ لوگوں کی ہر طرح سیوا کریں گے۔" ہم اُن کے اس اخلاق پر تعجب کر رہے تھے آخرکار ہم نے کہا "ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں صرف سوئیں گے۔" انھوں نے کہا "یہ کیسے ہوگا بابوجی آپ ہمارے دروازے پر آئے ہیں تو ہم آپ کو بھوکا رکھیں گے؟ ہمارے گھر میں جو کچھ میسر ہے وہ آپ کو کھلائیں گے۔" ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک گوالا جلدی سے گیا اور گاؤں میں سے چار پانچ چارپائیاں جمع کر لایا۔ نیم کے پیڑ کے تلے چارپائیاں بچھا کر ہم بیٹھ گئے۔

کوئی ایک گھنٹہ رات جانے پر گوالے ہمارا کھانا لے کر پہنچ گئے۔ اُن کے ساتھ ایک لالٹین تھی۔ ہم بھوکے تو تھے ہی، جلدی سے بیٹھ گئے۔ وہیں چارپائی پر ہم لوگوں نے کھانا رکھوا دیا اور لگے ہاتھ دھو کر سب ایک ساتھ کھانے۔ ہمارے کھانے کا یہ طریقہ دیکھ کر چند اہیر آڑ میں کھڑے مسکرا رہے تھے۔ کیونکہ وہ کرتا نکال کر زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ کھانا کیا تھا۔ روٹی، دال، چاول، ترکاری، دودھ کھانا کھا چکنے کے بعد ہم سب لیٹ گئے۔ سامنے اہیر بھی نیم تلے زمین پر بیٹھے تھے۔ بڑی دیر تک وہ ہم سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔ اور ہم ان کا

جھوٹ سچ جواب دیتے ہوئے سو گئے۔

صبح سویرے دن نکلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے گوالوں نے ہمیں جگایا۔ ہم اُٹھ گئے اور گاؤں کے تالاب پر جاکر ضروریات سے فارغ ہوئے۔ واپسی پر سورج نکل رہا تھا۔ گاؤں کے کنارے سے اُس کا منظر بڑا بھلا معلوم ہوتا تھا۔ آئے تو دیکھا کہ اُنھوں نے ہمارے ناشتے کے لئے تازہ تازہ بھنے ہوئے چنے رکھے ہیں اور دودھ کا شربت۔ ہم لوگوں نے چنے چبا کر شربت پیا۔ سچ جانو یہ چنے اور شربت گھر کی مرغن غذاؤں سے بھی زیادہ مزا دے رہے تھے۔ ناشتہ کر کے ہم اپنے کسان بھائیوں سے رخصت ہوئے۔

راستے میں ہم تھے، ہماری سائکل، گاؤں کی بہاروں کا ذکر اور کسانوں کے اخلاق اور مہمان نوازی کی تعریفیں ؛

ادارہ تعلیم و ترقی کی چار مفید کتابیں

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بڑی عمر کے بے پڑھے لکھے یا کم پڑھے لوگوں کے لئے ایک ادارہ قائم کیا ہے "ادارہ تعلیم و ترقی" یہ ادارہ جناب مولینا شفیق الرحمن صاحب قدوائی کی نگرانی میں بہت دنوں سے کام کر رہا ہے اور اب تک بالغ مبتدیوں کے لئے بے شمار رسالے شائع کر چکا ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے اس نے چار چھوٹی اچھی کتابیں چھاپی ہیں یہ کتابیں موجودہ لڑائی کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام ہے "یورپ کی بپتا"۔ اس میں پہلی بڑی لڑائی (۱۹۱۴ء) سے لے کر اب تک کے یورپ کا حال ہے اس میں بتایا ہے کہ پہلی بڑی لڑائی کس وجہ سے ہوئی لڑائی سے پہلے یورپ میں کتنے ملک تھے لڑائی کے بعد کون کون سی حکومتیں ختم ہوئیں اور کون کون سی نئی حکومتیں پیدا ہوئیں پھر موجودہ لڑائی کیسے شروع ہوئی، لڑائی کے شروع میں برطانیہ اور فرانس کا کیا حال تھا کون کون سے ملک جرمنی کے ساتھ ہیں اور کون کون سے برطانیہ کے ساتھ اور کتنے غیر جانب دار۔ اس کے علاوہ کن کن ملکوں پر جرمنی کا قبضہ ہو گیا ہے۔

دوسری کتاب کا نام ہے "ظالم جاپان"۔ اس میں جاپان کا جغرافیہ، تاریخ، مذہب، علمی، سیاسی، تجارتی ترقی اور فوجی ترقی کا مختصر سا حال ہے اور پھر بتایا ہے کہ جاپان اپنے نفع کی خاطر کمزور ملکوں پر کیسے کیسے ظلم کر رہا ہے۔ تیسری کتاب "مظلوم چین" میں بھی پہلے وہاں کے جغرافیے، تاریخ، تمدن، صنعت و حرفت کا حال بتایا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ پرانے زمانے میں چین نے کتنی عظیم الشان ترقی کی تھی اور اب رفتہ رفتہ وہ کتنا کمزور ہو گیا اور اب چند چینی لیڈروں کی کوشش سے اس میں پھر کچھ جان پیدا ہو رہی ہے۔ مگر اس کا دشمن جاپان اُسے پنپنے نہیں دیتا۔

چوتھی کتاب "شاباش روس" میں روس کا کچھ جغرافیہ ہے۔ اگلا پچھلا کچھ تاریخی حال ہے، پھر بالشویک روس کی کچھ تھوڑی سی تاریخ ہے اور یہ بتایا ہے کہ روس نے اس نئے طرز کی حکومت کے سائے میں کیسی حیرت انگیز ترقی کی۔ آخر میں روس اور جرمنی کی لڑائی کا ذکر ہے۔ یہ چاروں کتابیں بالغ مبتدیوں کے لئے لکھی گئی ہیں، مگر سپاہی بھی ان سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ آج کل کی لڑائی کے سمجھنے میں ان کتابوں سے بہت مدد ملے گی۔

مکتبہ جامعہ نئی دہلی، قرول باغ

بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین نیر کی اصلاح کے بعد

کیمرا

ادریس احمد، علی گڑھ

کیسا اچھا کیمرا ہمارا | تصویر اچھی کھینچنے والا
نام ہے اس کیمرے کا آگفا | نام بھی ہے یہ پیارا پیارا
سب کا دلارا ہے یہ کیمرا | آنکھوں کا تارا ہے یہ کیمرا
سلمیٰ کا بھی پیارا ہے یہ | جگ سے نیارا نیارا ہے یہ

برسات کا موسم

سید مظہر حسین قیصر کمام گاؤں

برسات آئی | برسات آئی
ٹھنڈی ہوائیں | کالی گھٹائیں
مستی بھری ہیں | چھائی ہوئی ہیں
سبزہ لہک رہا ہے | بلبل چہک رہا ہے
پانی برس رہا ہے | موتی گرا رہا ہے
بادل گرج کر آئے | پھیرا لگا کر آئے
بجلی چمک چمک کر | بادل گرج گرج کر
کیا خوب آ رہے ہیں | دنیا پہ چھا رہے ہیں
دیکھو کسان خوش ہے | سارا جہان خوش ہے
دیکھو وہ آئے بادل | پانڈیوں کا ہے دل

نالے ابل رہے ہیں | بچے اچھل رہے ہیں
ندی کا زور دیکھو | دریا کا شور دیکھو

طوطا

امان اللہ خاں۔ پروانہ

اماں جی نے طوطا پالا | ہے اس کا رنگ سب سے نرالا
اس کے پروں کا رنگ ہرا ہے | جیسے پیڑ کے پتوں کا ہے
ہر طوطے کی چونچ پہ لالی | چونچ ہے ٹیڑھی اور نکیلی
پنجرے میں رہتا ہے وہ طوطا | ٹیں ٹیں کرتا ہے وہ طوطا
کھاتا ہے پھل بڑے مزے سے | مرچیں بھی کھاتا ہے مزے ہی
پروانہ نے نظم یہ لکھی | سب ہی کو یہ دل سے بھائی

چاند

محمد عظیم عزم

سورج ڈوبا اور شب آئی | دنیا پر تاریکی چھائی
تارے نکلے اک اک کر کے | لگے عالم کو روشن کرنے
اتنے ہی میں چاند بھی نکلا | پھیل گیا ہر سمت اجالا
تاروں کا یہ چاند ہے راجا | تارے اس کے امرا و وزرا
کیسا ہے پیارا چاند کا ٹکڑا | جیسے فلک پر سونے کا ٹکڑا
رات کو یہ جنگل میں چمکتا | اس سے مسافر رستہ پاتا
چاند ہمارے ہاتھوں میں آ جا | آ کر اپنا حال سنا جا

ہمت
مبارک حسین خاں ازہر ناسین

گر چاہتے ہو شہرت ہمت سے وہ ملے گی ۔ گر چاہتے ہو دولت ہمت سے وہ ملے گی
درکار اگر ہے عزت ہمت سے وہ ملے گی ۔ درکار گر ہے جنت ہمت سے وہ ملے گی

ہمت بڑھاؤ بچو ہمت سے کام ہوگا
ہمت سے کام ہوگا ہمت سے نام ہوگا

بزدل ہیں جو جہاں میں ان کا مآل دیکھو ۔ رہتے ہیں زندگی میں ہر دم نڈھال دیکھو
تکلیفوں کے سبب سے ہیں خستہ حال دیکھو ۔ لیکن کیے ہیں کام کسب کمال دیکھو

ہمت بڑھاؤ بچو ہمت سے کام ہوگا
ہمت سے کام ہوگا ہمت سے نام ہوگا

ہمت سے کام کرنا بزدل کبھی نہ ہونا ۔ چالاک و چست رہنا بزدل کبھی نہ ہونا
دنیا میں اے عزیزو غافل کبھی نہ ہونا ۔ دو دن کی زندگی میں کاہل کبھی نہ ہونا

ہمت بڑھاؤ بچو ہمت سے کام ہوگا
ہمت سے کام ہوگا ہمت سے نام ہوگا

ہر چیز میں خدا ہے
شجاع نظام آبادی

برگِ چمن لہک کے ۔ اور آسماں چمک کے
اور پھول پھل مہک کے ۔ کہتے ہیں یہ چہک کے
ہر چیز میں خدا ہے ۔ ہر چیز میں خدا ہے

اب شیخ سے یہ پوچھو ۔ وہ ڈھونڈتا ہے کس کو
کس کی طلب ہے اس کو ۔ کس کی تلاش میں ہے
ہر چیز میں خدا ہے ۔ ہر چیز میں خدا ہے

کیوں لڑ رہے ہو بھائی ۔ کس جا نہیں خدائی
کس نے زمیں بنائی ۔ سچ بات تو یہی ہے
ہر چیز میں خدا ہے ۔ ہر چیز میں خدا ہے

بحرالکاہل کے اور جزیروں کی طرح جاپان آسٹریلیا پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ آسٹریلیا کی بندرگاہوں پر خطرہ پوری طرح ٹلا نہیں ہے۔

یہ جزیرہ بحرالکاہل کے جنوب میں ہے۔ جزیرہ کیا
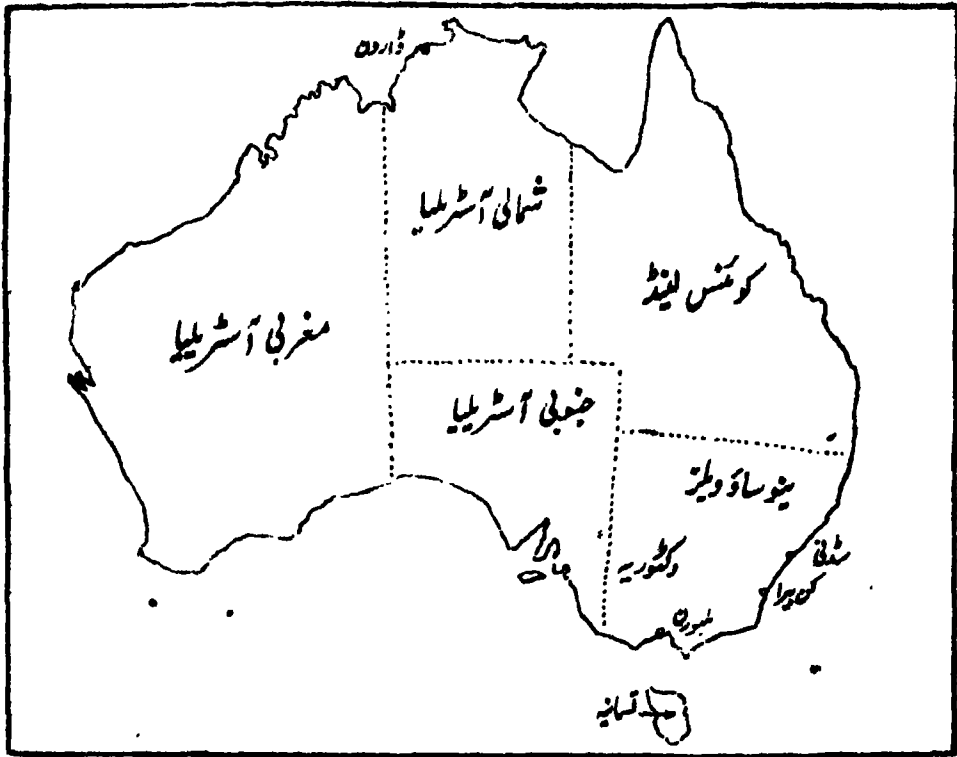
اس کے حملے برابر ہو رہے ہیں۔ اگر امریکہ کی ہوائی اور خشکی کی فوجیں مدد کو نہ پہنچ گئی ہوتیں تو آسٹریلیا کو تنِ تنہا اپنی حفاظت میں بہت دقت ہوتی باوجود اس کے ابھی ہے چھوٹا موٹا براعظم ہے اس کا رقبہ (۲۹۷۴۵۸۱) مربع میل ہے یعنی یورپ کا تین چوتھائی۔ ہمارے ہندوستان کا رقبہ اس کے مقابلے میں ۱۸۰۸۶۱۹ مربع میل ہے۔

آسٹریلیا کا زیادہ حصہ میدانی ہے، پورب میں پہاڑی سلسلہ بھی ہے۔ سب سے اونچی چوٹی سات ہزار فٹ بلند ہے۔ تین بڑے بڑے دریا بھی مشرق ہی میں ہیں، جھیلیں بھی کئی ہیں سب سے بڑی جھیل تارنس (TORRENS) ہے۔ ساحل آٹھ ہزار میل لمبا ہے شمال سے جنوب تک اس کی لمبائی دو ہزار میل ہے، مغرب سے مشرق تو اور بھی زیادہ ہے، سڈنی اور ملبورن یہاں کے سب سے بڑے شہر ہیں۔ کن برا میں مرکزی دفتر اور پارلیمنٹ ہے۔

آسٹریلیا انگریزوں کے ماتحت ہے۔ مگر یہ ماتحتی برائے نام ہے۔ اپنے ملک کے انتظام میں وہ بالکل آزاد ہے۔ یہاں انگریزوں کے نمائندے کی حیثیت سے گورنر جنرل بھی رہتا ہے۔ انتظام کی سہولت کے لئے جزیرے کو چھ صوبوں یا ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے یہ صوبے یا ریاستیں اپنے اپنے علاقوں کے انتظام میں خود مختار ہیں۔ یہاں ایک پارلیمنٹ بھی ہے اس میں ان چھ ریاستوں کے نمائندے منتخب ہو کر آتے ہیں۔

آسٹریلیا میں اون کے لئے بھیڑیں بکثرت پالی جاتی ہیں۔ یہ یہاں کی سب سے بڑی تجارت ہے اور تمام دنیا کے لئے اون زیادہ تر یہیں سے جاتا ہے۔ گائیں بھی پالی جاتی ہیں۔ گائے اور بھیڑ کا گوشت دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا ہے۔

کھیتی باڑی کے لئے پہلے پانی کی بہت کمی تھی مگر اب آبپاشی کا بہت اچھا انتظام کیا جا رہا ہے۔ گیہوں کے لئے آسٹریلیا نے تمام دنیا میں شہرت حاصل کر لی ہے، گرم خطوں میں (آسٹریلیا کے ایک تہائی علاقے کی آب و ہوا گرم ہے) روئی اور گنے کی کاشت ہوتی ہے۔ [illegible] کے درخت بھی لگائے گئے ہیں، انگور کی پیداوار بہت کافی ہے اور بڑی مقدار میں باہر بھیجا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مکھن، آٹا، چمڑا اور لکڑی بھی باہر بھیجی جاتی ہے، سونے چاندی، سیسے اور کوئلے کی کانیں بھی ہیں۔

یہاں صنعت و حرفت ترقی پر ہے، کارخانے زیادہ تر شہروں میں ہیں، آسٹریلیا میں جو دھاتیں نکلتی ہیں ان کی مختلف چیزیں انہی کارخانوں میں بنتی ہیں، کتائی اور بنائی کے کارخانے بھی ہیں اور اب تو لڑائی کا بہت کچھ سامان بھی بننے لگا ہے۔

یہاں کے سکے، نوٹ، وزن اور پیمانے وغیرہ سب اسی طرح کے ہوتے ہیں جس طرح کے برطانیہ میں ہوتے ہیں۔

اس ملک میں فوجی تربیت بہت دنوں سے لازمی ہے۔ پچھلی ۱۹۱۴ء کی بڑی لڑائی میں آسٹریلیا کی فوجوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی تھی۔ اس مرتبہ بھی اس نے بہت سی فوجیں مدد کے لئے انگلستان بھیجیں مگر اب وہ خود خطرے میں گھرا ہوا ہے۔

آسٹریلیا کی بہت سی باتیں دوسرے ملکوں کے مقابلے میں عجیب و غریب ہیں، جب ایشیا میں سردی ہوتی ہے تو یہاں گرمی پڑتی ہے، بہت سے پودے درخت اور جانور ایسے ہیں جو دوسرے ملکوں میں نہیں پائے جاتے۔ کونگرو کا نام تم نے بھی سنا ہوگا اس عجیب و غریب جانور کے پیٹ میں ایک تھیلی

سی ہوتی ہے۔ وہ دودھ پیتا بچہ ، اسی تھیلی میں رہتا
ہے۔ کانگرو کا قد چھ اور آٹھ فٹ کے درمیان ہوتا
ہے۔ اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی لمبی ہوتی ہیں۔ دُم خوب
موٹی اور مضبوط، اس کی کھال قیمتی ہوتی ہے۔ ایک
اور جانور اپوسم ہے۔ بلی کے برابر ہوتا ہے۔ درختوں
پر رہتا ہے۔ پھل پھول کھاتا ہے۔ اس کی کھال بھی
قیمتی ہوتی ہے، یہاں کا ڈنگوں کتا بھی مشہور ہے
ایمو، شتر مرغ کی قسم کا ایک پرندہ ہے، شتر مرغ
سے چھوٹا مگر یہاں کے سب پرندوں سے بڑا ہے۔

یہاں بعض جگہ چشمے بھی عجیب وغریب ہیں، زمین
میں سوراخ کرنے سے بڑے زوروں سے پانی نکلتا
ہے بہت اونچے فوارے کی شکل میں۔ انھیں آرٹیزن
ویل کہتے ہیں۔

آسٹریلیا کی دریافت کے بارے میں بہت سی باتیں
مشہور ہیں۔ بہت سے ملکوں کے اور قوموں کے
لوگوں نے اس کا کھوج لگایا ہے۔ آخر میں ولیم ڈین پیر نے
۱۶۸۸ء، اس سرزمین پر قدم رکھا پھر ۱۷۶۹ء میں
کپتان جیمس کک نے یہاں کے شمالی ساحل کا جائزہ
لیا اور برطانیہ کے نام پر اس پر قبضہ کرنا شروع کیا۔
۱۷۸۸ء میں لوگ یہاں آ آکر بسنے شروع ہوگئے۔
شروع شروع میں یہاں انگریز مجرموں کو بسایا گیا

یا ان امریکنوں کو جو امریکہ کے انقلاب کے موقع پر
انگریزوں کے ساتھی تھے۔ بعد میں اور لوگ بھی آنا شروع
ہوگئے۔ خصوصاً جب آسٹریلیا میں کانیں دریافت ہوگئیں
پھر آباد ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا ان لوگوں نے
اس ملک کو ہر حیثیت سے ترقی دی، جانور، بھیڑ بکریاں
گائے گھوڑے اپنے ملکوں سے لاکر پالے، اپنے ملکوں
کے پھل پھول اور درخت یہاں بوئے اپنے یہاں کا
اناج اگایا۔ غرض آسٹریلیا اس وقت بہت ترقی یافتہ
ملک ہے اور برابر ترقی کر رہا ہے لیکن یہاں ایشیا
کے لوگوں کو آباد ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لئے
یہاں کی آبادی بہت تھوڑی ہے یعنی ۱۹۳۳ء کی
مردم شماری کے مطابق کل ۶۷۶۹۵۶۶۔ اصلی باشندے
کل ۶۰ ہزار ہیں۔ اور پھر زیادہ تر لوگ شہروں میں
آباد ہیں۔ اب تم خود غور کرو، اتنا بڑا اور سرسبز وشاداب
ملک اور اس میں سونے چاندی اور دوسری دھاتوں کی
بڑی بڑی کانیں اور پھر آبادی اتنی کم، پھر بھلا جاپان
کیوں نہ اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے۔ وہ
یہاں لاکھوں جاپانیوں کو لاکر بسا سکتا ہے اور یہاں
کی قدرتی پیداوار اور معدنیات سے اپنی تجارت کو خوب ترقی
دے سکتا ہے۔ چنانچہ جاپان کے ہوائی حملے بندرگاہ ڈارون
اور دوسری بندرگاہوں پر برابر ہو رہے ہیں ◆

بچوں کی کوششیں

دانتوں کی صفائی

از عالم دارثی کانپوری

(یہ ڈراما میں نے اور میرے دوست محمد علی خاں صاحب نے جونیر ریڈ کراس کے جلسے میں کیا تھا جس میں ہم لوگوں کو اوّل آنے پر انعام دیا گیا تھا۔)

(دو لڑکے حامد اور محمود جا رہے ہیں اور آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔)

حامد:۔ ارے بھائی محمود! سنتے ہو! ایک پہیلی تو بوجھو

محمود:۔ اوہو! یہ کون سی بڑی بات ہے۔ امّاں جان رات کو بہت سی ایسی کہانیاں کہتی ہیں اور جہاں وہ اتا پتہ بتاتی ہیں میں فوراً بوجھ لیتا ہوں۔

حامد:۔ اچھا تو تو بتاؤ؟ کون سی ایسی چیز ہوتی ہے جو زندگی میں دو بار نکلتی ہے

محمود:۔ اتہ پتہ؟

حامد:۔ ارے یار میرے اور تمھارے تو ہیں ہی ہاتھی کے بھی بہت بڑے ہوتے ہیں

محمود:۔ (سر جھکا کر) دانت۔ ایک دودھ کے دانت اور دوسرے اناج کے۔

حامد:۔ ہاں دانت۔ تم جانتے ہو محمود۔ دانتوں کی گندگی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔

محمود:۔ آہاں ہٹو بھی، تم ایک دفعہ اسکول ہیلتھ افیسر کے پاس کیا ہو آئے ہو خود ہیلتھ آفیسر بن بیٹھے ہو۔ مجھے دانتوں کی صفائی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تو میں سمجھوں کہ تم پورے جونیر ریڈ کراس کے ممبر ہو۔

حامد:۔ بھائی مذاق تو کرو نہیں ہاں اگر کام کی باتیں سنتا ہوں تو سن لو۔

"جو لوگ دانت صاف نہیں کرتے، اُن کے دانتوں میں کیڑے لگ جاتے ہیں اور منہ سے بدبو آنے لگتی ہے۔"

محمود:۔ ہاں بھائی ٹھیک کہتے ہو۔ بعض بعض لڑکوں کے منہ سے بدبو آتی ہے۔

حامد:۔ اسی لئے کہ وہ صبح اُٹھ کر اور رات کو سوتے وقت اپنے دانت نہیں صاف کرتے۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کے دانتوں کی جڑوں میں مواد پڑ جاتا ہے، مسوڑے سوج جاتے ہیں۔ دانتوں میں درد پیدا ہوتا ہے اور گلے کے غدود بھی سوج جاتے ہیں

محمود:۔ کیا یہ سب دانت کے صاف نہ کرنے سے ہوتا ہے!

حامد:- ہاں اور بھی اور سنو۔ مسوڑھوں میں پیپ پڑ جاتی ہے اور جب وہ غذا کے ساتھ پیٹ میں جاتی ہے تو معدے پر وہ اپنا زہریلا اثر ڈالتی ہے، بدہضمی کی شکایت ہو جاتی ہے۔ بھوک نہیں لگتی اور بہت سی مہلک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

محمود:- ارے بھائی میں تو اب روزانہ دانت صاف کروں گا ورنہ یہ مصیبت کون اُٹھائے گا۔

حامد:- اچھا اور سنو! میں تمھیں ایک منجن کا نسخہ بھی بتلائے دیتا ہوں۔ دیکھو! کالی مرچ، پھٹکری اور کافور پیس کر دانتوں پر مل لیا کرو۔ اس کے علاوہ صبح اُٹھ کر نیم کی مسواک سے دانت صاف کر لیا کرو۔

محمود:- اماں سُننے ہو میرے دانت میں بھی کچھ ٹیس سی معلوم ہو رہی ہے چلو جلدی چلو تاکہ جلدی منجن سے صاف کر ڈالیں۔

حامد:- ہاں! ہاں! ضرور ضرور نہیں تو تمھاری زندگی بھی خراب ہو جائے گی۔

(دونوں چلے گئے)

شریر بھائی

سید محمد صباح الدین احمد

ایک دن حامد اپنی ماں سے پیسے لے کر حلوائی کی دکان پر گیا جوں ہی حامد برفی خرید کر باہر نکلا تھا کہ دیکھا سلیم بھی چلا آرہا ہے، سلیم نے ہاتھ میں دونا دیکھ کر کہا "دونے میں کیا ہے" حامد نے کہا "برفی ہے" سلیم نے کہا "حامد برفی مجھے بھی کھلاؤ" حامد نے کہا "میں نہیں کھلاؤں گا"

دونوں لڑتے جھگڑتے گھر پہنچے۔ سلیم کو یقین ہو گیا کہ حامد مجھے مٹھائی نہ دے گا تو اس نے جھٹ ایک ڈھیلا اُٹھا کر سر پر رسید کیا۔ میاں حامد اپنی برفیاں پھینک [illegible] چیخنے اور واویلا کرنے لگے۔ اب سلیم کے [illegible] تھی۔ برفیاں اُٹھا کر بھائی کو چڑھا کر کھانے لگے۔ کہاں تو بھائی کا خون دیکھ کر نہایت ہی پریشان ہوا اور تسلی زبان سے منانے لگا۔ اتنے میں ماما آئی اور حامد کو گود میں اٹھا کر گھر لے گئی۔

نیکی کا پھل

ماہ بانو، بریلی

ایک بادشاہ تھا وہ بہت رحم دل اور منصف مزاج تھا۔ اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ وزیر اور امیر دوسری شادی کا مشورہ دیتے تھے مگر بادشاہ ملکہ کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ ایک دن بادشاہ سلامت دربار عام میں بیٹھے تھے کہ کوئی فقیر آیا اور کہنے لگا "اے بادشاہ مانگ کیا مانگتا ہے"

بادشاہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا "شاہ صاحب میری کوئی اولاد نہیں ہے آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ خداوند تعالیٰ ہمیں ایک جینے والا بیٹا عنایت فرمائیں" فقیر نے کہا "یہ میرا ڈنڈا لیجئے اور ملکہ اور آپ باغ میں جائیے آم کے درخت پر ایک ڈنڈا ماریئے گا ایک آم جھڑے گا ملکہ کو کھلا دیجئے گا دوسرا ڈنڈا نہ ماریئے گا ورنہ کبھی آپ ڈنڈے پر ہوں گے کبھی ڈنڈا آپ پر۔ میں یہیں بیٹھا رہتا ہوں جائیے اور جلد جائیے۔ بادشاہ ملکہ کو لے کر باغ میں گئے جوں ہی بادشاہ نے آم کے درخت میں ڈنڈا مارا فوراً ایک آم جھڑا بادشاہ نے وہ ملکہ کو کھلا دیا آم

م کو دیکھ کر بادشاہ کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑا دوسرا ڈنڈا مارا تو کبھی بادشاہ اوپر ہوتے اور کبھی ڈنڈا اوپر فقیر نے دیکھا کہ بہت دیر ہو گئی اور بادشاہ واپس نہیں آیا تو [illegible] فکر میں باغ میں گئے۔ دیکھا تو یہی حالت ہو رہی ہے۔ بادشاہ مارے شرم کے پسینے پسینے ہو رہے ہیں۔ فقیر ہنسا اور ڈنڈے کو پکڑ لیا جب کہیں جا کر بادشاہ [illegible] [illegible] ایک بیٹا دیا سارے شہر میں جشن منایا گیا جب ولی عہد جوان ہوا تو بادشاہ نے بادشاہت اسے سونپ دی اور اپنی زندگی خدا کی یاد میں [illegible]

لکڑی کے جانور
از آپا جان
گائے
رنگ بھورا۔ مگر پیٹھ کی طرف کا حصہ
بتدریج خاکی، پھر زیادہ خاکی۔ پیٹ بہت
ہلکا بھورا، آنکھیں اور پیر سیاہ، لکیریں
کالی، دھبے بادامی گہرے یا خاکی تھن بادامی
اور کچھ گلابی +
جھاؤ چوہا
رنگ بادامی کانٹے سیاہ اور
سفید۔ آنکھیں اور پیر سیاہ +
ٹاپیرز
گہرا خاکی، بیچ میں ٹیالا
شیڈ سیاہ، لکیریں سیاہ

عزیز بچو اور بچو، خوش رہو اور تندرست۔

پچھلے دنوں گرمی تو خوب سخت پڑی۔ ایسی سخت کہ برداشت سے باہر، خیر اب برسات کا موسم شروع ہوگیا ہے گرچہ دلی میں برسات بھی بس نام کو ہوتی ہے۔

بہت سی جگھوں میں اسکول کی چھٹیاں ختم ہوگئی ہوں گی اور ہمارے عزیز پیامیوں نے نئی اُمیدوں کے ساتھ اپنے نئے درجوں میں تعلیم شروع کر دی ہوگی، ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے پیامیوں کے قدم ترقی کی طرف ہمیشہ آگے بڑھتے رہیں گے۔

پچھلے مہینے لڑائی کا بازار بہت گرم رہا، جاپان نے برما پر قبضہ کرنے کے بعد چین پر دھاوا کر دیا ہے اور چینی علاقے میں برابر گھستا چلا جا رہا ہے چینی فوجیں بڑی بہادری سے لڑ رہی ہیں مگر اُن کے پاس لڑائی کا سامان نہیں ہے ہوائی جہازوں کی تو بہت کمی ہے، سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ چین کو مدد پہنچانے کا کوئی راستہ نہیں ہے، برما روڈ پہلے ہی بے کار ہو چکی ہے ہوائی جہازوں سے کافی سامان نہیں پہنچ سکتا۔ غرض چین اس وقت بہت مصیبت میں ہے خدا اُس کی مدد کرے۔

چین کے علاوہ جاپان اِدھر اُدھر بھی حملے کر رہا ہے، آسٹریلیا کے ساحلوں پر بمباری برابر جاری ہے ابھی تھوڑے دن ہوئے مڈوے جزیروں پر جاپان اور امریکہ کی مڈبھیڑ ہوگئی اور کرول سی کے معرکے کی طرح یہاں بھی جاپان کو سخت زک اُٹھانا پڑی بہت سے جاپانی جہاز ڈبو دئے گئے اور بہت سے بیکار کر دئے گئے امریکا بلکہ تمام دنیا میں اس خبر پر بہت خوشی منائی گئی۔

دوسری طرف جرمنی نے کرچ پر قبضہ کر لیا ہے ایک خبر یہ بھی ہے کہ کاکیشیا میں جرمن فوجیں اُتر گئی ہیں یہ کاکیشیا کا مغربی حصہ ہے اور غالباً جرمنی کاکیشیا کے جنوبی علاقے کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے مگر اس راستے میں قدرتی رکاوٹیں بہت سی ہیں اور غالباً جرمنی کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوگی۔

پچھلے دنوں انگلستان کے ہوائی جہازوں نے بہت بڑا کام کیا یعنی جرمنی کے ایک مقام کولون پر ایک ہزار ہوائی جہازوں نے بمباری کی، شہر قریب قریب تباہ ہوگیا اور کوئی بیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ جانیں ضائع ہوئیں۔ دوسرا حملہ

[illegible] پر ہوا اور کہا جاتا ہے کہ یہ بھی اتحادی کامیاب رہا۔ حملوں کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور جرمنی کو اس نے کافی پریشان کر دیا ہے۔

جنوبی افریقہ میں لیبیا کے میدان میں بہت گھمسان رن پڑا ہے۔ انگریزی فوجیں پوری طاقت سے جرمن فوجوں کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ جرمن فوجوں نے ایک اہم مقام بیر حکیم پر قبضہ کر لیا ہے مگر بہت زیادہ نقصان اٹھانے کے بعد۔ مالٹا پر بھاری بم برسائے جا رہے ہیں۔ ہزاروں ٹن بم اس پر گرائے جا چکے ہیں مگر ابھی تک وہ اسی طرح انگریزوں کے قبضے میں ہے۔

روس میں خارکوف میں لڑائی کا زور بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ روسی فوجیں بہت بہادری اور بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ جرمنی چاہتا ہے کہ جاڑوں سے پہلے پہلے وہ ماسکو اور لینن گراڈ پر قبضہ کر لے مگر اس کی یہ امید پوری ہوتی معلوم نہیں ہوتی۔

پچھلے مہینے کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ روس اور انگلستان اور روس اور امریکہ میں ۲۰ سال کے لئے دوستی کا معاہدہ ہو گیا ہے۔ اس معاہدے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ تینوں مل کر اسی سال یورپ میں لڑائی کا ایک دوسرا مورچہ قائم کریں گی۔ اگر انھیں اپنے مقصد میں کامیابی ہو گئی تو جرمنی اور بھی مشکلوں میں پھنس جائے گا۔

ہندوستان میں آج کل امن و سکون ہے اور لڑائی کی تیاری پورے زور شور سے ہو رہی ہے۔ جاپان کا رخ چین کی طرف ہو جانے سے ہندوستانی حکومت کو بہت کچھ موقع مل گیا ہے اور وہ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے انگلستان سے بہت سی فوج، ہوائی جہاز، ٹینک اور لڑائی کے دوسرے ہتھیار ہندوستان آئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ لڑائی میں اتنی بڑی فوج انگلستان سے باہر نہیں گئی۔

خود ہندوستان میں بہت سے ہتھیار بہت تیزی سے بن رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سول ڈیفنس اور اے آر پی کا کام بہت ترقی پر ہے۔ لڑائی کے معاملے میں تمام سوشلسٹ لیڈر حکومت کی حمایت کر رہے ہیں اسی لئے بہت سے لیڈروں کو جیل سے رہا کیا جا رہا ہے۔

دوسری طرف کانگریس اور حکومت کے تعلقات دن بدن خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یوپی میں تو گرفتاریوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ مشہور کانگریسی اخبار نیشنل ہیرالڈ کی پچھلی ضمانت ضبط کر لی گئی ہے اور ۱۲ ہزار کی اور ضمانت مانگی گئی ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مہاتما گاندھی کوئی نئی تحریک شروع کرنے والے ہیں۔ پنڈت راج گوپال آچاریہ اپنی اسی دھن میں ہیں یعنی کانگریس اور لیگ کا سمجھوتہ پاکستان کی بنیاد پر۔ تمام طبقوں کے مسلمان پنڈت جی کی حمایت کر رہے ہیں، البتہ کانگریس اور ہندو مہاسبھا کی طرف سے مخالفت کی جا رہی ہے۔

پیام تعلیم کا پچھلا پرچہ پھر دیر سے چھپا اس مجبوری کی وجہ سے حل دفتر میں بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۵ جون رکھی گئی ہے۔ اس مرتبہ امید ہے کہ پرچہ وقت پر چھپ جائے گا۔ اس لئے کامیاب ہونے والوں کے نام اگلے پرچے میں شائع ہو سکیں گے۔ اور انھیں انعام [illegible] بھیج دئے جائیں گے۔ اچھا اب رخصت!

محمد حسین حسان

معمّا نمبر ۳۰

(انعام میں کتابیں بھی جائیں گی)

پہلا انعام .... ۵ روپے

دوسرا انعام .... للعہ

دائیں سے بائیں

۱ ۔ جو کوئین یہ نہیں ہوتیں ۔ اُن کا قصہ وہی ہو کر کھیں عیلی پڑھیں موسی
۴ ۔ برطانیہ .... جتن کرے ۔ ہمیں آزادی کی راہ سے نہیں ہٹا سکتی ۔
۸ ۔ انسان اس سے جلد متاثر ہوتا ہے ۔
۹ ۔ لفظ بمعنی بہت بخشنے والا ۔
۱۰ ۔ اتحادی اور محوری طاقتوں کے ..... اب صلح محال ہے سب بے تاب
۱۱ ۔ لفظ بمعنی تک
۱۲ ۔ جرمنی اور جاپان سے لڑنے میں برطانیہ کو پسینے پڑ رہے ہیں ۔
۱۵ ۔ شادی اور بیاہ میں بعض لوگ محض اس کی خاطر زیادہ صرف کرنا اچھا سمجھتے ہیں ۔
۱۸ ۔ تندہ چل کرتن ، ... ، دھن سے ملک کی خدمت کرنا
۲۰ ۔ اس کو قائم رکھنے کے لئے جو کچھ نہ کیا جائے کم ہے
۲۲ ۔ ہندوستان کے دو بڑے لیڈروں کے نام کے پہلے حرف ۔
۲۳ ۔ ایک قسم کا کپڑا (بے ترتیب)
۲۶ ۔ ... منعوز آثر فیض کے اسباب بنا
پل بنا ، کنواں بنا مسجد و تالاب بنا
۲۷ ۔ آجکل ہر چیز کی ہوتی جا رہی ہے ۔

اوپر سے نیچے

۱ ۔ ہماری عادتیں کتنی ہی استوار کیوں نہ ہوں ۔ اُن پر اس کا اثر ہونا یقینی ہے
۲ ۔ امریکہ میں بہت سی عمارتیں اس سے باتیں کرتی ہیں ۔
۳ ۔ ہندوستانی کہے جانے کا وہی مستحق ہے جو دل سے اپنے ملک کی خاطر یہ ہونے کا جذبہ رکھتا ہو ۔
۴ ۔ ... گاہوں کی اس کثرت سے تباہی بتا رہی ہے کہ ہندوستان پر بھیانک ضرور ہوئی لاٹھی
۵ ۔ خود غرض دوست اور عزیز بھی بعض اوقات سخت یہ پہنچا لیتے ہیں ۔
(۶) ان دونوں حرفوں کے عدد ۱۰ ۲۰ ہیں ۔
۷ ۔ ۲۰ دستے کاغذ کو ایک یہ کہتے ہیں ۔
۱۳ ۔ آج کل تو اس کا عام استعمال ہوگا ۔
۱۴ ۔ ٥
۱۶ ۔ بعض اوقات انتہائی اس میں انسان خدا کو بھی بھول جاتا ہے
۱۸ ۔ اس کی زیادتی بے چینی کا باعث ہوتی ہے ۔
۱۹ ۔ مسلمان مردے کو ... کرتے ہیں
۲۱ ۔ تنگ آمدبہ ... آمد
۲۴ ۔ یہ ہے تو جہان ہے ۔ ۲۵ ۔ یا ۔
۲۶ ۔ بے وقوف کے لئے استعمال کرتے ہیں

قواعد

۱- حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۲- ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ ہے۔ آٹھ حلوں کی ۸ ہے۔

۳- دو بڑے انعام تقسیم کر دئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۴- تمام حل ۲۵ جولائی تک دفتر پیام تعلیم دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۵- ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۶- پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۷- کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۸- ایک لفافے میں ایک نام سے حل آنے چاہئیں۔

۹- پتہ: سب ایڈیٹر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ، دہلی، قرول باغ

خدمت اور سچائی انسانیت کی بھلائی، دوسرے تمام کاموں سے ضروری سمجھو، میں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر حال میں اپنی نجات کی کوشش جاری رکھو اور تمہاری نجات اسی میں ہے کہ انسانیت کی خدمت کرتے رہو۔ یاد رکھو کہ دُنیا کی ہر شے میں انقلاب لازمی ہے۔ زوال ناگزیر ہے۔ مگر سچائی ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس لئے ہمیشہ سچ بولو۔"

(مہاتما بدھ)

جھوٹی مایا "میں نے کتنے عظیم خطرے، کتنی سخت جسمانی اور روحانی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد دولت کے یہ خزانے جمع کئے، پھر اپنی جان سے بھی زیادہ اس کی حفاظت کی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ بے وفا میرے کسی کام نہیں آئے اور میں اکیلا ہی جا رہا ہوں"

(سلطان محمود غزنوی)

توکل پروردگار میں اپنا ضمیر تجھے سونپتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تو اسے معصیت سے آلودہ نہ ہونے دے گا"

(کولمبس)

احساسِ فرض "کریٹو! ہمسائے کا ایک مرغ میرے ذمے باقی ہے۔ تم یہ قرض ضرور ادا کر دینا تاکہ میری روح کو اطمینان ہو"

(سقراط)

اچھی وصیت "لاک ہارٹ! میں جانے سے پہلے تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دُنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت بھی بناؤ، ایمانداری، نیکی شرافت اور سچائی کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا۔ اِن کے سوا ہر شے فنا ہو جانے والی ہے"

(سر والٹر سکاٹ)

پیام تعلیم
NATIONAL MUSLIM
DELHI
مکتبہ جامعہ دہلی

قیمت چار آنے

گیٹ وے آف انڈیا (بمبئی)

مرکزی [illegible] بمبئی

ارک کا دلچسپ منظر

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

پچھلے چند مہینوں سے پیام تعلیم برابر دیر میں چھپ رہا ہے اور ہم ہر مہینے بچوں سے کچھ نہ کچھ معذرت کر دیتے ہیں۔ اس عرصے میں ہمارے پاس بچوں کے بے شمار شکایتی خط آچکے ہیں۔ ہمیں اس کا احساس ہے کہ پیامیوں کو وقت پر پیام تعلیم نہ ملنے سے بہت ہی تکلیف ہوتی ہوگی مگر کیا کیا جائے آج کل کے حالات نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ سب سے زیادہ دقت کاغذ ملنے میں ہوتی ہے۔ پرچہ ٹھیک وقت پر تیار ہو جاتا ہے مگر کاغذ نہ ملنے کے سبب چھپنے کی نوبت دیر میں آتی ہے۔ اتنی دیر میں کہ تم انتظار کرتے کرتے اکتا جاتے ہو۔

پیام تعلیم کے منیجر صاحب ہمیشہ وعدہ کرتے ہیں کہ وقت پر کاغذ فراہم کر دیں گے اپنے بس بھر کوشش بھی کرتے ہیں مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ اس مرتبہ بھی انھوں نے بہت کچھ اُمید دلائی ہے۔ خدا کرے یہ اُمید پوری ہو[1]

جناب محمد شفیع الدین صاحب نیر کی کہانی ریڈیو کا بھوت بچوں نے عام طور پر پسند کی۔ پروفیسر عبدالغفور صاحب کا مضمون اور شجاع احمد صاحب کا ڈراما بھی پیامیوں کو بہت اچھا لگا۔

شجاع احمد صاحب قائد کا ڈراما اس پرچے میں ختم ہو جائے گا۔ اگلے پرچے میں اُن کا ایک اور بہت اچھا اور دلچسپ ڈراما شروع ہوگا۔ شجاع صاحب اپنے خطوں میں اپنا پورا پتہ نہیں لکھتے۔ جواب دینے میں بہت دقت ہوتی ہے۔

اس پرچے میں پروفیسر عبدالغفور صاحب کا نیا مضمون دنیا کا ناشتہ دان اور شفیع الدین صاحب کی نئی کہانی اُدھوا اور لوٹری بھوت شروع ہو رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ پیامی انھیں توجہ اور دلچسپی سے پڑھیں گے۔ ان دونوں کا سلسلہ اگلے پرچے میں ختم ہو جائے گا۔

---

[1] افسوس ہے کہ موجودہ حالات کی وجہ سے کاغذ بڑی مشکل سے اب ملا ہے اس لئے رسالے کو وقت پر لانے کے لئے دو نمبر یکجا ایک ساتھ شائع ہو رہے ہیں

محمد شفیع الدین نیّر

آؤ آؤ آم خریدو ، اِن سے بڑھ کر آم نہیں
ڈال کے پکّے پکّے ٹپکے ، تازہ تازہ آئے ہیں
گودا زیادہ گٹھلی چھوٹی ، کھانے میں سب اچھے ہیں
دیکھو لنگڑے ، فجری ، دیسی ، تخمی ، قلمی آم ہیں یہ
کچھ دن پہلے چینپ کو دھو کر پال میں رکھا آموں کو
گھنڈی توڑو ، آم لگا کر مُنہ سے جھٹ پٹ پی جاؤ
سونگھ کے دیکھو ان کی خوشبو کیسی بھینی بھینی ہے
کچّے چاہو کچّے لو ، ڈال کے ٹوٹے آئے ہیں
ہرے بھرے باغوں میں کل تک یہ نکری سی رہتے تھے
کوئل کوکو کوکو کر کے ، اِن کو راگ سُناتی تھی
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آکر ان کو خوب جُھلاتی تھیں
جب طوطوں کے جھلڑ مل کر ان کو ستانے آتے تھے
موتر کے پھولوں کے بستر پر ان کو سُلا کر لائے ہیں
لوگو دوڑو !! آم خریدو سلیسے آم نہ پاؤ گے

رس بھی ان کا میٹھا میٹھا ، ریلنے کا بھی نام نہیں
پیلے پیلے میٹھے میٹھے ، باغ سے چُن کر لائے ہیں
کھٹا ان میں ایک نہیں ہے ، کھا دیکھو ہم سچے ہیں
یہ جو ہیں نایاب سفیدہ ، سلہٹ ان کے نام ہیں یہ
یوں پک کر تیار ہوئے ، اب آپ نے چکھا آموں کو
پتلے پتلے رس کا شربت ، آؤ غٹ غٹ پی جاؤ
صورت ان کی رنگ برنگی ، ذائقہ میں شیرینی ہے
چٹنی ، اچار ، مُربّے پنے سارے مزے یہ لائے ہیں
مینہہ میں نہا کر خوش ہوتے تھے رنج نہ کوئی سہتے تھے
اُس کا گانا سُن کر ان کے دل کی کلی کھل جاتی تھی
پیڑ کی شاخیں جڑ سے لے کر ان کو غذا پہنچاتی تھیں
باغ کے مالی مار کے غُلّے ان کو دُور بھگاتے تھے
آندھیوں اور لوؤں سے بچ کر ، یہ بازار میں آئے ہیں
گودا تو گودا ہے گٹھلی چھلکا چٹ کر جاؤ گے

کاچھی کی آواز یہ نیّر سب کے دل کو لبھاتی تھی
ٹوکریاں بھر بھر کر خلقت آموں کی لے جاتی تھی

ان جان پری

محمد عبدالواحد سندھی

مدتیں گذریں۔ ایک خوب صورت جنگل میں ایک ننھی سی پری ہری ہری گھاس پر اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ بہت ہی چھوٹی پری تھی۔ آج پہلی مرتبہ اُسے چلنے پھرنے کا موقع ملا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اچھی بُری پریوں میں تمیز نہ کرسکتی تھی۔

اُس نے کالے کالے برسنے والے بادل کبھی دیکھے ہی نہ تھے۔ نہ کبھی مینہہ برستے دیکھا تھا۔ جب کالی گھٹا گھر کر آئی تو ننھی پری سہم سی گئی، اب مینہہ کی بوندیں پڑنے لگیں۔ ننھی گھبرا کر چلانے لگی۔ "تم میرے خوب صورت پر خراب نہ کرو! تم میرے خوب صورت پر خراب نہ کرو!! میرے پاس سے دور ہو۔"

بارش کے قطرے نہ تھمے۔ پہلے سے بھی زیادہ زور سے گرنے لگے۔ ننھی پری کے پر بھیگ کر بھاری ہوگئے وہ اب اُڑ نہ سکتی تھی۔ وہ رونے لگی۔ پاس ہی ایک بوڑھی پری رہتی تھی۔ اُس کا کام یہ تھا کہ بھولی بھٹکی پریوں کی مدد کرتی تھی اور پریوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتی تھی۔ اس لیے پرستان میں اس بوڑھی پری کو سب پریاں "مُلّانی پری" کہتے تھے اور اُس کی عزت کرتے تھے۔

بوڑھی پری ننھی پری کے پاس آئی

اور بولی "پیاری بیٹی تم گھبراؤ نہیں، میں تمھاری مدد کروں گی۔ تمھارے پر ابھی خشک ہو جائیں گے۔ بیٹی میری نظر ذرا کم زور ہے۔ تم غور سے دیکھو آسمان پر ایک رنگیلا جھولا نظر آرہا ہے"۔

مُنّی پری نے اپنی مُنّی سی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تو آسمان پر اُسے دھنک دکھائی دی۔ دھنک دیکھ کر مُنّی پری بولی "دادی دیکھو تو کیسا اچھا جھولا ہے جی چاہتا ہے کہ یہاں سے اُڑ کر اس جھولے میں خوب جھولوں، یہ بارش کے قطرے جلدی بند ہو جائیں تو میں دوڑتی، کودتی پھاندتی، بھاگتی چلی جاؤں"۔

بوڑھی پری نے مُنّی پری کی جب یہ باتیں سُنیں تو پہلے تو ذرا مُسکرائی پھر بولی "بیٹی دھنک اور بارش کو تم الگ الگ نہیں کر سکتیں۔ انھیں قطروں ہی سے تو دھنک بنتی ہے"۔ بوڑھی پری نے مُنّی پری کو ایک جگہ گھاس پر سے بارش کے قطرے اُٹھا کر دکھائے۔ واقعی انھیں سورج کے سامنے رکھنے سے طرح طرح کے رنگ دکھائی دیتے تھے۔

اُس دن سے مُنّی پری بوڑھی پری کے پاس آتی تھی اور پڑھنا لکھنا سیکھتی تھی تھوڑے دن میں اُس نے اتنی باتیں سیکھ لیں کہ تمام پرستان میں اس مُنّی پری کے برابر کوئی نہ جانتا تھا۔ تمام پریاں اس سے مشورہ کرتیں کچھ دنوں کے بعد وہ پورے پرستان کی ملکہ بن گئی۔

دنیا کا ناشتہ دان

(آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے)

از جناب محمد عبدالغفور صاحب ایم اے

گفتگو کا مقام - اوسلو میں ایک درمیانہ درجے کا گھرانا۔
افراد - ابا، اماں۔ کارل ایک ہائی اسکول کا طالب علم
نورا ایک ننھی سی بچی۔
وقت - نومبر کی ایک صبح۔ ناشتے کی میز۔

ہم ناروے میں ہیں۔ وہ ناروے جہاں پچھلے دنوں جرمنی کا قبضہ ہو چکا ہے۔

اوسلو کے ایک گھرانے میں دو بچے اور اُن کے ماں باپ ناشتے کی میز پر بیٹھے ہیں۔ آج کل بچوں کا دل مارے ڈر کے دہلا جاتا ہے ننھی نورا تو اکثر لوہے جڑے ہوئے بوٹوں کی آواز سے رات کو چونک پڑتی ہے سپاہی راتوں کو بھی چلتے پھرتے ہیں۔ نورا مہینوں سے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ پارک میں کھیلنے بھی نہیں گئی۔ آج شی انگ (Ski ing) (برف پر پھسلنے) کا کتنا اچھا دن ہے۔ مگر گھر سے ایک قدم باہر نکالنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جب نورا ناشتے کی میز پر بیٹھی ہے تو اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ "نورا کیوں رو رہی ہو؟ نہیں نہیں میری بہن روتے نہیں ہیں" اس کے بھائی کارل نے چمکار کر کہا نورا اور ٹھنک کر بولی، "اوں، اوں میرے دودھ میں چینی نہیں ہے میں تو آج چینی بغیر دودھ نہیں پیوں گی" اس کی امی ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں "نوج اس موئی لڑائی کا منہ کالا۔ کیا نے میری بچی سے چینی بھی چھین لی" بات یہ تھی کہ اس خاندان نے جب سے لڑائی چھڑی ہے۔ مہینوں سے چینی کی صورت نہیں دیکھی۔ چینی آخر آتی بھی کہاں سے ناروے میں کوئی چینی کی کان تو تھی نہیں کہ مزے سے کھود کر اپنے ناشتہ دان میں بھر لیں۔ نورا کی ضد دیکھ کر اُس کے ابا کو ڈر ہوا۔ کہ کہیں کارل بھی چینی کے لئے نہ مچلنے لگے۔ اسے سنا کر کہنے لگے۔ "اجی نورا تو خواہ مخواہ ضدن ہو گئی ہے۔ چند دن چینی نہیں ملی۔ تو لگی مچلنے۔ کارل تمھیں تو معلوم ہوگا۔ آج سے سینکڑوں سال پہلے ہمارے ہاں چینی کہاں تھی۔ چینی تو سب سے پہلے ہندوستان میں بنی تھی۔ وہاں سے ملکوں ملکوں دیسوں دیسوں ہوتی ہواتی کچھ ہمارے ہاں بھی پہنچی تھی۔ تب بھی غریبوں کو تو دوا کے لئے بھی میسر نہ ہوتی تھی۔
یورپ میں تو گنا سب سے پہلے سسلی اور اسپین میں عربوں نے لگایا تھا (Sugar) شکر ہی سے تو پتا ہے اور شکر مشرق کا دنیا کے لئے کیسا میٹھا تحفہ ہے۔

دیتے ہیں۔ یہ پودا گرم، مرطوب آب و ہوا میں ہی پھولتا پھلتا ہے۔

گنّا

اس پر کارل نے پوچھا۔ ابا جان ہمارے شمالی یورپ میں تو چینی کاہے کو ہوتی ہوگی؟ نہیں بیٹا ہوتی ہے، اور بہت کافی مقدار میں ہوتی ہے۔ جس طرح آج جنگ نے ہم سے چینی چھڑا دی اسی طرح ایک اور جنگ نے دنیا کو ایک نئی قسم کی چینی تحفہ میں دے دی۔ یہ چینی چقندر کی چینی ہے۔ جب انگریزوں نے نپولین پر تمام بحری ناکے بند کر دئے اور فرانس کی تجارت قریب قریب ختم ہو گئی۔ اور ملک بھر میں چینی کا کال پڑ گیا۔ اس وقت فرانس کے لوگوں نے چقندر کی چینی ایجاد کی۔ جس نے ایک حد تک شمالی یورپ کے ملکوں میں گنے کی چینی کی جگہ لے لی۔ اب تو شمالی امریکہ خاص طور پر کنیڈا میں میپل درخت کے رس سے بھی چینی بناتے ہیں۔ بہار کے موسم میں اس سے رس ٹپکنے لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے امرت کی دھارا بہہ رہی ہو۔ اسی سے میپل چینی بنتی ہے۔ چقندر کی چینی سب سے زیادہ روس پھر جرمنی اور اس کے بعد امریکہ پیدا کرتا ہے۔ گنے کی چینی کے لئے ہندوستان کا نمبر دوسرا ہے۔ کہنے کو تو ہندوستان میں چینی پیدا ہوتی ہے۔ مگر چونکہ ان لوگوں کا گذران زیادہ تر سبزیوں پر ہے اس لئے پہلے جتنی بنتی تھی۔ اس سے زیادہ کھا جاتے تھے اور کچھ باہر سے منگوا کر پوری کرتے تھے لیکن پچھلے چند سالوں سے چینی کے کارخانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور جوں جوں چینی زیادہ پیدا ہو رہی ہے اس کی درآمد کم ہوتی جا رہی ہے۔ مثلاً [illegible] میں دس لاکھ ٹن چینی باہر سے منگوائی گئی۔ لیکن ۱۹۴۹ء میں صرف ۲۵ ہزار ٹن۔ غرب الہند کے گنے کے فارموں پر بھی ہندوستانی کام کرتے ہیں۔ تم کہو گے کہ یہاں ہندوستانی کیسے آئے بات یہ ہے کہ پچھلی صدی میں ان کے دادا پردادا یہاں ہندوستان سے مزدوری کرنے آ گئے۔ ان میں ہندو بھی تھے مسلمان بھی۔ غریب دونوں تھے۔ غریبی کی مصیبت نے ان دونوں کے دلوں کو جوڑ دیا تھا۔ اور آج بھی یہ لوگ بڑی محبت سے رہتے ہیں ہاں تو پھر دنیا کے دو بڑے شکر دان کون ہوئے "ایک تو غرب الہند اور دوسرا ہندوستان" اس پر نورا بولی "ابا جان! اور چائے کی کیتلی کون؟" اس کے ابا نے کہا "نورا کیتلی مت کہو۔ یوں کہو کر چائے کے باغ کہاں ہیں۔ یہ باغ آسام، ہمالیہ کی ترائی
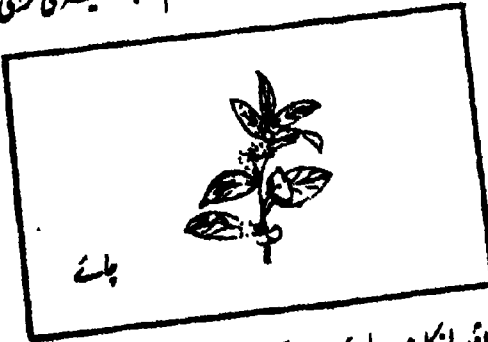
چائے

اور لنکا میں پائے جاتے ہیں اور اس چائے کو سب

بھی وہ دکان لندن کی منڈی ہے۔" ہاں ابا جان ہمارے ماسٹر صاحب نے بھی بتایا تھا کہ ہمارے بڑے بوڑھوں نے چائے خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ چائے پہلے چین سے آئی تھی چینیوں نے رہن سہن کی بہت سی خوش گوار چیزیں ایجاد کیں۔ ہندوستان کی چائے کا خریدار ولایت اور چین کی ٹکیا چائے کا خریدار روس ہے چائے کی پیداوار میں چین سب سے اوّل، دوسرا ہندوستان اور تیسرا لنکا ہے مگر ٹونیا کو محض باتوں سے تسلی نہ ہوئی۔ وہ اور بھی ٹھنکنے لگی۔ اس پر کارل نے جھوٹ موٹ اپنا ہاتھ مٹھی بند کر کے جیب سے نکالا گویا جیب سے چینی نکال کر دینا چاہتا ہے لیکن جیب میں ہاتھ جو ڈالا تو اندر سے چاکولیٹ کا پرانا رنگین کاغذ نکل پڑا۔ سونے کی چڑیا یعنی چاکولیٹ تو اڑ چکا تھا اور اس کا خول باقی رہ گیا تھا۔ وہ کچھ جھنجھلا کر بولا "امی تم جو ہر وقت وعدے کرتی رہتی ہو یہ بناؤں گی، وہ بناؤں گی بھلا ایک دن ہمیں چاکولیٹ تو بنا دو۔" اس پر اس کے ابا ہنسنے لگے اور بولے "یہاں کوئی کوکو کا درخت ہوتا ہے جو تمھیں چاکولیٹ بنا دیں۔" کوکو کیا؟
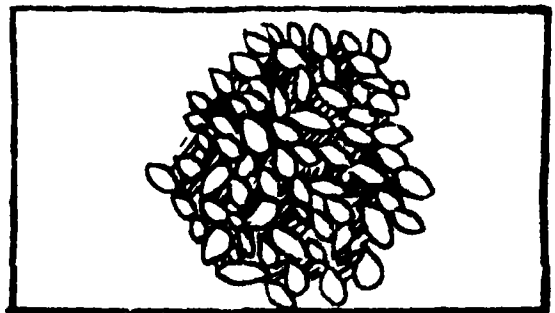
بھئی چاکولیٹ کوکو سے بنتا ہے اور کوکو بھی تاکو کی

طرح امریکہ ہی سے آیا ہے۔ ایک زمانے میں جنوبی امریکہ کے وحشی کوکو کے شاہی جام اپنی صحبتوں میں پیتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی اہل سپین سولھویں صدی میں اسے یورپ لائے اور اب تو ہر جگہ اس کا رواج ہو گیا ہے۔ یہ سن کر کارل کو یہ معلوم ہوا۔ گویا سبھی اچھی چیزیں افق سے کہیں دور پرے سے آتی ہیں۔ مگر یہ نہیں ہوتیں۔ اور چاکولیٹ جو تم کھاتے ہو۔ یہ تو Cad bury کے مشہور کارخانے میں بنتے ہیں۔ جو برمنگھم کے قریب ہے اگر تم وہاں پہنچ جاؤ تو تمھیں ڈھیروں کوکو، منوں چاکولیٹ دکھائی دے۔" "واہ واہ" کارل بولا، اگر وہاں پہنچ جائیں تو خوب مزا رہے۔" اور اس نے ہاتھ گھما گھما کر ایک پرانا گیت کچھ ایسی دھن میں گانا شروع کر دیا۔ "کوکو کا تن ہو، کوکو کا من ہو۔ کوکو کا کل سنسار۔" اور پھر بولا "ابا چاکولیٹ کتنا اچھا، کتنا رسیلا ہوتا ہے ابا دیوتا تو یہی کھاتے ہوں گے۔" "ہاں میرے بیٹے اس لئے تو ایک ماہر نے اس کا نام دیوتاؤں کی غذا رکھا تھا۔ یہ دیوتاؤں کا پودا برازیل، گولڈ کوسٹ اور نائیجیریا میں ہوتا ہے۔ ذرا نقشے میں ان کا محل وقوع تو دیکھو موسلا دھار بارش اور کڑاکے کی دھوپ والے دیس کا کوکو ایک درخت کے بیجوں سے بنتا ہے جنے پھلیوں سے نکال کر صاف کرتے ہیں اور پھر اسے بھون کر وہ خوش رنگ دیتے ہیں جسے چاکولیٹ کہا جاتا ہے۔ پھر یہ پس چھن کر کئی عملوں کے بعد اچھا کوکو پاؤڈر بنتا ہے

باقی آئندہ

لڑائی کے ہتھیار

(۲)

عبداللطیف اعظمی بی۔اے
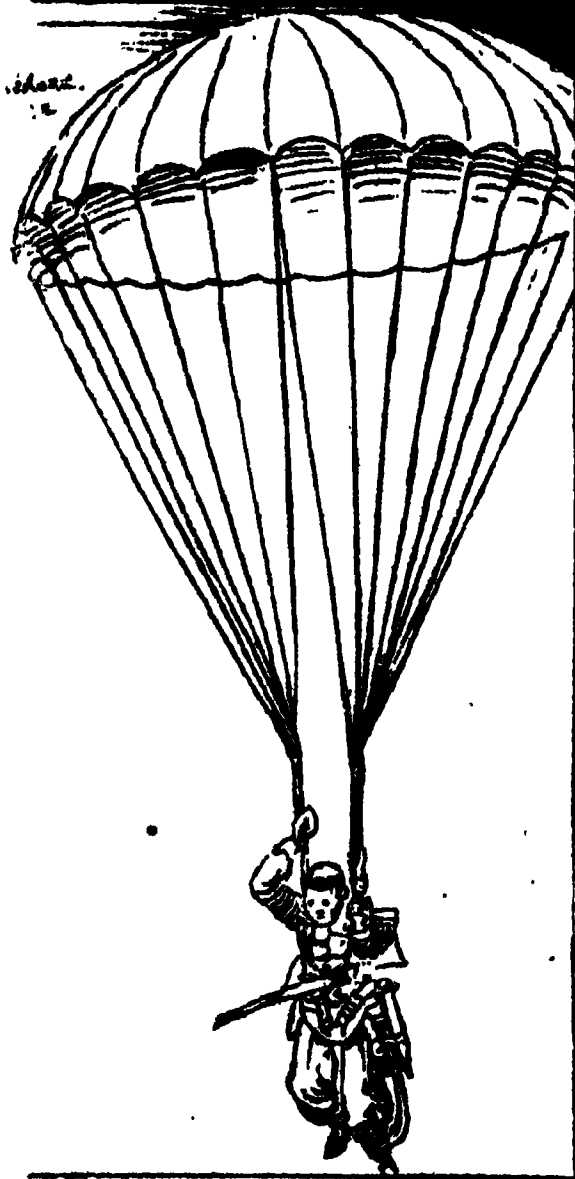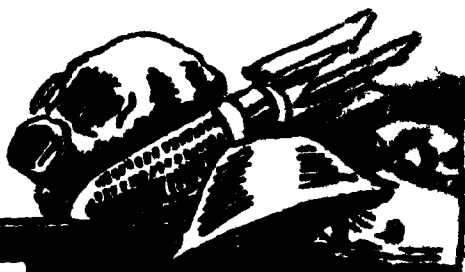
ہوائی چھتری

یوں تو ہوائی چھتری (پیراشوٹ) کی ایجاد سنہ ۱۷۸۳ء میں ہو چکی تھی مگر جنگی مقاصد کے لئے بعض موجودہ جنگ میں استعمال کی گئی ہے۔ ابتدا میں خیال تھا کہ اونچے اونچے مکانوں سے، آگ لگ جانے یا کسی اور حادثے کے موقع پر اس سے جان بچائی جا سکتی ہے۔ مگر ۱۲، ۱۳ سال کے اندر یعنی ۲۲ اکتوبر سنہ ۱۷۹۷ء میں ایک فرانسیسی انجنیئر جیکوبس گارنیران نے اس کے ذریعے ۲۳۴۶ فٹ کی اونچائی سے زمین پر اتر کر دنیا کو متحیر کر دیا۔ جنگِ عظیم تک اس نے خاصی ترقی کر لی تھی اور ہوائی چھتری کی بہت سی خرابیاں دور ہو گئیں تھیں، مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ اس کے ذریعے کسی ملک میں بڑی تعداد میں فوج اتاری جا سکتی ہے۔ مگر موجودہ جنگ میں جرمنی نے اس کے ذریعے مختلف ملکوں میں پہلی مرتبہ بڑی تعداد میں مسلح فوجوں کو اتار کر دنیا کو اچنبھے میں ڈال دیا۔

یہ چھتریاں خالص ریشم سے بنتی ہیں اور ان کی ریشمی رسیاں اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ ۵ من کا بوجھ آسانی سے برداشت کر سکتی ہیں اور دھات کا جو سامان

جاتا ہے، وہ کم از کم تین من وزن اُٹھا سکتا ہے اور اس کا کپڑا اس قدر باریک ہوتا ہے کہ تہہ کرنے کے بعد ایک مختصر سا بنڈل بن جاتا ہے، جو ہوا باز کی پیٹھ پر آسانی سے باندھا جا سکتا ہے۔

کوئی شخص کسی اونچی جگہ سے نیچے کودے تو ایک سیکنڈ میں ۱۶۰ فٹ کی رفتار سے نیچے آئے گا، لیکن اس چھتری کی وجہ سے یہ رفتار ۱۰۔۲۰ فٹ فی سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چھتری جتنی بڑی ہوگی، گرنے کی رفتار اتنی ہی سست ہوگی، چنانچہ سیکھنے کے لئے بڑی بڑی چھتریاں استعمال کی جاتی ہیں۔ چھتری سے اترنے والا جب زمین پر پہنچتا ہے، تو اُسے اتنا جھٹکا محسوس ہوتا ہے، جتنا ۱۲ فٹ کی اونچائی سے کودتے وقت کسی کو ہو سکتا ہے۔ چوٹ سے بچنے کے لئے ایک خاص قسم کا بوٹ استعمال کیا جاتا ہے جس سے یہ جھٹکا بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی زمین پر پہنچنے سے قبل بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے، ورنہ چوٹ آجانے کا خطرہ ہے۔ تم نے سنا ہوگا۔ ۱۱ مئی سنہ ۱۹۴۱ء کو نازی جماعت کے دوسرے بڑے سردار ہس اچانک ایک ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بھاگ گئے، اسکاٹ لینڈ میں جب وہ ہوائی چھتری سے اُترے تو اُن کے پیر میں سخت چوٹ آگئی تھی، جس کا عرصہ تک علاج ہوتا رہا، یہ چوٹ اسی بے احتیاطی کا نتیجہ تھی۔
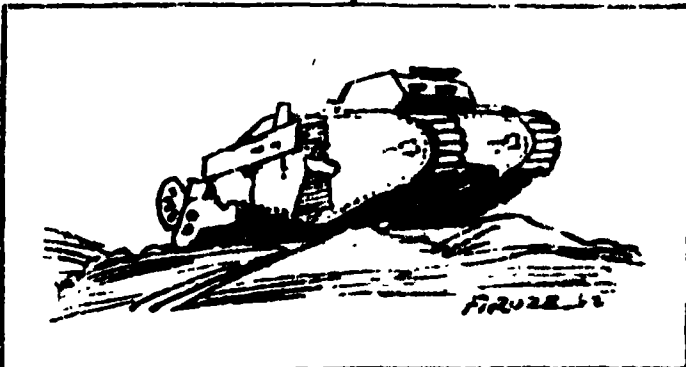
چھتری کے کھولنے میں بڑی احتیاط کرنی ہوتی ہے عام طور پر کھولنے کے لئے کمر کے پاس ایک رسی لگی ہوتی ہے اور اس میں ایک حلقہ سا بنا ہوتا ہے۔ جب ہوا باز جہاز سے کودنا چاہتے ہیں تو وہ حلقے میں اُنگلی ڈال لیتے ہیں تاکہ کھولتے وقت کوئی دقت نہ ہو، کودنے کے چند سیکنڈ کے بعد رسی کھینچی جاتی ہے تاکہ چھتری کہیں جہاز میں پھنس نہ جائے۔ چھتریوں کو تہہ کرتے وقت اس کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے کہ کھلنے میں ذرا بھی دیر نہ ہو، لیکن پھر بھی کھلنے اور چھتری میں ہوا بھرنے میں اتنا وقت لگ جاتا ہے کہ ۲۰ فٹ کی بلندی سے کودنا جان جوکھوں میں ڈالنا ہے۔ جرمنی میں دو قسم کی چھتریاں استعمال ہوتی ہیں، ایک دستہ گھمانے سے کھلتی ہے اور ایک رسی کے کھینچنے سے۔

ٹینک ٹینکوں کی حیثیت اس سے پہلے محض سڑک کوٹنے والے انجن کی سی تھی، رفتار خصوصیت کے ساتھ بہت سست تھی، مگر اب اس کی رفتار ۲۰ سے ۴۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ عام طور پر تین قسم کے ٹینک ہوتے ہیں: (۱) بھاری (۲) معتدل (۳) ہلکے۔ بھاری ٹینک زیادہ سے زیادہ ۶ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتے ہیں، لیکن ہلکے ٹینکوں کی رفتار عام حالات

، ۴۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے، موجودہ جنگ میں ٹینکوں
یت اہمیت ہوگئی ہے۔ آزاد فرانس کے لیڈر جنرل
گول کا بیان ہے کہ فرانس کو محض اس وجہ سے شکست
ی کہ اس نے جدید قسم کے ٹینکوں کی اہمیت کو محسوس
یں کیا تھا، ٹینک میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھیں
لہ استعمال کیا جاسکتا ہے، پتھریلی زمین ہو یا ریتلی، خشکی ہو
ی، غرض جہاں چاہو اُسے لے جاسکتے ہو راستہ صاف
نے میں خصوصیت کے ساتھ اُن سے بڑی مدد ملتی ہے، ان
شین گنوں سے اتنی شدید آگ اور گولیاں برستی ہیں
ان کے مقابلے میں بہادر سے بہادر فوج کا ٹکنا ناممکن
۔ ٹینک میں یہ خوبی ہے کہ وہ نالوں اور کھائیوں کو
سانی سے پار کر لیتے ہیں، لیکن اگر گڑھے کھود کر اُن پر
مولی قسم کی گھاس پھونس کی چھت بناکر اس پر مٹی ڈال دی
ئے، تو اگر اُن سے بچا نہ گیا تو ٹینک اُن میں اس بُری
رح پھنس جائیں گے کہ ان کا نکلنا
مکن ہو جائے گا، اس لئے فوجوں
بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھنا
تا ہے، ٹینکوں کو پھانسنے کے لئے
ڑکوں پر سلاخیں بھی لگائی جاتی ہیں
عام حالات میں سڑکوں سے بالکل
ی ہوتی ہیں اور سواریوں کی آمدورفت
ں کوئی زحمت نہیں ہوتی، لیکن
بٹکا دبانے سے تمام سلاخیں نکل آتی
ب اور ٹینک ان میں اس طرح پھنس
تے ہیں کہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے

مگر ایسا محض شہروں میں کیا جاسکتا ہے میدانوں میں نہیں۔
ٹینک ہر طرف سے بالکل بند ہوتے ہیں، اور ڈرائیور اور مشین گنیں چلانے والوں کے دیکھنے کے لئے چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں، اس لئے وہ کسی چھپے ہوئے آدمی کو آسانی سے نہیں دیکھ سکتے، لیکن اگر گھبرا کر وہ باہر نکل آیا، یا اُس نے کسی قسم کی حرکت کی تو فوراً گولی کا نشانہ بن جائے گا، ٹینک کا سب سے خطرناک فاصلہ دو سو گز ہے اور سب سے محفوظ ۶ انچ قریب۔

ڈبکنی کشتی

ڈبکنی کشتی موجودہ جنگ کا نہایت ہی خطرناک ہتھیار ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ سمندر پر برطانیہ کی حکومت ہے، اس کا سمندری بیڑا اس قدر زبردست اور طاقتور ہے کہ اس سے کوئی ملک آسانی سے ٹکر نہیں لے سکتا مگر جرمنی کی ڈبکنی کشتیوں نے اسے بہت پریشان کر رکھا ہے

جنھوں نے ان کشتیوں کے ذریعے بڑی کوشش کی تھی وہ ابھی اس فکر میں ہیں کہ انگلستان کسی قسم کا سامان نہ پہنچ سکے، مگر انھیں اس میں پوری طرح کامیابی نہ ہوسکی مگر اس میں شک نہیں کہ ان کشتیوں سے برطانیہ کی تجارت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ان کی ڈر کی وجہ سے کوئی سامان کا جہاز اکیلے نہیں جاسکتا۔ بلکہ انھیں جنگی بیڑے کی حفاظت میں جانا پڑتا ہے اور ظاہر ہے اس طرح زحمت بھی ہے اور خرچ بھی۔ ڈبکنی کشتیوں میں دو ایک ایسی خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے وہ جنگی بیڑے سے ٹکر لینے سے گھبراتی ہیں۔ ایک تو ان کی رفتار خاصی سست ہے، عام طور پر ۱۰، ۲۰ میل فی گھنٹہ سے زیادہ تیز نہیں چل سکتیں اس لئے کوئی جہاز انھیں آسانی سے جالے گا۔ دوسرے چلنے کی حالت میں ایک نلکی سی باہر نکلی ہوتی ہے اس سے آسانی سے انھیں گرفتار یا تباہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر پانی کے اندر بیٹھ جائیں تو جہاز کے گولوں کی زد سے عام طور پر محفوظ ہو جاتی ہیں اور کوئی جہاز آسانی سے ان کا پتہ نہیں لگا سکتا، مگر وہ ۲۴ گھنٹے سے زیادہ پانی کے اندر نہیں بیٹھ سکتیں۔ ورنہ ان کے اندر زہر پیدا ہو جائے گا اور تمام ملاح گھٹ کر مر جائیں گے اس لئے اگر کسی ڈبکنی کشتی کا مسلح جہاز گھیرا ڈال کر بیٹھ جائیں تو اس کے لئے پانی کی سطح پر آنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

ڈبکنی کشتی عام طور پر تیس سے چالیس فٹ پانی کے اندر چلتی ہیں، ان سے نیچے جانے میں ان کے لئے سخت خطرے ہیں۔ بعض ایسی کشتیاں بھی ہیں جو ۱۰۰ فٹ تک پانی کے اندر جاسکتی ہیں، مگر ایسی بہت کم ہیں۔

تارپیڈو مارنے کے لئے ڈبکنی کشتیوں کو پانی کی سطح پر آنا پڑتا ہے، مگر عام طور پر نشانہ باز بہت تیز اور چالاک ہوتے ہیں، نشانہ لگانے اور تارپیڈو چلانے میں اس قدر جلدی کرتے ہیں کہ اگر جہاز مسلح ہو تو حملہ کرنے سے پہلے ہی ان کے تارپیڈو کا شکار ہو جائے اگر نشانہ غلط پڑا تو اُن کا بچنا مشکل ہے۔ تارپیڈو کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے بعض تارپیڈو ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں، چونکہ کافی بڑا ہوتا ہے اس لئے جاتا ہوا
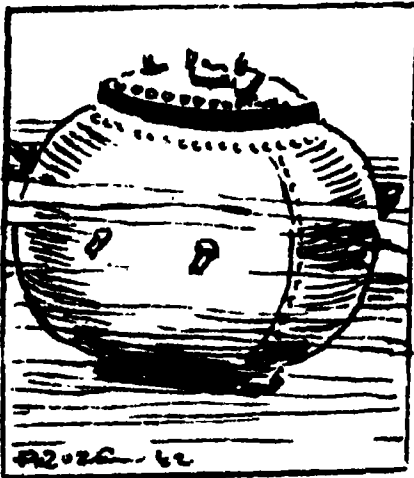
صاف نظر آتا ہے، مگر جس طرح بندوق کی گولی سے بچنا مشکل ہے اسی طرح ان سے بھی بچا نہیں جاسکتا، اس کے اندر آگ لگا دینے والا مادہ بھرا ہوتا ہے جو جہاز سے ٹکراتے ہی اس کے پرخچے اُڑا دیتا ہے اور اس کے ٹکڑے فضائے آسمانی میں اس طرح اُڑتے ہوئے نظر آتے ہیں جس طرح درخت کے سوکھے ہوئے پتے تیز ہوا میں، پانی میں گرنے سے اتنی شدید ہل چل ہوتی ہے کہ کوئی جہاز اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکتا +

اوفو اور لومڑی بھوت

(ایک چینی کہانی کا انگریزی ترجمہ)

محمد شفیع الدین صاحب نیر

بہت دنوں کی بات ہے، شمالی چین میں ایک کسان رہا کرتا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور اپنے گیارہ برس کے ایک لڑکے اوفو کے ساتھ بڑی خوشی سے زندگی بسر کرتا تھا ایک بار خدا کا کرنا کیا ہوا آدھی رات کو اُنھوں نے شہتیروں اور سکابیوں کی کھٹ پٹ کی آواز سنی۔ پہلے تو اُنھوں نے یہ خیال کیا کہ بلی نے چوہوں کے پکڑنے میں کوئی چیز گرا دی ہوگی۔ لیکن جب جا کر دیکھا تو کسی چیز کے ہلنے کا نشان نہ پایا، اس لئے اُنھوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ لیکن اس کے بعد تو ہر قسم کی عجیب اور پریشان کن باتیں ظاہر ہونے لگیں۔

باورچی خانے میں کھانا اچانک غائب ہو جاتا یا اسی طرح خراب ہو جاتا جیسے کسی نے خاک دھول یا کیچڑ میں اُسے گرا دیا ہو۔ کبھی کبھی کسان اور شہتیر کی طرف سے قہقہوں کی آواز سنتا۔ لیکن جب وہ بستر سے اُٹھ کر اور چراغ جلا کر دیکھنے جاتا تو اُسے کچھ بھی دکھائی نہ دیتا چراغ کے گل ہوتے ہی یہ آوازیں پھر آنے لگتیں۔ جیسے دو آدمی شہتیر چیر رہے ہوں، اور شہتیر اب گرا کہ اب گرا۔ لیکن صبح کو وہ شہتیر بالکل ٹھیک ہوتا۔

ایک دن گھر میں آگ لگ گئی۔ اور ہر طرف دھواں گھٹ گیا۔ آگ اس تیزی کے ساتھ بڑھی کہ بستر تک جل جانے کا اندیشہ ہونے لگا۔ گھر کے سب لوگ خوف زدہ ہو گئے اور پانی کے لئے زور زور سے چیختے ہوئے دوڑے لیکن جب وہ پانی کے ڈول بھر بھر کے لوٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آگ خود بخود بجھ گئی۔ ایک دفعہ کپڑے نکالنے کے لئے اُنھوں نے اپنا صندوق کھولا تو دیکھا کہ سارے کپڑے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

اس قسم کی شرارت آمیز باتیں بار بار ہونے لگیں۔ بعض پڑوسیوں نے یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ کسان کے دماغ کی پیداوار ہے۔ لیکن دوسروں نے محسوس کیا کہ ضرور کوئی گندی روح یہ سب کچھ کر رہی ہے۔ ہو نہ ہو یہ بوڑھی لومڑی کے بھوت کی کارروائی ہے۔ اُنھوں نے کسان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنا گھر بدل لے یا بھوت کو کھانا اور شراب نذر دے۔ اگر ان چیزوں سے اس کی تسلی ہو گئی تو وہ اپنی شرارتیں بند کر دے گا۔ کسان نے اس مشورے پر عمل کیا اور کچھ دن کے لئے اُسے اطمینان نصیب ہو گیا لیکن جب اُس نے اپنا نذرانہ بند کیا تو پھر وہی مصیبت! یہ کسان اتنا آسودہ حال نہ تھا کہ روز روز کھانا اور شراب اُس کی نذر کرتا۔ اس لئے اس کو اپنا ہاتھ کھینچنا پڑا اور اس

بھوت سے چھٹکارا پانے کی کوئی اور تدبیر سوچنی پڑی۔

ایک دن یہ ایک آدمی سے ملا۔ یہ نادست کے مہنت جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور سڑک کے کنارے کھڑا یہ شیخی بگھار رہا تھا کہ میں بھوت پریت کو بھگا سکتا ہوں۔ یہ کسان اس کے پاس گیا۔ اور گھر کی پریشانی بیان کی۔ یہ آدمی جو اصل میں نادست کا مہنت نہیں تھا۔ کہنے لگا "یہ پریشانی میں بڑی آسانی سے دور کر سکتا ہوں۔ تم بس یہ کرو کہ مجھ سے ایک تعویذ خرید کر اپنے گھر میں لٹکا دو۔ پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس سادہ لوح کسان نے اس کو ایک روپیہ دے کر شکریہ ادا کیا اور تعویذ لے کر گھر چلا گیا۔ اسے اُمید تھی کہ اس تعویذ سے یہ بھوت ہمیشہ کے لئے بھاگ جائے گا۔ لیکن وہ تعویذ بھوت کو تو کیا بھگاتا بھوت نے اسی کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ کسان اس مہنت کے پاس پھر گیا اور کہا "اب کچھ اور تدبیر کیجئے۔" اس آدمی نے کہا۔ "اس دفعہ مجھے خود آپ کے ہاں جانا پڑے گا۔ لیکن آپ کو پانچ روپئے دینے ہوں گے۔"

کسان اس بات پر راضی ہو گیا اور اس کو اپنے گھر لے گیا۔

ایک نیا فلیتہ جلا کر اور ایک تلوار لے کر یہ احمق کچھ منتر پڑھنے لگا۔ پھر وہ اس طرح جھک گیا گویا دعا مانگ رہا ہے۔ اچانک کسی نے اس کے سر میں ایسی ٹکر ماری کہ اوندھا گر گیا۔ اس کے ایسی چوٹ آئی کہ اس مکان میں کچھ دیر اور ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نذرانہ طلب کئے بغیر ہی بھاگا۔ جب وہ چلا گیا تو لوگوں نے ہوا میں ایک آواز سنی، جو برا بھلا کہہ رہی تھی اور یہ بھی کہ اگر ایسا پھر کبھی کیا گیا تو گھر کو جلا کر خاک کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد وہ لومڑی کا بھوت اور بھی گھر میں آنے لگا اور یہ کسان اور اس کی بیوی اس کے رحم پر رہ گئے۔ ایک طرف تو ان پریشانیوں نے ان کو تنگ کر رکھا تھا۔ دوسری طرف اور ان کے بیٹے نے شرارتیں شروع کر دیں۔ وہ پل بھر کو نچلا نہ بیٹھتا۔ اور ہر وقت اینٹیں پتھر گھر میں پھیلنے کے لئے جمع کرتا رہتا۔ اس کے ماں باپ اس کو یہ سب کچھ کرنے دیتے کیونکہ وہ ان کا لاڈلا تھا۔ لیکن جب ہر ہر کھڑکی میں اس نے اینٹ پتھر جمع کرنے شروع کئے تو انھوں نے ڈانٹا۔ اس پر وہ رونے لگا۔ مگر پھر بھی جب تک ساری کھڑکیاں بھر نہ گئیں۔ اس نے اپنی یہ عادت نہ چھوڑی۔

ماں باپ کی لاعلمی میں اس نے بھی اپنی ایک تلوار خوب تیز کی۔

روزانہ رات کو جب اس کے ماں باپ سو جاتے تھے وہ چپکے سے دروازے کے باہر جا کر گھات میں بیٹھ جاتا۔ ایک رات لومڑی کا بھوت بہت کچھ اودھم مچانے کے بعد صبح ہونے کے ڈر سے جانے لگا۔ اور اس نے یہ بات اچھی طرح دیکھ لی کہ ایک لومڑی جس کی دم گچھے دار ہے دروازے کی طرف آ رہی ہے، اس نے اپنی تلوار اٹھالی اور جب وہ گذری تو اس پر پھرتی سے وار کیا۔ مگر بدقسمتی سے کچھ دیر ہو گئی۔ وہ لومڑی تو نہ مر سکی، اس کی آدھی دم کٹ گئی۔ اس نے ایک چیخ

ماری اندر بھاگ گئی۔ دوسرے دن یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ لومڑی کہاں رہتی ہے وہ خون کے نشان پر گیا۔ چلتے چلتے وہ ایک ویران باغ میں پہنچا۔ یہاں خون کے نشان ختم ہوگئے، وہ سمجھ گیا کہ یہ لومڑی ضرور یہیں رہتی ہے۔

جب رات ہوئی تو وہ اسی باغ میں گھاس میں چھپ کر گھات میں بیٹھ گیا۔ آدھی رات کے وقت اُس نے آدمیوں کو کچھ باتیں کرتے سُنا۔ اُس نے سر اُٹھا کر جھانکا اور چاند کی مدھم روشنی میں دو لومڑیاں دیکھیں۔ اُن کے سر آدمیوں کے سے تھے اور یہ پتھر کے ایک چبوترے پر شراب پی رہی تھیں۔ بڈھی لومڑی کی دُم پوری تھی لیکن جوان لومڑی کی دُم کا سرا کٹا ہوا تھا۔ آدفو نے کہا "ہو نہ ہو یہی وہ جانور ہے جو ہمارے گھر والوں کو پریشان کرتا ہے۔ اُسے بہت غصہ آیا اور اس نے چاہا کہ جا کر ابھی اُن کا کام تمام کر دے۔ لیکن ذرا اور سوچ کر وہ رُک گیا۔ اُس کو خیال آیا کہ میں ابھی اتنا قوی نہیں ہوں کہ ایک ساتھ دو سے بھڑ جاؤں۔ صبح کو جب لومڑیاں چلی گئیں تو یہ بھی اپنے گھر آگیا۔

اس کے بعد وہ کئی بار باغ میں گیا اور ہر بار اس نے لومڑی کو شراب پیتے دیکھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اس لومڑی کا خاتمہ کر دے جو اُس کے ماں، باپ کو تنگ کرتی ہے

(باقی آئندہ)

دلچسپ معلومات

کس نے کہاں کیا اور کب ایجاد کیا؟

موجد	ملک	ایجاد	سنہ	
کولٹ	امریکہ	ریوالور	سنہ ۱۸۳۵ء	میں
مورس	"	برقی ٹیلیگراف	،	"
بل	"	ٹیلیفون	۱۸۷۶ء	"
اڈیسن	"	متحرک تصویر	۱۸۷۷ء	"
رائٹ برادرس	"	ہوائی جہاز	۱۹۰۳ء	"
واٹ	انگلینڈ	اسٹیم انجن	۱۵۶۵ء	"
تھیمونیر	فرانس	سینے کی مشین	۱۸۳۰ء	"
ڈاگیور	"	عکاسی	۱۸۳۹ء	"

موجد	ملک	ایجاد	سنہ	
نوبل	سویڈن	ڈائنامیٹ	سنہ ۱۸۶۷ء	میں
مارکونی	اٹلی	وائرلیس	۱۸۹۶ء	"
ایسٹ مین	امریکہ	فوٹو فلم	۱۸۸۳ء	"
ایک چینی	چین	پرنٹنگ	۱۵۹۳ء	"
میڈم کیوری	فرانس	ریڈیم		
ٹاری سیلی	اٹلی	بارومیٹر	۱۶۴۳	
رونٹگین	جرمنی	اکس رے	۱۸۹۵ء	"
ڈیوی	انگلستان	سیفٹی لیمپ		

دلی سے بمبئی

رحیم الدین - دہلی

(۳)

احمد آباد سے بمبئی تک کا راستہ آرام سے کٹا۔ جتنی دیر بھی سوئے چین کی نیند سوئے، گاڑی جب کسی اسٹیشن پر رکتی اور ہماری آنکھ کھل جاتی تو فوراً کھڑکیاں بند کر دیتے تاکہ کسی کو ہمارے ڈبے میں آنے کا خیال بھی نہ ہو اور ہوا بھی ایسا ہی۔

سوتے سوتے آنکھ کھلتی تو عروج صاحب سے پوچھتے "بمبئی کتنی دور ہے ماسٹر صاحب؟ گھڑی میں کیا بجا ہے؟" اور کہتے "دیکھئے ماسٹر صاحب بمبئی آنے سے پہلے ہمیں بھی جگا دیجئے گا، ایسا نہ ہو کہ آپ تو مناظر کا لطف اٹھائیں اور ہم خواب ہی دیکھتے رہیں۔" بمبئی پہنچنے سے گھنٹہ بھر پہلے انھوں نے ہمیں جگا دیا، اب کیا تھا ہم سب کھڑکیوں میں سے منہ نکال راستے کی سیر کرنے لگے۔

بمبئی کا ۔ دلی سے ۴۰۰ میل دور ۴ جنوری اتوار کو صبح ۷ بجے ہم بمبئی کے اسٹیشن پر تھے۔ وکٹوریا (ٹم ٹم) والوں سے تو کرایہ طے نہ ہو سکا، ایک ٹیکسی (کرایے کی موٹر) مل گئی۔ سارا سامان، گیارہ لڑکے اور ماسٹر صاحب کسی نہ کسی طرح اس میں بیٹھ کر حاجی دیوجی کے مسافر خانے پہنچے۔

ہمارے میزبان جناب مولانا سید رضا لقمان صاحب امروہہ کے رہنے والے ہیں۔ ماسٹر صاحب کے ہم وطن اور عزیز ہیں۔ فلکیات میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ ماہرین فلکیات سے الگ کچھ اپنے ذاتی نظریے اپنی کتاب "تصویرِ نظام" میں پیش کئے ہیں، حاجی دیوجی کے مسافر خانے میں معلم اور پیش نماز کی حیثیت سے قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایک دو نشستوں میں اُن کے علم سے ہمیں بھی فائدہ پہنچا۔ مسافر خانے میں انھوں نے ہمارے لئے دو کمرے خالی کرا رکھے تھے سامان رکھ کر ضروریات سے فارغ ہوئے اور انھی کے ہاں ناشتہ کیا۔

عروج صاحب بمبئی دو مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں یہاں سے ایک حد تک واقف ہیں۔ بازار میں گھومتے گھامتے ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور اس کے بعد چائے پی، سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے بمبئی کی آب و ہوا مرطوب ہے، اس لئے دن میں دو تین مرتبہ چائے کا استعمال ضروری ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر

یہاں کے ہوٹلوں کا تھوڑا سا ذکر کر دیا جائے۔

ہوٹل صاف اور ستھرے ہیں، ہر چیز سلیقے سے سجی ہوئی، نگار خانہ معلوم ہوتے ہیں، ریڈیو یا گرامو فون ہر ہوٹل میں موجود، اور لطف یہ کہ کم خرچ اور بالانشین والا مضمون ہے۔

ہوٹل سے وکٹوریا گارڈن دیکھنے گئے۔ ان جانوروں کے علاوہ جو ہم پہلے یورپ میں دیکھ چکے تھے کچھ نئے بھی دیکھے۔ زرافہ واقعی عجیب و غریب جانور ہے۔ باغ کے باہر وکٹوریہ البرٹ میوزیم کی چیزیں بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ گاؤں کی زندگی کو نمونوں کے ذریعے اس صورت سے پیش کیا ہے کہ نا واقف آدمی کے سامنے اس کی زندگی کی صحیح تصویر آ جاتی ہے مٹی کے آدمی بنا کر ہندوستان کے پیشہ وروں اور مختلف علاقوں کے باشندوں کو بڑی خوبی سے دکھایا ہے۔

اس کے دیکھنے کے بعد دو منزل والی ٹرام میں بیٹھ کر پرنس آف ویلز میوزیم پہنچے۔ یہاں کی قابل تعریف چیز وہ مردہ جانور ہیں جن پر زندوں کا دھوکا ہوتا ہے۔

تھوڑے فاصلے پر گیٹ آف انڈیا ہے۔ اسے بھی دیکھا، اس کی شان و شوکت دیکھ کر سمندر بھی سیڑھیوں سے ٹکرا کر اس تک پہنچنے کی ناکام کوشش کرتا رہتا ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ مشہور ہوٹل تاج محل بھی دیکھا۔ یہاں سے جی سیر نہ ہونے پایا تھا کہ ماسٹر صاحب ٹرام میں بٹھا مالابار ہل دکھانے لے گئے۔ بمبئی میں سب سے بلند جگہ یہی ہے۔ پہاڑی پر نہایت خوب صورت پارک ہے، اسے معلق باغ (Hanging garden) کہتے ہیں، شام کو تفریح کے لئے بہترین جگہ ہے۔ ایک نظر میں بمبئی کی سیر کا لطف یہیں سے آتا ہے۔

مغرب کے قریب وہاں سے اترے اور چوپاٹی پہنچے۔ سمندر کے کنارے کنارے وسیع ریتیلا میدان ہے۔ شام کے وقت تماشائیوں کا ہجوم رہتا ہے۔ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ جدھر دیکھو لوگ بمبئی کی مشہور چاٹ "گانڈہ" مزے لے لے کر کھاتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے منہ میں بھی پانی بھر آیا، اور بغیر کھائے نہ رہ سکے۔

رات ہو گئی تھی۔ اے، آر، پی مشق کی وجہ سے سڑکوں اور دکانوں کی روشنیاں مدھم پڑ گئی تھیں۔ بمبئی کو دیکھتے ہوئے چہل پہل نام کو نہ تھی۔ بمبئی رات کو دلہن معلوم ہوتی ہے، مگر اس وقت تو اس کا سہاگ اجڑا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ہمارا بھی دل نہ لگا، اور اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

دوسرے دن جی، آئی، پی کا اسٹیشن وکٹوریہ ٹرمنس بھی دیکھا۔ بجلی سے چلنے والی ریل میں بیٹھے، مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی مسجدیں دیکھیں، ادھر ادھر کی سیر کی، کچھ خرید و فروخت کا سلسلہ بھی رہا۔

تیسرے دن سویرے سے گیٹ وے آف انڈیا پہنچے۔ ذرا دیر ہو گئی تھی اس لئے طلوع آفتاب کا منظر نہ دیکھ سکے، غروب چوپاٹی پر دیکھا تھا۔ کرایے کے اسٹیمر میں بیٹھ کر سمندر کی سیر کی، ایک

جنگی جہاز بھی دیکھا۔ اسلم اور بدر الصالحین بیٹھتے تو کیا ڈر کے مارے اسٹیمر کے قریب تک نہ آئے۔ دل میں خوف تو ہمیں بھی تھا، مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔

واپسی میں بمبئی یونیورسٹی اور بار برن کرکٹ کلب دیکھا۔ دیکھا تو بہت کچھ، کس کس کا ذکر کیا جائے البتہ بمبئی کی جامع مسجد کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ کرنے کو جی چاہتا ہے۔

مسجد کی عمارت دو منزلہ ہے۔ پوری عمارت حوض پر بنی ہوئی ہے، حوض کی گہرائی درمیان میں پنٹ سے زیادہ ہے۔ درروں کی شکل میں ڈاٹیں بنا کر اس پر عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ حوض میں چھوٹی سی کشتی بھی چل سکتی ہے۔ پانی کے اندر رنگین مچھلیاں ایسی معلوم ہوتی ہیں، جیسے اندھیری رات میں تارے، جن میں کچھ ٹوٹنے والے بھی ہوں نماز کے لئے ایک ہال پہلی منزل میں ہے اور ایک دوسری منزل میں۔ ہندوستان کی کسی مسجد میں اس سے بڑا کوئی ہال نہیں ہے۔ نماز کے لئے ۲۰ صفیں بہ یک وقت کھڑی ہو سکتی ہیں۔ اور ہر ایک میں تقریباً ڈیڑھ سو نمازی آسکتے ہیں۔ اس طرح گویا ایک وقت میں کم سے کم تین ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ عید کی نماز میں چار ہزار تک تعداد ہو جاتی ہے۔ ایک ہال کے دو کونوں میں بڑے بڑے گھنٹے گھڑے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ایک ہزار سے زیادہ کی قیمت کا ہے۔ نماز کا اس قدر ادب کرتے ہیں کہ پاس کھڑے ہوئے نمازی کی نماز میں اپنی آواز سے خلل نہیں ڈالتے۔ مسجد میں ایک غلاف کعبہ بھی موجود ہے۔

بمبئی میں ہمارے قیام کا آج آخری دن تھا شام کو تحفے تحائف خریدے گئے، رات کے کھانے سے فارغ ہو کر مسافر خانے سے سامان لیا اور وکٹوریہ کرایہ پر لے کر ساڑھے آٹھ بجے اسٹیشن پہنچے، نو بجے گجرات میل چھوٹتا تھا۔ پہلا موقع ہے کہ ہمارے طے شدہ پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی ہوئی ہے۔ انتہائی کوشش کے باوجود جگہ نہ مل سکی۔ لوگ بمبئی سے بھاگ رہے تھے کچھ گاڑیاں کم ہو گئی تھیں۔ پولیس بٹھانے کا انتظام کر رہی تھی۔ پون گھنٹے بعد ایک پسینجر ٹرین میں جگہ ملی۔ ریل کے جو مزے اٹھاتے چلے آرہے تھے۔ ان سب کی کسر یہاں پوری ہو گئی ✦

سید ناصر الدین ، حیدر آباد

میاں مٹھو بادشازادے اپنی ماں کے ساتھ ایک جنگل میں رہا کرتے تھے۔ ان کا روز کا کام یہ تھا۔ جنگل سے گھاس کاٹ کر لاتے، اُسے شہر میں لے جا کر چار آنے میں بیچ دیتے۔ ایک آنہ خیرات کرتے باقی پیسے اپنی ماں کو دے دیتے ایک روز کچھ سوداگر اُن کے گھر کے قریب آکر اُترے۔ میاں مٹھو نے ان کے گھوڑوں کو گھاس ڈالی اور سوداگروں سے قیمت مانگی۔ سوداگروں نے پوچھا کہ کتنے پیسے ہوئے"، میاں مٹھو نے جواب دیا "چار آنے"۔ سوداگر کہنے لگے" واہ حضرت آپ نے دو روپے کی گھاس چار آنے میں بیچ دی"۔ یہ کہہ کر سوداگر دو روپے دینے لگے۔ میاں مٹھو نے لینے سے انکار کر دیا اور صرف چار آنے لئے۔ کچھ دنوں بعد سوداگر چلے گئے۔ میاں مٹھو کو یہ معلوم نہ تھا۔ صبح کو گھاس لے کر سوداگروں کے پڑاؤ پر پہنچے تو وہاں کچھ بھی نہ پایا۔ یکایک اُن کی نظر ایک تھیلی پر پڑی اُسے اُٹھا کر دیکھا تو اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔

میاں مٹھو اس کو لے کر سوداگروں کو ڈھونڈنے لگے ساتفاق سے کچھ دور وہ اُنھیں مل گئے۔ میاں مٹھو نے اُن سے پوچھا" کیا تمھاری کوئی چیز گُم ہو گئی ہے"؟
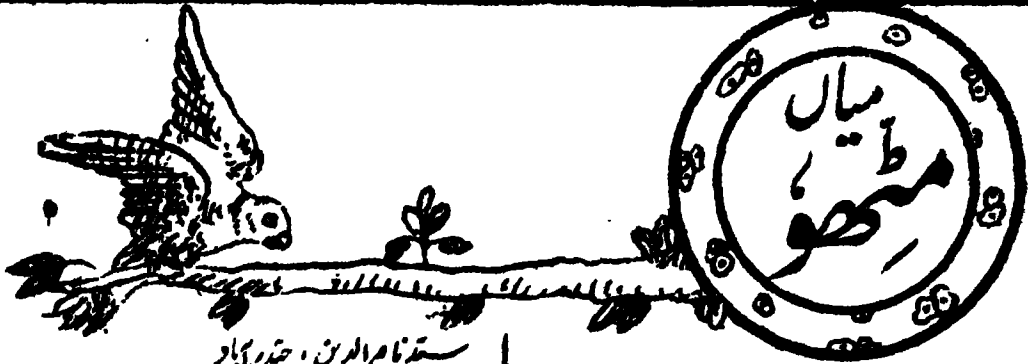
سوداگروں نے کہا "نہیں"۔ میاں مٹھو نے اشرفیوں کی تھیلی سوداگروں کو دکھائی۔ سوداگر بہت خوش ہوئے اور دل میں کہنے لگے۔" کتنا ایمان دار لڑکا ہے"۔ مگر انھوں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ میاں مٹھو نے اُن سے کہا" تم جس ملک میں جا رہے ہو اس ملک کے بادشاہ کو یہ کہہ کر دے دینا کہ ایک دن کا کھانا پکا کر خیرات کر دے"۔ سوداگروں نے ایسا ہی کیا۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ "یہ کتنا دولت مند بادشاہ ہوگا جو تھیلی بھر اشرفیاں ایک دن میں خیرات کر رہا ہے۔ اس کو ضرور دیکھنا چاہیے" یہ سوچ کر بادشاہ نے سوداگروں کو ایک چوکی دی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور کہا" تم یہ میاں مٹھو کو دینا اور کہنا کہ اس پر بیٹھ کر حمام کریں اور پھر خیرات کر دیں"۔ سوداگروں نے تعمیل کی۔ میاں مٹھو نے کہا کہ "میں غریب آدمی اس پر بیٹھ کر حمام کروں! یہ سوچ کر میاں مٹھو نے سوداگروں سے کہا" اب جس ملک میں جاؤ وہاں کے بادشاہ کو یہ کہہ کر یہ چوکی دے دو کہ اس پر بیٹھ کر حمام کریں اور پھر خیرات کر دیں"۔ سوداگروں نے چوکی لے لی۔ اور میاں مٹھو کا کہنا پورا کیا۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ کتنا دولت مند بادشاہ ہوگا جو جواہرات

کو بھی حیرات کرنے کو کہہ رہا ہے۔ اس کو ضرور دیکھنا چاہیے۔ اتفاق کی بات کہ دونوں بادشاہ ایک ہی وقت میں میاں مٹھو کو دیکھنے روانہ ہوئے۔

جب میاں مٹھو کو یہ معلوم ہوا تو بہت گھبرائے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ اسی سوچ میں قریب کی ایک باؤلی پر بیٹھے تھے کہ اُن کی نظر ایک پوٹلی پر پڑی۔ اُسے کھول کر دیکھا تو اس میں پریوں کے کپڑے نظر آئے جو باؤلی میں نہا رہی تھیں۔ میاں مٹھو نے پوٹلی بغل میں دبائی اور گھر کا رُخ کیا۔ پریوں کو یہ معلوم ہوا تو میاں مٹھو کے گھر آئیں اور عاجزی کرکے کہنے لگیں "ہمارا لباس ہمیں دے دو۔" میاں مٹھو نے کہا "ایک شرط پر دیتا ہوں۔" پریوں نے پوچھا کہ وہ کیا

میاں مٹھو نے جواب دیا کہ جب دونوں بادشاہ آئیں گے تو تم سروں پر گھڑے رکھے اُن کے بیچ میں سے گزرنا۔ وہ پوچھیں گے "تم کون ہو؟" تو جواب دینا کہ "ہم میاں مٹھو کی ماما ئیں ہیں۔" پریوں نے کہا "یہ کتنی بڑی بات ہے۔" میاں مٹھو نے پریوں کے کپڑے واپس کر دیے۔ جب بادشاہ آئے تو پریاں گھڑے سروں پر رکھے اُن کے بیچ میں سے گزریں۔ بادشاہوں نے پوچھا "تم کون ہو؟" پریوں نے جواب دیا "ہم میاں مٹھو بادشاہ کی ماما ئیں ہیں۔" بادشاہوں نے خیال کیا کہ جس بادشاہ کی خادمائیں اتنی حسین اور اتنا اچھا لباس پہنے ہوئے ہیں وہ کتنا زبردست ہوگا۔ وہ گھبرا کر واپس ہو گئے اور میاں مٹھو اور ان کی ماں پہلے کی طرح رہنے لگے +

ریل

غلام ابرار صدیقی، ...

چلی جارہی ہے اُڑاتی دھواں — پہنچتی ہے دم میں کہاں سے کہاں
کسی کو بھی خاطر میں لاتی نہیں — ندی اور پہاڑوں سے ڈرتی نہیں
سُرنگوں میں جاتی عجب شان سے — پُلوں پہ گزرتی نئی آن سے
سُرنگوں میں یوں مُنہ چھپاتی ہے یہ — پہاڑوں سے گویا لجاتی ہے یہ
تغافل سے سب کو جگاتی ہے یہ — تجارت کی رونق بڑھاتی ہے یہ
پہاڑوں پہ چڑھتی ہے اک آن میں — اداسے اُترتی ہے میدان میں
نہیں فکر گرمی کہ برسات ہے — مگر وہ تو پابندِ اوقات ہے

نگاہوں سے تو وہ تو اوجھل ہوئی
اثر کو یہ ذوقِ عمل دے گئی

افریقہ کا نیگرو

اختر سی آرٹسٹ

ہم افریقہ کے استوائی خطے سے بول رہے ہیں۔ یہی خطہ میرا وطن ہے۔ میں اپنا رنگ روپ تمھیں کیا بتاؤں، بس یوں سمجھ لو جیسے کالا توا۔ کیا کیا جائے یہاں گرمی ہی ایسی شدت کی پڑتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے میں کپڑے بھی کم پہنتا ہوں۔ میرے چھوٹے بچے تو بس یوں ہی ننگے منگے رہتے ہیں۔ انھیں کپڑے پہنائے جائیں تو پریشان ہو جائیں۔ مجھے اپنے اور اپنے خاندان کے کالے چمک دار اور مسکراتے ہوئے چہروں اور گھنے کالے گھنگرالے بالوں پر فخر ہے۔ ہمارے دانت کیسے سفید اور چمک دار ہیں، ہم روزانہ تازہ ہری مسواک کرتے ہیں۔ میری بیوی اور بچے بھی میری طرح ہر وقت خوش و خرم رہتے ہیں۔ آس پڑوس کے لوگوں سے بھی ہمارے تعلقات بہت دوستانہ اور خوش گوار ہیں۔

ہم اپنی ضرورت کی چیزیں اِدھر اُدھر دکانوں سے نہیں خریدتے پھرتے۔ میری بیوی مکئی یا لی اور اسی کا آٹا پیستی ہے اور اس آٹے کی لپسی پکتی ہے اور ہم سب بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ کبھی کبھی گوشت بھی کھانے کو مل جاتا ہے۔

میں دن میں اپنے گلے کی نگرانی کرتا ہوں۔ جہاں میں رہتا ہوں وہ گرم گھاس کا علاقہ ہے۔ گھاس قدِ آدم سے بھی بڑی ہوتی ہے۔ مگر میرے مویشی چھوٹی اور ہری گھاس کھاتے ہیں۔ شام کو جھٹپٹے کے وقت میں اُنھیں گھر لے آتا ہوں۔ اگر ذرا بھی لاپروائی سے کام لوں تو درندے جانے کتنا

نقصان کر ڈالیں۔ یہ جنگلی درندے میرے گھر کے آس پاس ہی رہتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک جنگلی ہاتھی سے تو میں بال بال بچا تھا۔ مجھ پر حملہ کر دیا تھا مگر تیر کمان میرے پاس موجود تھا۔ میں نے اُسے فوراً ختم کر دیا۔ میری جان ہی نہیں بچی بلکہ میں اس کی بدولت کافی مال دار ہو گیا۔ میں نے اُس کے دو دو سفید سینگ دو ہزار پونڈ میں بیچے۔ دو ہزار پونڈ! کتنی بڑی رقم!! اب تو جی چاہتا ہے کہ ایک اَور ہاتھی کا شکار کروں۔ مگر ہاتھی کا شکار کوئی کھیل نہیں ہے اُسے مارنے کے لئے اس کی آنکھ کو نشانہ بنانا پڑتا ہے۔ کسی دوسری جگہ پر کارگر نہیں ہوتا۔ اس کی کھال اتنی موٹی ہوتی ہے کہ تیر تو کیا بندوق کی گولی تک اُچٹ جاتی ہے۔

تم نے زیبرا اگر کہیں دیکھا ہو گا تو کسی چڑیا گھر میں دیکھا ہو گا۔ مگر میں نے سینکڑوں بار ان کے غول کے غول چرتے

ہوئے یا چشمے پر پانی پیتے ہوئے دیکھے ہیں۔ اس کی کھال کتنی خوب صورت اور چکنی ہوتی ہے اور کبھی تم نے ہمارے یہاں کا گینڈا بھی دیکھا ہے؟ دو سینگوں والا کتنا ہیبت ناک ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے ہندوستانی گینڈے کے ایک ہی سینگ ہوتا ہے۔ ہاں تو بھئی مجھے تو یہ جانور بالکل پسند نہیں۔ اسے کوئی ذرا بھی چھیڑ دے یہ اپنے تیز نوکیلے سینگوں سے چیر کر ٹکڑے کرنے لگتا۔

مجھے لمبی ٹانگوں والا زرافہ بہت بھاتا ہے۔ یہ اکثر اونچے اونچے درختوں

کی ہری ہری کونپلیں کھاتا نظر آتا ہے انیٹی لوپ کے گلے بھی
میرے مکان کے اِدھر اُدھر گھومتے رہتے ہیں - اس جانور
کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے - جب کبھی میں اس
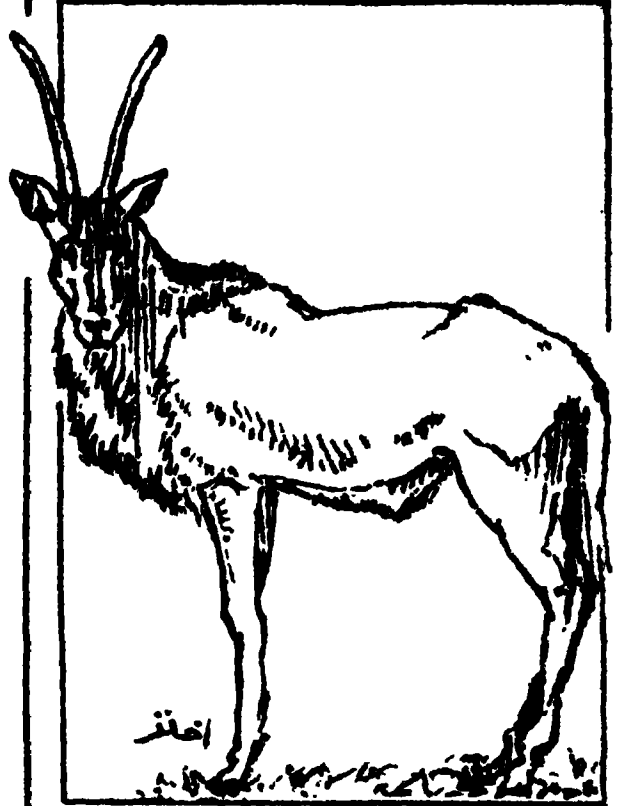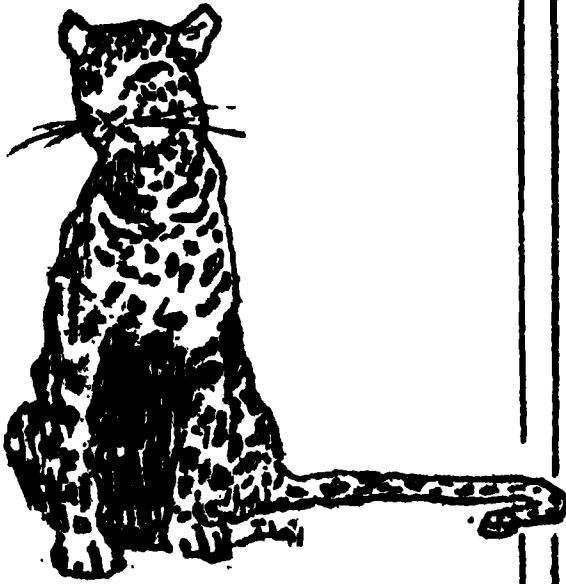
کا شکار کرتا ہوں تو تمام دوستوں کی دعوت کرتا ہوں۔ ہم
لوگ دعوت کھاتے ہیں اور رات بھر ناچتے گاتے اور
خوشیاں مناتے ہیں - ناچ گانا ہم نیگرو لوگوں کا بہت
ہی پسندیدہ مشغلہ ہے اور میری تو کچھ نہ پوچھو بندر کی
کھال کے ڈھول کی آواز سے بے اختیار اور مست ہوکر
ناچنے لگتا ہوں اور اتنا ناچتا ہوں، اتنا ناچتا ہوں کہ
بے دم ہو جاتا ہوں۔

ہمارے جنگل میں شیر اور چیتے بھی ہوتے ہیں

مجھے ان سے ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے - میری ذرا سی
غلطی سے یہ مویشی مار کر کھا جاتے ہیں -

تم نے میرا گھر کبھی کاہے کو دیکھا ہوگا - بہت
خوب صورت اور آرام دہ ہوتا ہے میں اسے اپنی بیوی
بچوں کی مدد سے خود بناتا ہوں - سب سے پہلے ایک
دائرے میں بانس گاڑ دیے جاتے ہیں - ان بانسوں کے
اوپر کے سرے ملا دیے جاتے ہیں اور گیند کی سی شکل
بن جاتی ہے - اس گول گیند پر کھپچیاں باندھ کر گھاس
ڈال دیتے ہیں - اوپر سے گھاس کی ایک اور تہہ جما دی
جاتی ہے - بیویاں اندر گھاس کی چٹائیاں بچھا دیتی ہیں اس
طرح یہ گھر بہت خوش نما ہو جاتا ہے -

میری لڑکیاں اور ان کی ماں کھیتی باڑی کا کام
کرتی ہیں - گھر کے اور کام دھندے کرتی ہیں - ان سب
مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ اپنے ننھے دودھ پیتے

بچوں کو بھی کھلاتی ہیں۔

مجھے اپنے چھوٹوں لڑکوں پر بہت فخر ہے۔ وہ گلے کی نگرانی میں میری مدد کرتے ہیں۔ بڑے لڑکوں کا پسندیدہ مشغلہ شکار ہے۔ اُن کی پہلی سالگرہ پر میں نے انھیں الگ الگ تیر کمان دئے ہیں۔ چھوٹے بچے کو بھی اس کا چسکا لگ گیا ہے۔ اس کی عمر ابھی پانچ ہی برس ہے۔ میں نے اُس سے کہہ دیا ہے کہ جب تم بڑے اور خوب مضبوط ہو جاؤ گے تو اپنے ساتھ شکار کو لے جایا کروں گا۔ کل اُس نے اپنے بڑے بھائی کی کمان سے میرے گئے کی آنکھ پھوڑ دی۔

کئی دن ہوئے بڑے بھائی صاحب میرے گھر تشریف لائے تھے۔ یہ میری طرح مالدار نہیں ہیں۔ وہ ایک بیل پر بیٹھ کر آئے تھے۔ اس بیل کو میری بھابی یعنی اُن کی بیوی ہانک رہی تھیں۔ تمہارے یہاں تو عورتیں سوار ہوتی ہیں اور مرد پیدل چلتے ہیں مگر ہمارے یہاں کا دستور اس کا بالکل الٹ ہے یعنی مرد سوار ہوتے ہیں، عورتیں پیدل چلتی ہیں۔

ہمارے یہاں کے بچے اُتھلے دریاؤں میں خو[ب]
نہاتے اور چہلیں کرتے ہیں۔ صبح کو جب عورتیں پا[نی]
بھرنے آتی ہیں
یہ بچے بھی سا[تھ]
ہوتے ہیں ا[ور]
ایک دوسرے
پانی اُچھال اُ[چھال]
کر خوب خوش
ہوتے ہیں۔
دریاؤں میں گ[ھڑیال]
بھی ہوتے ہیں
انھیں دیکھتے ہی بھاگ آتے ہیں۔ ایک دفعہ میرے ا[یک]
دوست ایسی ہی مصیبت میں پھنس گئے۔ ایک مگرمچھ
اُن کی ٹانگ چبا ڈالی۔ یہ ایک چشمے کے کنارے پڑا
تھا۔ میرے دوست نے اُسے دیکھا نہیں اب یہ بے[چارے]
لنگڑے ہو گئے ہیں۔

ہم نیگرو لوگ بہت بے فکری اور آزادی کی زند[گی بسر]
کرتے ہیں۔ ہمارے پاس کھانے پینے کی کمی نہیں۔ کھیل کو[د]
گانا ہنسی دل لگی دن رات کا مشغلہ ہے۔ میرے چھوٹے
بھی ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں۔ میں نے کبھی انھیں منہ ب[سورتے]
اور روتے نہیں دیکھا ❖

شجاع احمد قائد - حیدرآباد

مولوی :- نہیں یہ بات نہیں ہے پہلے پہلے ہر ایک بچہ ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے بڑا ہوتا ہے، اور اس کے بال بچے ہوتے ہیں، اس دانے کو جسے زمین میں بو دیتے ہیں ہماری تمہاری طرح کھانا بھی ملتا ہے اور پانی بھی مٹی کھانا کھلاتی ہے پانی، دودھ پلاتا ہے۔ ہوا اُس کو ہوا کھلاتی ہے اور دھوپ اس کی پرورش کرتی ہے۔ بہرحال یہ سب مل جُل کر اس دانے کو پالتے پوستے ہیں جب وہ بڑا ہوتا ہے۔ اور اُس کے بہت سے بچے ہو جاتے ہیں تو پھر ہم اُن کو کھاتے پیتے ہیں۔ اب تو تم لوگ سمجھ گئے ہوگے کہ ہماری مٹی اور زمین کی مٹی میں کیا فرق ہے۔

شمو :- کیا فرق ہے یہ تو آپ نے بتلایا ہی نہیں۔

مولوی :- زمین کی مٹی اپنی اصلی صورت میں ہے یوں سمجھو جیسے گیہوں کا دانہ اور ہماری مٹی صورتیں بدلتی ہوئی یہاں تک پہنچی جیسے گیہوں سے آٹا اور آٹے سے روٹی ..... اچھا شمو آج تم اپنا گانا تو سنادو ....

اے لو شرمانے لگیں .... چلو جھٹ پٹ سُناؤ، شرمانے کی کون سی بات ہے۔

شمو :- آپ ہم کو پہلے وہ پہیلی بتا دیجئے جو پرسوں آپ نے بجھائی تھی۔

مولوی :- ...... کون سی وہ کھجوروں والی .....

شمو :- نہیں مولوی صاحب .... وہ .... وہ ..... دیکھئے .... ہاں .... ایک چیز ہے سب میں اصلی .... کرتے ہیں لوگ اس کا منہ کالا الٹی کریں وہ سیدھی - جو نہ جو بوجھے وہ راجہ ہوئے۔

مولوی :- تو تم نے اس کو اب تک نہیں بوجھا۔

شمو :- نہیں مولوی صاحب۔ بوجھتے تو راجہ رانی نہ بن جاتے۔

مولوی :- تو پھر ہم بوجھیں۔

شمو :- جی ہاں۔

مولوی :- پھر ہم راجہ ہو جائیں گے۔

شمو :- ہو جائیے۔

غفور :- ہم بوجھتے ہیں ماسٹر صاحب، ہم بوجھتے ہیں

ماسٹر صاحب۔
مولوی:۔ جس کا جی چاہے بوجھے۔
مجن:۔ تو ا ماسٹر صاحب۔
مولوی:۔ نہیں۔
غفور: کاغذ یا کتاب
مولوی: نہیں ... اچھا تم بتاؤ جاوید
جاوید:۔ مجھے تو مہر معلوم ہوتی ہے۔
مولوی:۔ شاباش....
شمو:۔ مولوی صاحب، مولوی صاحب۔
مولوی: کیا۔
شمو:۔ آپ شاباش دے رہے ہیں۔ بھائی جان راجہ بننے کے لئے یہ سب جھوٹ موٹ کہہ رہے ہیں۔
مولوی:۔ نہیں یہ ٹھیک ہے۔
شمو:۔ کیسے مہر تو ہمارے ابا جان کے پاس بھی ہے۔
مولوی:۔ بس تو پھر تم گھر میں جاؤ۔ جب تمھارے ابا جان کسی کاغذ پر مہر کر رہے ہوں تو تم دیکھو کہ اس کا منہ کالا کیا جاتا ہے اور وہ الٹی سے سیدھی ہوتی ہے۔
غفور/مجن:۔ ہاں، ہاں ہم دیکھ چکے ہیں بھائی جان نے ٹھیک بتایا ہے ..... ہمارے بھائی جان راجہ، ہمارے راجہ بھائی جان
(بولتے بولتے آواز مدھم ہوتی جاتی ہے)

بجلی کے کھیل

علی احمد صاحب استاد مدرسہ ثانوی جامعہ نگر

تمھارے سر کے کنگھے میں ایک عجیب طاقت ہے۔ اس کی طاقت دیکھنا چاہتے ہو تو کاغذ کے کوئی پاؤ انچ چوڑے اور ایک انچ لمبے ٹکڑے اور گھاس کے تقریباً اتنے ہی لمبے خشک تنکے میز پر رکھ دو۔ اب کنگھے کو اپنے سر کے بالوں میں جلد جلد دو تین بار پھیر کر کاغذ کے ٹکڑوں اور تنکوں کے پاس لے جاؤ۔ یہ سب کے سب کھڑے ہو جائیں گے، گویا ہاتھ باندھے کنگھے کا استقبال کر رہے ہیں اور اس کے بعد لپک کر لگ جائیں گے۔ تھوڑی بعد ایک ایک کر کے کنگھے سے الگ ہو جائیں گے اور دو بار اچھل کود کے بعد کود کر کنگھے سے چمٹ جائیں گے۔

دیکھا! کنگھے نے کس طرح جادو کے زور سے کاغذ کے ٹکڑوں اور گھاس کے تنکوں کو پتلی کا ناچ نچایا۔

اب اس کنگھے کو بالوں میں پھیرے بغیر تنکوں کے پاس لے جاؤ۔ کوئی اثر ہوا! کچھ بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ کنگھے کو جب بالوں میں پھیرا جاتا ہے تو بالوں کی رگڑ سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اس عمل کو برقانا کہتے ہیں۔ اسی بجلی کی وجہ سے کاغذ کے ٹکڑے یا گھاس کے تنکے کنگھے کی طرف کھنچے ہیں یہی تماشا تم اپنا فونٹین پن گرم کوٹ کی آستین پر رگڑ کر بھی کر سکتے ہو

محمد عبد الحسیب، حیدرآبادی

افریقہ میں ویسے تو لڑائی کا سلسلہ بہت دنوں سے ہے۔ سب سے پہلے اٹلی نے سنہ ۱۹۳۵ء میں افریقہ کی ایک آزاد

سلطنت ابے سینیا یا حبشہ پر حملہ کیا اور لڑائی کے نئے ساز و سامان اور زہریلے گیس کے بل پر بہادر مگر نہتے حبشیوں کو زیر کرلیا۔
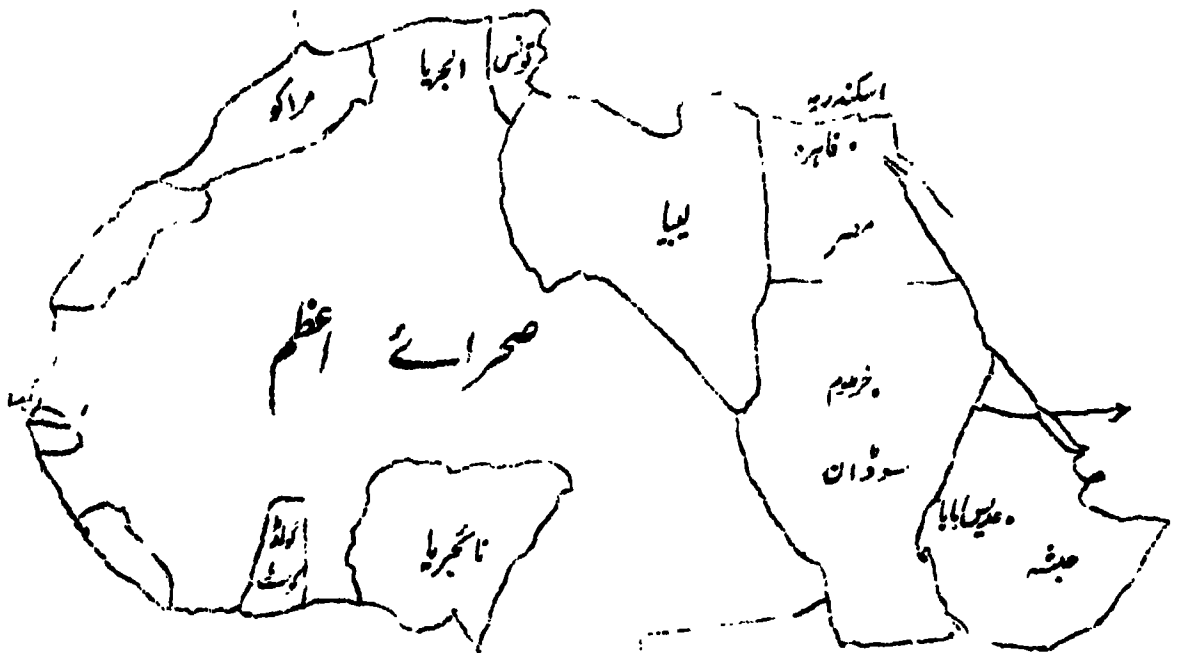
موجودہ لڑائی میں جرمنی کے مقابلے میں فرانس نے ہتھیار ڈال دیئے تو اٹلی بھی جرمنی کے ساتھ ہوگیا، اور انگریزوں کے خلاف لڑائی میں کود پڑا۔ حبشہ کی فتح کے بعد اسے اپنی طاقت پر گھمنڈ ہوگیا تھا۔ اسی مغالطے میں آکر اس نے افریقہ میں انگریزی علاقوں پر دھاوا بول دیا۔ مگر اب نہتے

حبشیوں کا تو مقابلہ تھا نہیں۔ اب تو یہی باقاعدہ انگریزی اور ہندوستانی فوج تھی۔ لڑائی کے فن سے واقف اور نئے سے نئے سامان سے لیس۔ اس کے مقابلے میں اٹلی کی فوج بہت بودی نکلی۔ لڑائی کا سامان بھی اتنا اچھا نہیں تھا۔ یہاں کہیں بھی انگریزی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا بھاگ کھڑی ہوئی۔ حبشہ تو اٹلی والوں سے بالکل پاک ہوگیا اس لڑائی کا اب تک بس یہی ایک خوش گوار پہلو ہے۔

اٹلی کو اس طرح ہارتے دیکھ کر جرمنی نے بھی اپنی فوجیں بھیج دیں۔ نہر سوئز پر اس کا پہلے سے دانت تھا پہلے تو ان فوجوں کو انگریزوں کے مقابلے میں کامیابی نہ ہوئی بلکہ بار بار پیچھے ہٹنا پڑا۔ طبرق کا مورچہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ مگر اس مرتبہ گرمیوں میں جرمنی کے حملے برابر شدت اختیار کرتے گئے۔ اور [illegible] انگریزی فوجوں کو پیچھے ہٹاتا ہوا مصر کی سرحد میں گھس آیا، اور برابر بڑھتا چلا آرہا ہے۔

افریقہ بھی ایشیا کی طرح بہت بڑا براعظم ہے یہ سوائے سوئز کی خاکنائے کے ہر طرف سمندر سے گھرا ہوا ہے[1] اس کے پچھم میں بحر اٹلانٹک (اوقیانوس) ہے۔ پورب میں بحر ہند میڈیٹرینین (بحر روم) اس کے شمال میں ہے اور بحر احمر شمال مشرق میں۔ شمال سے جنوب اس کا فاصلہ پانچ ہزار میل ہے۔ مشرق سے مغرب چار ہزار میل بحیثیت مجموعی اس کا رقبہ ۱۱۵۰۰۰۰۰ مربع میل ہے۔ [illegible] کا سب سے بڑا جزیرہ مڈغاسکر ہے۔ آج کل اس پر انگریزوں کا قبضہ ہے۔

افریقہ کا ساحل کٹا پھٹا نہیں ہے۔ اس سے اچھی بندرگاہیں نہیں ہیں۔ صحرا بہت ہیں۔ دریا اور جھیلیں بھی بڑی بڑی ہیں۔ سب سے بڑا صحرا صحرائے اعظم کہلاتا ہے۔ شمال مغرب کا ایک بڑا حصہ اس صحرا نے گھیر لیا ہے۔ اس میں سوائے ریت کے تودوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں کہیں کہیں نخلستان ہیں۔ ریت کے اس سمندر میں جہاں کہیں چشمے پھوٹ نکلے ہیں ان کے گرد کھجوروں کے درخت اُگ آئے ہیں۔ بس یہی نخلستان ہیں۔ ان نخلستانوں کے ساتھ ساتھ آبادی بھی ہوتی ہے۔ اونٹوں کے بھوکے پیاسے، گرمی اور لو کے ستائے ہوئے قافلے ان نخلستانوں میں پناہ لیتے ہیں۔ صحرا میں کہیں کہیں وادیاں بھی ملتی ہیں معلوم ہوتا ہے کسی زمانے میں یہاں دریا اور ندیاں ہوں گی۔

مغربی ساحل پر صحرا کا کچھ حصہ اسپین کے پاس ہے۔ اور کچھ اٹلی کے۔ شمالی ساحل کا صحرا لیبیا کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن صحرائے اعظم کا بڑا حصہ فرانسیسیوں کے پاس ہے۔

جھیلوں میں وکٹوریہ، ٹانگانیکا، نیاسا سب سے بڑی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کافی بڑی بڑی جھیلیں ہیں دریاؤں میں نیل، کانگو، نائجر، زمبزی سب سے بڑے دریا ہیں۔ نیل صحرا کے مشرق میں ہے۔ یہ مصر اور سوڈان میں سے ہو کر گذرتا ہے۔ ان ملکوں کی آبادی کا دارومدار صرف نیل پر ہے۔ دریا میں جگہ جگہ بند بنا دیے گئے ہیں

[1] یہ خاکنائے افریقہ کو ایشیا کی خشکی کے راستے سے جوڑتی ہے۔

اور بہت سے علاقے کو سیراب کیا جاتا ہے۔ ان دریاؤں کے علاوہ بہت سے دریا ہیں اور اچھے خاصے بڑے ہیں غرض سوائے صحرا کے علاقے کے افریقہ میں پانی کی کمی نہیں ہے۔ یہاں پہاڑ کم ہیں۔ پھر بھی شمال میں کوہ اطلس کا سلسلہ ہے اور سب سے اونچی چوٹی کی بلندی دس ہزار فٹ ہے۔ جنوب میں بھی سطح مرتفع یا اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ یہ دس ہزار فٹ تک بلند ہیں۔ مشرقی ساحل پر پھیلے ہوئے آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں سب سے زیادہ بلند ہیں۔ ان میں سے ایک بیس ہزار فٹ اونچی ہے۔

یہاں کی اصل آبادی نیگرو، بشمین اور ہوٹن ٹاٹ ہے۔ شمال میں عرب آباد ہو گئے ہیں، اور جنوب میں زیادہ تر انگریز اور ڈچ۔ یہاں کی اصلی زبانیں چار ہیں، حبشو سیمٹک، ہیمٹک اور سوڈانک۔

افریقہ میں کانیں بھی بہت ہیں۔ ٹرانسوال میں سونے کی کانیں ہیں۔ روڈیشیا میں تانبا پایا جاتا ہے افریقہ میں ریلوے لائن اور سڑکیں بھی بہت کافی بن گئی ہیں لیکن قاہرہ سے کیپ تک براہ راست ابھی تک تعلق قائم نہیں ہو سکا ہے۔ دریاؤں اور جھیلوں سے جہاز رانی کا کام لیا جاتا ہے۔ پورے براعظم میں جگہ جگہ ہوائی جہازوں کا بھی انتظام ہو گیا ہے۔ اس وقت براعظم کا کوئی نہ کوئی حصہ کسی نہ کسی مغربی حکومت کے قبضے میں ہے۔ فرانس کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ الجیریا، ٹیونس، مراکو کا ایک حصہ صحرا کا بہت بڑا علاقہ خصوصاً مشرقی اور وسطی صحرا، نیز مڈغاسکر وغیرہ فرانس کے پاس ہے۔ جنوبی افریقہ کی یونین اس کے آس پاس کا علاقہ، شمالی اور جنوبی روڈیشیا بوٹولینڈ، سوازی لینڈ انگریزوں کے قبضے میں ہیں ان کے علاوہ بہت سے علاقے نائجیریا، نیاسا لینڈ، کینیا، سومالی لینڈ، زنجبار، گمبیا، سیون، ماریشش گولڈ کوسٹ، سوڈان اور بہت سے جزیرے انگریزوں کی حمایت میں ہیں۔ غرض ۴۹۵۰۰۰۰ مربع میل انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ فرانس کے پاس اس سے بھی زیادہ ان دو کے علاوہ اریٹریا، ٹری پولیٹانیا وغیرہ اٹلی کے پاس ہے۔ انگولا اور موزمبیق پرتگال کے پاس ہے۔ مراکو کا ایک حصہ اور اسپنش گینیا، اسپین کے پاس ہے۔ بلجیم کانگو بلجیم کے پاس ہے۔

باقی علاقے میں دو آزاد حکومتیں ہیں ابے سینیا اور مصر۔ ابے سینیا یا حبشہ اٹلی کے چنگل سے پھر آزاد ہو گیا ہے۔ یہ بہت اچھا اور سرسبز علاقہ ہے۔ ملک میں اونچے اونچے پہاڑ پھیلے ہوئے ہیں۔ کئی بڑی بڑی جھیلیں ہیں۔ جھیل تانا سب سے بڑی ہے۔ دریائے نیل یہیں سے نکلتا ہے۔ یہاں کافی، ربر، شکر اور روئی کی پیداوار بہت کافی ہے۔ کیلے، سنترے اور دوسرے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ جنگلوں میں مہاگنی اور آبنوس کے درخت پائے جاتے ہیں۔ ان جنگلوں میں شیر ببر ہاتھی، گینڈا، بندر، ہرن اور زرافہ وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ یہ جانور افریقہ کے قریب قریب سبھی جنگلوں میں عام ہیں۔ دھاتوں کی کانیں بھی بہت ہیں۔ سوائے سونے کی دو ایک کانوں کے اور کسی کو اب تک ہاتھ نہیں لگایا گیا ہے۔

شمالی افریقہ میں یورپ کی تہذیب بہت پہلے سے موجود ہے۔ فونیقی، یونانی اور رومی یہاں صدیوں پہلے آکر آباد ہوگئے تھے۔ باقی علاقہ نامعلوم تھا۔ یہاں تک کہ پرتگالی جہازرانوں نے پندرھویں صدی عیسوی میں افریقہ کے ساحل ساحل جہازرانی شروع کی۔ انگریزوں اور دوسری قوموں نے اُن کی پیروی کی اور کیپ ٹاؤن اور دوسرے ساحلی مقامات پر تجارتی کوٹھیاں قائم ہوگئیں۔ پھر آہستہ آہستہ افریقہ پر تمام یورپی قوموں کا قبضہ ہوگیا۔ پہلے جرمنی کے پاس بھی کچھ علاقہ تھا۔ پچھلی بڑی لڑائی میں یہ علاقہ اس سے چھین لیا گیا۔ جرمنی کے دل میں یہ بات بھی کھٹکتی تھی۔ افریقہ کو لڑائی کا میدان بنانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی اب آخری خبریں یہ ہیں کہ انگریزوں نے جرمن فوج کو پھر پسپا کرنا شروع کردیا ہے اور ہزاروں سپاہیوں کو قید کرلیا ہے ◆

اپنے پیامیوں سے

آج کل فرصت کے وقت تم کیا کرتے ہو؟ کچھ نہیں؟ اچھا تو ہم تمھیں ایک مشغلہ بتائیں! بہت ہی اچھا مشغلہ!! تمھارے گھر میں یا گھر کے آس پاس کوئی بے پڑھا ضرور ہوگا۔ ممکن ہے تمھاری امّی ہی ہوں یا بہن یا کوئی اور۔ زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ بس روز کے روز دو حرف بتائیے۔ دیکھو کیسی اچھی بات بتائی۔ مشغلے کا مشغلہ خدمت کی خدمت۔ تم نے محنت اور استقلال سے کام لیا تو تمھاری بدولت کتنے بے پڑھے پڑھ جائیں گے۔ ہو اس کے لیے تیار؟ تو آج ہی ہمیں خط لکھ دو۔ ہم ہر طرح تمھاری مدد کریں گے۔

بے وفا کا انجام

حسن اصغر کاظمی انبالہ

ایک شکاری تمام دن ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا لیکن کوئی شکار ہاتھ نہ لگا۔ آخر بڑی مشکل سے ایک چھوٹا پرندہ اُس نے پکڑ لیا۔ چھوٹے پرندے نے اپنے آپ کو شکاری کے ہاتھ میں دیکھ کر کہا کہ تم مجھ کو چھوڑ دو۔ میں تم کو اَور پرندے پکڑنے میں مدد دوں گا۔ شکاری نے جواب دیا "شاید میں تم کو چھوڑ دیتا لیکن تم اپنے دوستوں سے بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو۔ اِس لئے میں تم کو نہیں چھوڑ سکتا۔

پس شکاری اس بے وفا پرندے کو اپنے گھر لے گیا۔

جلد بازی

مُشتاق احمد استھانوی

ایک دن بی لومڑی کھیتوں میں سیر کر رہی تھیں۔ سامنے اُنھیں کنواں نظر آیا۔ اس میں جھانک کر دیکھا تو بالکل انھی جیسی ایک اَور لومڑی صاحبہ تشریف رکھتی تھیں۔ یہ بہت حیران ہوئیں۔ پھر مارے خوشی کے ہنسنے لگیں۔ انھیں دیکھ کر بی سہیلی بھی ہنسنے لگیں۔ اب تو انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ کنوئیں میں کود ہی تو پڑیں۔ مگر کنوئیں میں گرتے ہی اُن کی سہیلی تو غائب ہوگئیں اَور یہ کبھی پانی میں نیچے آتی تھیں کبھی اوپر جاتی تھیں۔ اب تو اُنھوں نے پریشان ہوکر چیخنا چلانا شروع کیا۔ اُدھر ایک بھیڑیا گذر رہا تھا اس نے بی لومڑی کی چیخ پکار سُنی تو کنوئیں کے پاس آیا۔ دیکھا تو بی لومڑی غوطے کھا رہی تھیں۔ بھیڑیے کو دیکھ کر چلائیں خدا کے لئے مجھے بچالو۔ بھیڑیا ہمدردی کے جوش میں فوراً کود پڑا۔ بی لومڑی کو تو اپنی جان کی پڑی تھی، فوراً بھیڑیے سے چمٹ گئیں اَور ایسی چمٹیں کہ بھیڑیا تیرنا جاننے پر بھی تیر نہیں سکتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر دونوں اپنی جلد بازی کا شکار ہوئے اَور ڈوب گئے۔

اتفاق

اخلاق احمد مسطری سرائے میر

ایک جنگل میں دو گیدڑ رہتے تھے۔ ان دونوں میں بہت میل ملاپ تھا۔ ایک دفعہ یہ دونوں کہیں جا رہے تھے

اچانک ایک شیر سامنے سے حملہ آیا۔ وہ بہت بھوکا تھا اور انہیں کھانا چاہتا تھا۔ اتنے میں ایک گیدڑ نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔ شیر غصّے میں بھرا ہوا اس کی طرف لپکا کہ دوسرے نے اس کی ٹانگ میں کاٹ لیا۔ دیر تک یہی ہوتا رہا۔ آخر عاجز آکر شیر ایک طرف چل دیا اور اتفاق کی بدولت دونوں کی جان بچ گئی۔

گونگا فقیر

سید محسن میاں قادری۔ ریاست رام پور

کسی زمانے میں دہلی میں ایک بوڑھا فقیر رہا کرتا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کو بھیک کم ملتی تھی۔ ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے زیادہ بھیک ملے فوراً ہی اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی اس نے ایک تختی پر موٹے موٹے حروف میں "گونگا" لکھا۔ تختی اپنے گلے میں لٹکائی اور چوراہے پر بیٹھ گیا۔ ایک دوسرا فقیر اس کا جانی دشمن تھا اس نے دیکھا تو وہ بھی اسی چوراہے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اتفاقاً ایک شریف آدمی کا اُدھر سے گذر ہوا کہنے لگا کہ حضور۔ یہ فقیر گونگا نہیں ہے۔ اس پر وہ فقیر جو گونگا بن گیا تھا۔ کہنے لگا کہ "حضور یہ جھوٹ بولتا ہے میں تو واقعی گونگا ہوں۔ شریف آدمی ہنسا اور کہنے لگا کہ گونگے آدمی کہیں بولا بھی کرتے ہیں۔ یہ کہا اور بھیک دئے بغیر اپنا راستہ لیا۔

نیک وزیر کی کہانی

ایک بادشاہ کا وزیر نہایت نیک اور بادشاہ کا خیرخواہ تھا۔ بادشاہ بھی اس سے بہت خوش تھا۔ دربار کے اور امیر وزیر اس سے حسد کرتے تھے، اور اس کی معمولی سے معمولی شکایت بادشاہ سے کرتے تھے۔ ایک دفعہ درباریوں نے بادشاہ سے کہا کہ وزیر جب کسی کو روپیہ وغیرہ اُدھار خزانے سے دیتا ہے تو کہتا ہے "جب بادشاہ سلامت رحلت فرما جائیں تو ادا کر دینا۔" درباریوں نے کہا اس کا مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد وہ خود روپیہ لے گا۔ یہ بات سن کر بادشاہ کو بہت غصّہ آیا اور اسی وقت وزیر کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ یہ درباری کیا کہتے ہیں۔ وزیر نے جواب دیا "درباری سچ کہتے ہیں، اور میں بھی ٹھیک کہتا ہوں تو بادشاہ کو اور غصّہ آیا اور پوچھا تم کیوں ٹھیک کہتے ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔

وزیر نے جواب دیا "بادشاہ سلامت میں غریبوں سے کہتا ہوں کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد دینا۔ وہ غریب روپیہ ادا کرنے کے ناقابل ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ آپ کی عمر بڑی ہونے کی دُعا صبح شام مانگتے ہیں کہ نہ بادشاہ مرے نہ ہم روپیہ ادا کریں۔ آپ نے اور درباریوں نے اس بات پر غور نہ کیا۔" بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور وزیر کا عہدہ بڑھا دیا اور اس کے دشمنوں کو سزا ملی۔

بچّوں کا مشاعرہ

عبد الوحید خاں ۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر۔ اعظم گڑھ

ارے بھئی اکرام تمہیں سیر و تفریح کی سوجھی ہے اور مشاعرہ شروع ہوگیا۔ وہ دیکھو مشاعرے کے سکریٹری صاحب تقریر کر رہے ہیں" جناب عبد القوی صاحب انصاری (چیرمین تعلیمی بورڈ اعظم گڑھ) نے ہماری اس مجلس مشاعرہ کی صدارت قبول فرماکر ہماری جو حوصلہ افزائی کی ہے اس پر میں اپنی طرف سے اور تمام حاضرین کی طرف سے جناب موصوف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اس کے بعد میں جناب صدر سے گذارش کروں گا کہ وہ جلسے کی کارروائی شروع فرمائیں اور آپ لوگوں سے یہ عرض کروں گا کہ پورے اطمینان و سکون کے ساتھ جلسے کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں" صدر صاحب اٹھے "آپ لوگوں نے اس اہم مجلس کا صدر منتخب فرماکر جو میری عزت افزائی کی ہے اس پر میں آپ کا ممنون ہوتا ہوں اور اس کے بعد اس اچھے مشاعرے کے انعقاد پر......

وہ بھی اس اہتمام و انتظام کے ساتھ...... آپ لوگوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مشاعرے یوں تو روز ہی ہوا کرتے ہیں لیکن یہ بچوں کا مشاعرہ منعقد کرکے آپ نے قوم کے بچوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ مشاعرے اور جلسے اگر ٹھیک طریقے سے کئے جائیں تو ذہنی و دماغی تربیت کے اچھے ذریعے ہوا کرتے ہیں اور شعر و سخن کا مذاق صحیح بھی یہاں سے پیدا کیا جاسکتا ہے

میں کچھ زیادہ کہہ کر آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا لیکن ایک دو اہم باتوں کی طرف آپ لوگوں کی توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں بڑوں سے مجھے یہ کہنا ہے کہ وہ تہذیب و اخلاق کا نہایت عمدہ نمونہ یہاں پیش کریں تاکہ قوم کے بچے اس مشاعرے سے کسی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب، شعر کہنے اور سننے کے طریقے اور شاعر کے کلام پر داد و تحسین کرنے کے ڈھنگ سیکھیں اور بچوں سے یہ کہوں گا کہ وہ اس مشاعرے کو کوئی تماشا گاہ یا سیر و تفریح کی جگہ نہ سمجھیں۔ بلکہ اپنے لئے ایک عملی نمونہ جانیں۔ اچھا اب مشاعرہ شروع کیا جاتا ہے اور جیسا کہ اس سے پہلے بھی اعلان کیا جاچکا ہے جن بچوں کی نظمیں بہتر ہوں گی ان پر انعام دئے جائیں گے اور پھر انہیں "پیام تعلیم" میں چھپنے کے لئے بھیج دیا جائے گا"

"ارشاد میاں اپنی نظم سنائیں" صدر صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

ارشاد احمد نام ہے میرا　　خلق کی خدمت کام ہے میرا
پڑھنا، لکھنا، پیار محبت　　شغل یہ صبح و شام ہے میرا

"بہت خوب کیا اچھے کام ہیں"

دین کا اور دنیا کا سہارا　　جو کچھ ہے اسلام ہے میرا
سب تعلیم اسلام کا دیں　　دہر کو یہ پیغام ہے میرا

"[illegible] نہایت قابلِ عمل پیغام ہے"

آخری شعر [illegible]

تم [illegible] بس اتنا انعام ہے میرا

"خوب [illegible] اچھا تجزیہ کیا"

"[illegible] کے بعد اعجاز احمد آئیں" صدر صاحب نے کہا۔

اے بزرگانِ وطن اعجاز احمد خاں ہوں میں
ایک دن دانا بنوں گا گو ابھی ناداں ہوں میں

"مزید فرمائیے"

ہوں بڑا ارشاد سے اکرام سے چھوٹا ہوں میں
مہرباں اس پر ہوں ان کا تابعِ فرماں ہوں میں

"شعر عرض ہے"

یہ شرف کیا کم ہے میں اسلام کا فرزند ہوں
ہر بزرگی ہر سعادت کے لئے شایاں ہوں میں

"شاباش بہت اچھے" "اور ان کے باپ کا نام بھی تو اسلام ہے نا" اسلم نے دھیرے سے کہا "جبھی تو یہ شعر اتنا اچھا ہے ورنہ اس میں تھا کیا؟" رضی نے بڑے عالمانہ لہجے میں جواب دیا۔

صدر صاحب اتنے میں بولے "اکرام احمد اپنا کلام سنائیں"

میں بہارِ گلشنِ اسلام ہوں   درحقیقت قابلِ اکرام ہوں

"یہ بھی تو اسلام ہی صاحب کے لڑکے ہیں!" "جی ہاں"

کیوں نہ ہوں شکرِ خدا میں تر زباں   چشمۂ رحمت سے شیریں کام ہوں

"سبحان اللہ! شعر گو دو ہی ہیں لیکن بہت اچھے ہیں"

"اسلم صاحب پھر آپ تشریف لائیں" صدر صاحب نے کہا

"مجھ سے پہلے اکرام صاحب آئے تھے۔ انھوں نے بس دو شعر پر اکتفا کیا۔ میں اس پر کچھ اضافہ کرنا نہیں چاہتا اور اُن کی پیروی میں دو شعر ہی سنائے دیتا ہوں"

تیغ بازی راہِ ملت میں ہے میرا خاص فن
میں مجاہد ہوں مجھے بھاتا نہیں شعر و سخن

"آپ کے جسم کی فربہی کا تقاضا بھی تو یہی ہے"

نام اسلم ہے میرا، اسلام کا ہوں جاں نثار
سید سالار غازی کا ہوں میں ہم وطن

"شاید تمہارے ہی متعلق کسی نے کہا تھا
واہ وا شاباش لڑکے واہ وا   تو جواں مردوں سے بازی لے گیا"

"اب جناب رضی آئیں" صدر صاحب نے کہا۔

"مجھ سے پہلے دو صاحبوں نے بس دو دو شعروں پر اکتفا کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی اس کمی کی خانہ پری کروں اور ذرا لمبی نظم پیش کروں"

میں ہوں رضی احمد انصاری   نصرتِ حق ہے مجھ کو پیاری
دینِ مبیں کی دعوت دے کر   خلق کی کرتا ہوں غم خواری

"خوب اچھے چل رہے ہو" صدر صاحب نے داد دیتے ہوئے کہا۔

غیر کے آگے سر نہیں جھکتا   میری فطرت ہے خود داری

"شاباش! ایسوں ہی کے متعلق کسی نے کہا ہے
ہے طفل مگر دل ہے جوانوں سے بھی اعلیٰ"

چھوٹوں پر کرتا ہوں شفقت   اور بڑوں کی تابعداری

"بچوں کو ایسا ہی تو ہونا چاہیے"

ہے یہ دعا اللہ سے مجھ پر   سایہ فگن ہو رحمتِ باری
مجھ کو عطا ہو اس کے کرم سے   دولتِ دنیا اور دینداری

اب ریاض احمد بنارسی اپنا کلام سنائیں:

"افسوس کہ مشاعرے کا علم مجھے بہت بعد کو ہوا اس لئے کوئی نظم تیار نہ کر سکا ابھی ایک شعر موزوں ہو گیا ہے سن لیجے:"

ریاض احمد کا پھول ہوں میں اگرچہ کاشی وطن ہی میرا
خدا ہی خود باغباں جس کا وہ روح پرور چمن ہے میرا

"بہت خوب، بہت خوب!" "یہ ایک شعر تو پورے دفتر پر بھاری ہے۔ ذرا پھر پڑھئے گا"

ریاض احمد کا پھول ہوں میں اگرچہ کاشی وطن ہی میرا
خدا ہے خود باغباں جس کا وہ روح پرور چمن ہے میرا

"صدر صاحب کھڑے ہوئے" اب جناب آفتاب احمد اپنے اشعار سے حاضرین کو محظوظ کریں۔"

ہے لقب مجھ کو مرا اور آفتاب احمد ہے نام
ہے مری روشن طبیعت اور روشن ہے کلام
"بھلا جب آفتاب" ہیں تو کیوں نہ تمام چیز روشن ہو۔
اپنے چھوٹوں پر میں رکھتا ہوں محبت کی نظر
اور کرتا ہوں بزرگوں کا ہمیشہ احترام
کاہلی سے جھوٹ سے، لالچ سے نفرت ہے مجھے
جستجوئے علم سے ہر وقت میں رکھتا ہوں کام
"بے شک ایک لڑکے کی عادتیں ایسی ہی ہونی چاہئیں"
ہے دعا اللہ سے چمکوں میں بن کر آفتاب
تاکہ میری ذات سے اسلاف کا روشن ہو نام
"بہت اچھے" واہ میاں آفتاب! تم نے تو اپنے روشن کلام سے ساری محفل روشن کر دی۔

پہلا انعام فی کس ۳ روپے

(۱) سید منصور حسن - دہلی
(۲) م، ظ گنگا پور (اورنگ آباد)

دوسرا انعام فی کس ۵ روپے

(۱) محمد طاہر صدیقی، بنارس
(۲) تسنیم فاطمہ - دہلی
(۳) اشفاق احمد - دہلی
(۴) سید نصیر حسین - گونڈہ
(۵) محمد وسیم خاں - کانپور
(۶) بشیر محمد خاں - بدینرہ
(۷) محمد خلیق احمد - مین پوری
(۸) محمد داؤد خاں - جل گاؤں[۵۱]
(۹) غلام احمد " "[۵۲]
(۱۰) محمد علی - چھترہ[۵۳]
(۱۱) شفیق مصطفیٰ - ٹاٹا نگر
(۱۲) سید مظفر علی - جل گاؤں
(۱۳) لاہور

صحیح حل معما نمبر ۳

۷ ر	۹ ا	۵ ز	۴ ہ	■	۳ ت	۲ ا	۱ ص
م	ر	ک	۸ ا	■	ن	س	ح
■	■	■	ن	ے	ا	م	۱۰ ب
ژ	۱۴ چ	۱۳ ا	۱۲ چ	■	■	ا	۱۱ ت
■	ن	۱۸ م	■	۱۷ م	۱۶ ا	۱۵ ن	■
۲۳ ھ	۲۲ ج	■	۲۱ ھ	ا	۲۰ ل	■	۱۹ د
ا	■	۲۶ ل	ن	ل	ا	۲۵ ے	۲۴ ت
ل	ا	ر	۲۸ گ	■	م	ا	۲۷ ن

——— ۵۱، ۵۲، ۵۳ کا پتہ صاف نہیں ہے دوبارا لکھ کر دفتر سے انعام منگا لیں۔

عزیز بچّو اُفسر بچّو خوش رہو اور تندرست۔

کہو بھئی آج کل موسم تو بہت خوش گوار ہے اور تو اور ہماری دلّی میں بھی اب کے برسات کا سا سماں ہے۔ بہت دنوں سے برسات بھر میں بس دو چار بارشیں ہو جاتی تھیں اللہ اللہ خیر صلّا۔ مگر اب کے تو کوئی مہینے سوا مہینے سے سلسلہ شروع ہے۔ اِدھر ایک ہفتے سے تو ساون بھادوں کی سی جھڑی لگی ہے۔ اس سال آموں کی بھی خوب بہار رہی۔ ہمارے بھائی بھی اس موسم کا خوب لطف اٹھاتے اور خوب آم کھاتے ہوں گے۔

پچھلے مہینے افریقہ اور روس میں لڑائی کا زور بہت زیادہ رہا۔ افریقہ میں انگریزوں کی حالت بہت مضبوط تھی پھر بھی جرمنی کی فوج نے انگریزی فوجوں پر ایسا دباؤ ڈالا کہ انھیں بہت دور تک پیچھے ہٹنا پڑا اور اسکندریہ جرمن فوجوں سے صرف ۷۰ میل رہ گیا۔ اِدھر لندن میں افریقہ کی ان خبروں سے بہت بے چینی پھیلی یہاں تک کہ پارلیمنٹ کے بعض ممبروں نے چرچل کی وزارت کے خلاف بے اعتمادی کی تجویز پیش کر دی۔ مسٹر چرچل ان دنوں چند اہم باتوں پر مسٹر روزویلٹ سے مشورہ کرنے امریکہ گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپسی پر بے اعتمادی کی تجویز پیش ہوئی۔ مگر تجویز کے حق میں کل ۲۵ ووٹ آئے باقی ۴۰۰ سے زیادہ ووٹ مسٹر چرچل کے حق میں تھے اس لئے تجویز گر گئی۔ اگر یہ تجویز پاس ہو جاتی تو مسٹر چرچل کو استعفیٰ دینا پڑتا۔ اس موقع پر پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے یہ بہت دلچسپ بات کہی کہ مسٹر چرچل بحث پہ بحث جیتتے جاتے ہیں اور لڑائی پہ لڑائی ہارتے جاتے ہیں۔

اب افریقہ میں انگریزی فوجوں کی حالت پھر سنبھل گئی ہے۔ تازہ خبریں (۲۵ر جولائی) یہ ہیں کہ انگریزی فوجوں نے ایک پہاڑی تل علیسی دشمن سے چھین لی ہے اور ایک اور پہاڑی جبل تلاک بھی انگریزوں کے قبضے میں آگئی ہے۔ یہ پہاڑیاں اس لڑائی کے لئے بہت اہم ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جرمن سپہ سالار رومیل نئے حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ یہ تیاریاں انگریز بھی کر رہے ہیں اور مقابلہ بہت سخت ہوگا۔ انگریزی فوجوں کی کمان جنرل آکنلک کے ہاتھ میں ہے۔

روس میں بھی لڑائی بہت سخت ہو رہی ہے اور حالت قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ روسی بہت مردانگی سے لڑ رہے ہیں مگر جرمنی کے حملے اتنے سخت ہیں کہ انھیں مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ جرمنی کے یہ حملے دن بدن سخت ہوتے جاتے ہیں۔

کاکیشیا پر جلد سے جلد قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ۲۸ جولائی کو ماسکو ریڈیو نے روس کے لوگوں سے اپیل بھی کی ہے کہ وطن خطرے میں ہے دشمن روس کو فتح کرنے کے لئے اپنی پوری فوج لے آیا ہے۔ روسیوں نے ان تیرہ مہینوں کی لڑائی میں بہت شاندار کارنامے دکھائے ہیں جن کی اُن سے اُمید بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اب ایک ہی چیز ملک کو بچا سکتی ہے، دشمن کے قدم آگے نہ بڑھنے دو، اور اُسے تباہ کر دو۔

پورب میں چین اور جاپان کا مقابلہ ہے۔ چین کو ہندوستان کی طرف سے مدد نہیں مل رہی ہے۔ امریکہ سے سامان اگر آ رہا ہے تو ہوائی جہازوں کے ذریعے۔ ظاہر ہے کہ ہوائی جہازوں کے ذریعے اتنا سامان تو نہیں آ سکتا جو ضرورت کو پورا کر سکے۔ باوجود اس کے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ چینی نہایت بہادری اور جوش سے جاپانیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور شہر کے شہر جاپانیوں سے چھین لیتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر لڑائی کا پورا سامان موجود ہو تو چینی اپنے دشمن سے کبھی نہیں ہار سکتے۔ مگر نہتی فوج آخر کہاں تک مقابلہ کر سکتی ہے۔ آسٹریلیا اور نیوگنی کی طرف بھی جاپان کی سرگرمیاں جاری ہیں لیکن ہندوستان کی سرحد پر خاموشی ہے یا تو برسات کی وجہ سے یا اس لئے کہ جاپان جیتے ہوئے علاقوں کا انتظام کرنے میں مصروف ہے، کچھ بھی ہو انگریزوں کو تیاری کرنے کا بہت موقع مل گیا ہے۔

ہندوستان میں اب تک امن و سکون تھا۔ کانگرس کی جماعت اب تک گومگو کی حالت میں تھی وہ روس اور چین کی مدد کرنا چاہتی تھی مگر حکومت کے رویے سے مطمئن نہ تھی۔ کرپس مشن کی ناکامی کے بعد یہ بے اطمینانی اور بھی بڑھ گئی تھی آخرکار کانگرسی حضرات مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔ اور کانگرس ورکنگ کمیٹی نے ایک تجویز پاس کر دی جس کا منشا یہ ہے کہ انگریز ہندوستان سے بالکل چلے جائیں اور ہندوستان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ ہندوستان اور انگلستان کے انگریزی اور سرکاری اخباروں نے اس تجویز کی مخالفت کی ہے۔ یہ تجویز ۷ اگست کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسے میں پیش ہوگی جو بمبئی میں ہوگا۔ یہ تجویز پاس ہو گئی تو کوئی تعجب نہیں جو ستیہ گرہ بھی شروع ہو جائے۔ موجودہ حالت اور موجودہ زمانے میں یہ موقع حکومت کے لئے بہت آزمائش کا ہوگا۔ کوئی تعجب نہیں جو اس عرصے میں کانگرس اور حکومت میں سمجھوتے کی کوششیں کی جائیں۔ آج کل ضرورت کی چیزوں کے دام دن پر دن بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے لوگ عام طور پر پریشان ہیں۔ یہ مہنگائی پچھلے دو تین مہینوں سے خاص طور سے زیادہ ہو گئی ہے۔

رسالے کو جلد سے جلد شائع کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اگر پیامیوں کو یہ نمبر وقت پر مل جائے تو زیادہ سے زیادہ ۲۰ ستمبر تک اپنے اپنے حل بھیجیں۔

(محمد حسین حسان)

معمّا نمبر ۱۳

(انعام میں کتابیں بھیجی جائیں گی)

پہلا انعام .... ے ر

دوسرا انعام .... للعہ ر

مشقی کوپن

ب	ض	غ	ث	■	ت	غ	ل
و	ب	ا	ق	■	ل	ھ	■
م	ر	ش	■	ہ	ب	ر	غ
■	■	ق	ر	ی	■	ت	ا
ل	ہ	■	ہ	ش	■	■	ن
ر	■	و	ن	■	ق	ک	و
ز	گ	■	■	ا	د	ا	گ
ش	■	ی	ر	ا	غ	■	ی

دائیں سے بائیں

۱۔ صرف اس کا استعمال ہی معاملہ کرنے میں کافی نہیں۔

۲۔ اکثر لوگ اپنے کسی عزیز یا دوست کی غیر معمولی ترقی دیکھ کر یہ کرنے لگتے ہیں۔

۸۔ لفظ بمعنی پہلوان

۱۰۔ گاندھی جی کا .... بہت مشہور ہے۔

۱۲۔ کہتے ہیں کہ مغربی تعلیم یافتہ لڑکیوں میں یہ نہیں ہوتی۔

۱۳۔ لفظ بمعنی نمک (الٹا)

۱۴۔ چاندی اور سونے دونوں کے ہوتے ہیں۔

۱۶۔ شاہ کا مخفف۔

۱۸۔ کانگریس کے نئے رزولیوشن کی وجہ سے ہندوستان میں کیا دنیا میں .. چل پڑی ہے

۱۹۔ جعفر از بنگال وصادق از دکن ننگ آدم ننگ ... ننگ وطن (اقبال)

۲۱۔ سب سے بڑا بندر۔

۲۲۔ نادان دوست سے دانا دشمن بھلا۔

۲۳۔ مسلمان مرنے کے بعد بھی دو .. زمین پر قبضہ کر ہی لیتا ہے۔

۲۴۔ ... ہو جانے کے بعد انسان سب تو بھیگ کر کڑھتا ہے۔

اوپر سے نیچے

۲۔ مرد کے لئے .... کی موت بے غیرتی کی زندگی سے اچھی ہے

۳۔ اس لڑائی میں انگریزوں کو ہر جگہ ایسے تجربے ہوئے ہیں

۵۔ پروانہ چراغ پر یہ ہوتا ہے۔

۶۔ بعض اوقات اس سے بھی بڑے بڑے کام نکل آتے ہیں۔

۷۔ بے دُم کے بودم یعنی اُلو

۹۔ جرمنی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنا بظاہر انگریزوں کے .... سے باہر ہے۔

۱۰۔ چار دن کی ...... پھر اندھیری رات

۱۱۔ ہوائی حملے کے وقت ... دماغ کا درست رہنا زیادہ ضروری ہے۔

۱۵۔ یہ افواہ عام طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کو امریکہ کے ہاتھ ... رکھ دیا ہے۔

۱۸۔ دیکھئے آزادی کی جنگ میں کس کس کے بلائے ہقامت کو یہ موقع ہی

۲۰۔ ایک مشہور رنگ۔ (الٹا)

قواعد

۱۔ حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ [illegible]
۲۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳؍ آٹھ حلوں کی ۶؍ ہے۔
۳۔ دونوں انعام تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔
۴۔ تمام حل ۵؍ ستمبر تک دفتر پیام تعلیم دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔
۵۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
۶۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔
۷۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا
۸۔ ایک لفافے میں ایک نام سے حل آنے چاہئیں۔
۹۔ پتہ: سب ایڈیٹر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ، دہلی، قرول باغ۔

صحیح حل معمہ نمبر ۲۹

م	د			ج	ی	ح	ص
		ہ		ظ		ے	
ز	ا	و	ا		ب	ر	ض
ا		ا	ن	ر	ے	ث	
ر	غ		ش	و	ن		ی
	ا		ر	ذ		ش	ر
م	ل	ع			ت	س	پ
ے	ہ	م	ہ	س		ر	ی

صحیح حل فی کس ۳؍ ۱۲

۱۔ سعیدہ۔ دہلی
۲۔ علی ابن مہدی۔ امروہہ
۳۔ محمد ابن مہدی ″
۴۔ رحیم الدین۔ دہلی
۵۔ سید محمد رضوی۔ بریلی

ایک غلطی فی کس ۲؍

۱۔ محمد اسلم لاہور
۲۔ بشیر محمد خاں۔ امراوتی
۳۔ محمد خلیق الزماں خاں۔ اندور
۴۔ انور پاشا۔ حیدرآباد
۵۔ سید نسیم رضا۔ نئی دہلی
۶۔ خورشید اسحاق مرزا۔ مکھنور
۷۔ زہرہ خاتون۔ بارہ بنکی
۸۔ سید اختر حسن۔ گونڈہ
۹۔ محمد اسمٰعیل خان۔ نئی دہلی
۱۰۔ سید مہاجر حسن۔ دہلی
۱۱۔ سیدہ بتول حسنی۔ ٹونک
۱۲۔ فیض محمد کابلی۔ پشاور
۱۳۔ افتخار اللہ۔ نئی دہلی
۱۴۔ محمد مائل احمد۔ حیدرآباد
۱۵۔ محمود حسین زبیری۔ دہلی
۱۶۔ محمد مصطفےٰ زبیری۔
۱۷۔ خورشید مصطفےٰ زبیری۔ دہلی
۱۸۔ عبدالرحمٰن قدوائی۔ بارہ بنکی
۱۹۔ عبدالستار۔ جامعہ نگر
۲۰۔ سید مجتبیٰ احمد رضوی۔ الہ آباد
۲۱۔ محمد عثمان صدیقی۔ دہلی
۲۲۔ پریم پرکاش۔ جیتوں
۲۳۔ محمد ولایت حسین۔ الہ آباد

یہ لڑکے آیندہ معمے میں چار کوپنیں مفت بھیج سکتے ہیں۔ اپنا نمبر لکھنا ضروری ہے۔

نوٹ: چھوٹی اور بڑی "ے" کا فرق لازمی ہے۔ (ی۔ ے)

پیام تعلیم

دہلی، یوپی، سی پی، رامپور، قلات، بنگال، برار، میسور، حیدرآباد، کشمیر، سندھ اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ/ فی پرچہ ۳/

جلد ۲۶
نمبر ۹
ستمبر ۱۹۴۲ء

فہرست مضامین :-

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

پچھلے دو تین مہینوں میں ہماری جامعہ کی برادری میں دو موتیں بہت افسوسناک ہوئیں۔ اختر فاروقی صاحب کو تو تم جانتے ہو تمھارے پیامِ تعلیم کے لیے اکثر تصویریں بناتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ تمھارے پرچے کا ٹائٹل بھی انھی نے بنایا ہے۔ جامعہ کی پچھلی چھٹیوں میں اُن کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا وہ بہت پڑھی لکھی اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ پیامِ تعلیم سے انھیں خاص دلچسپی تھی۔ ہمیں اس صدمے میں اختر فاروقی صاحب سے خاص ہمدردی ہے۔ خدا مرحومہ کو جنت میں جگہ دے اور اختر صاحب اور دوسرے رشتہ داروں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا محمد یوسف السورتی صاحب (رح) ہندوستان بلکہ تمام اسلامی دنیا کے بہت بڑے عالم تھے۔ جامعہ سے ایک عرصے تک استاد کی حیثیت سے آپ کا تعلق رہا۔ اب باوجود علیحدگی کے بھی مولانا کو جامعہ سے خاص لگاؤ تھا اور اکثر جامعہ میں تشریف لاتے رہتے تھے۔ جامعہ والوں کو مولانا کے انتقال کی خبر سُن کر بہت صدمہ ہوا۔ مولانا علم و عمل میں پُرانے بزرگوں کی یادگار تھے۔ افسوس ہے کہ یہ یادگاریں اب ایک ایک کرکے مٹتی جا رہی ہیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ موجودہ گڑبڑ کی وجہ سے پچھلا پیامِ تعلیم خاص طور پر دیر میں چھپا۔ پہلے تو کاغذ ہی نہیں ملتا تھا، پھر ہڑتال شروع ہو گئی۔ کاغذیوں کی دکانیں بھی بند ہو گئیں اور سب سے آخر میں کھلیں۔

اس دیر کا اثر معمّے پر سب سے زیادہ پڑا اس پرچے میں اسی لیے معمّا نہیں چھپ رہا ہے کہ پچھلے پرچے کا معمّا تمھیں اس پرچے کے ساتھ ہی ملے گا یہ معمّا تم ۲۵ ستمبر تک حل کرکے بھیج دو۔

ساون کی بہاریں

محمد شفیع الدین نیر

ساون کی بہاریں آئی ہیں

ساون کی بہاریں آئی ہیں

بادل نے رنگ جمایا ہے | کیا گھرا گھر کر آیا ہے
بجلی نے روپ دکھایا ہے | بارش نے پلٹی کایا ہے

گھنگھور گھٹائیں چھائی ہیں

ساون کی بہاریں آئی ہیں

سبزے کی شان نرالی ہے | ڈالی ڈالی متوالی ہے
ہر سمت افق کا عالی ہے | کیا خوب شفق کی لالی ہے

دلکش نظارے لائی ہیں
ساون کی بہاریں آئی ہیں

اس رت کا رنگ نرالا ہے | خوش بوڑھا ہے خوش بالا ہے
سکھیوں نے جھولا ڈالا ہے | میٹھا سا راگ نکالا ہے

کچھ اچھی غزلیں گائی ہیں
ساون کی بہاریں آئی ہیں

ہر سو پانی ہی پانی ہے | ندی نالوں کی روانی ہے
کوئل کی کوک سہانی ہے | موروں نے رقص کی ٹھانی ہے

یہ گھڑیاں عیش کی پائی ہیں
ساون کی بہاریں آئی ہیں

ساون کی ہوائیں پیاری ہیں | ساون کی گھٹائیں پیاری ہیں
ساون کی ادائیں پیاری ہیں | ساون کی فضائیں پیاری ہیں

نیر کے دل کو بھائی ہیں
ساون کی بہاریں آئی ہیں

محمد عبدالواحد سندھی۔ اُستاد مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر

دو مرغیاں تھیں - ایک تھی کالی۔ دوسری تھی لال۔ دونوں بہنیں بہنیں تھیں۔ دونوں کا کوئی گھر نہ تھا۔ دونوں گھر کی تلاش میں نکلیں۔

چلتے چلتے وہ ایک گاؤں میں پہنچیں گاؤں کے ایک کنارے گایوں کا ایک باڑا تھا۔ وہ مُرغیاں اس باڑے کے پاس پہنچیں بوڑھی گائے باڑے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ دونوں مُرغیاں بولیں "کٹ کٹاک" آداب آداب "۔ گائے بولی" ماں، ماں" آداب جیتی رہو بیٹی"۔ گائے نے پوچھا "بیٹی تم دونوں کہاں جا رہی ہو؟" دونوں مُرغیاں بولیں۔ "دادی گائے! ہم گھر کی تلاش میں نکلے ہیں۔ کیا آپ اپنے گھر میں ہمیں رہنے دیں گی؟" "میرے گھر میں جگہ کہاں؟ میرے بچے بھی بڑی تکلیف سے رہتے ہیں۔"

اب دونوں مُرغیاں بکریوں کے باڑے میں پہنچیں۔ بوڑھی بکری دروازے میں سے مُنہ نکالے کھڑی تھی - مُرغیاں بکری کو دیکھ کر بولیں "کٹ کٹاک" چچی بکری آداب" بکری بولی " آداب بیٹیو خوش رہو۔ خیر تو ہے۔ آج اتنے سویرے کہاں چلیں؟" دونوں مُرغیاں بولیں "چچی بکری کیا اچھا ہوتا کہ آپ ہمیں اپنے ساتھ رہنے دیتیں!" بکری بولی" ہمارے باڑے میں اتنی جگہ کہاں؟

میرے ہی بچے بڑی تکلیف سے رہتے ہیں۔"

اب دونوں مرغیاں آگے چلیں۔ چلتے چلتے گھوڑوں کے اصطبل کے پاس آئیں۔ بوڑھا گھوڑا اصطبل کی کھڑکی سے مُنہ نکالے کھڑا تھا۔ دونوں مرغیاں بولیں "کٹ کٹاک" "سلام نانا جان سلام"۔ گھوڑے نے پیار سے سلام کا جواب دیا اور پوچھا "بیٹیو! تم دونوں اتنی تیزی سے کہاں جارہی ہو؟" دونوں مرغیوں نے جواب دیا "نانا جان گھر کی تلاش میں نکلے ہیں۔ کیا آپ اپنے اصطبل میں رہنے دیں گے؟"

گھوڑا بولا "میرے اصطبل میں اتنی جگہ کہاں؟ میرے بچے ہی مشکل سے رہتے ہیں۔ تم لوگوں کو کیسے رہنے کی جگہ دوں؟"

اب دونوں مُرغیاں آگے چلیں چلتے چلتے خرگوش کے گھر کے سامنے پہنچیں۔ بوڑھے خرگوش کو دیکھ کر مرغیاں بولیں "کٹ کٹاک" بھیا خرگوش سلام!" خرگوش نے جواب دیا "سلام بہنو! سلام!! آج اتنے سویرے کہاں جارہی ہو؟"

مُرغیاں بولیں "بھیا! کیا بتائیں صبح سے گھر کی تلاش میں نکلے ہیں مگر کہیں گھر ہی نہیں ملتا، کیا کریں؟" خرگوش نے کہا "تم دونوں میرے پڑوس میں بس جاؤ۔ میں گھر بنانے میں تمھاری مدد کر دوں گا۔"

خرگوش اور دونوں مرغیوں نے مل کر ایک خوب صورت سا گھر بنایا۔ مُرغیاں اس گھر میں خوش خوش رہنے لگیں۔

از جناب محمد عبد الغفور صاحب ایم، اے

پہلے تو کوکو زیادہ تر جنوبی امریکہ اور (West Indies) سے آتا تھا مگر اب گولڈ کوسٹ اور جنوبی افریقہ سے زیادہ رہا ہے۔ اس کی برآمد میں جو ترقی گولڈ کوسٹ نے کی ہے وہ تو خواب کی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ۱۸۹۱ء میں جب گولڈ کوسٹ نے پہلی مرتبہ کوکو کا تحفہ ولایت بھیجا تو وہ محض ۸۰ پونڈ کوکو کی ایک پوٹلیا تھی۔ اور اب تو یہ نو آبادی سالانہ دو لاکھ نوے ہزار ٹن کوکو پیدا کر رہی ہے (بیوی کی طرف مُنہ کرکے، نورا کی اماں۔ کل تو ہمیں کہیں نہ کہیں سے قہوہ لانا ہی پڑے گا۔ اب تو بے پیئے اتنے دن ہوگئے کہ اس کا مزہ بھی یاد سے اُترنے لگا۔ ہمارا کافی ہاؤس، تو مدتوں سے بند پڑا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ نام کو قہوے کی پیالی تک نہیں ملتی اور اِدھر برازیل ہے کہ جہاں یار لوگوں نے ہزاروں ٹن قہوہ بھٹیوں میں جلا کر راکھ کردیا۔" ہیں! ابا جان۔ یہ کیا کہا۔ راکھ کردیا۔ یہ بھی کوئی ایندھن تھا کہ لیا اور آگ میں جھونک دیا۔" ہاں ہاں بٹیا۔ لوگوں نے یہی کیا۔ بات یہ تھی کہ برازیل میں قہوہ ایک سال بہت ہوا اور بھاؤ مندا ہوگیا۔ اس پر بھاؤ تیز کرنے کے لئے ایک بھاری مقدار قہوے کی جلا دی گئی۔" نورا کی امی بولیں "چھی چھی۔ بھلا غریبوں، محتاجوں کو کیوں نہ بانٹ دیا" غریبوں کو بانٹ دیتے۔ تو بھاؤ کیسے تیز ہوتا۔" ہاں امی مجھے خوب یاد آیا۔ ہمارے ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ دُنیا میں سب سے زیادہ قہوہ برازیل میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ عرب میں (Mocha) کا قہوہ دُنیا بھر میں بہترین مانا گیا ہے۔ قہوے کے لئے بڑی گرم آب و ہوا اور نمی کی ضرورت ہے لیکن پودوں کا تند ہواؤں اور سورج کی کرنوں سے بچانا بھی ضروری ہے (Mocha) میں یہ سب خوبیاں موجود ہیں۔ منطقہ حارہ کی تیز تیز دھوپ، سمندر قریب، دھند اور کہر۔ لیکن ابا جان۔ ایک بات انھوں نے عجیب سنائی۔ کہ جیسے سب انسان حضرت آدم سے پیدا ہوئے۔ برازیل اور غرب الہند میں قہوے کے درخت ایک ہی درخت کی پود ہیں۔ قصہ یہ ہوا کہ فرانسیسی حکومت نے کچھ درخت جاوا سے لاکر جزائر غرب الہند میں لگائے۔ لیکن ابھی ان پردیسیوں نے نئی دھرتی ماتا میں اپنی جڑیں بھی مضبوط نہ کی تھیں کہ پانی کا کال پڑگیا اور درخت ایک ایک کرکے سوکھنے لگے۔ بس ایک بچ رہا

اڈر بجا بھی کیئے۔ اسے وہ فرانسیسی افسر جو کہ اُن کی دیکھ بھال پر مقرر تھا اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے حصے کا پینے کا پانی دیتا رہا۔ اس کی قربانی سے یہ پودا زندہ رہا۔ برازیل کے سب پودے اسی سے پھیلے۔ آج برازیل ۱۴ لاکھ ٹن قہوہ سالانہ پیدا کرتا ہے۔ اور ویسے تو یہ ہندوستان میں بھی ہوتا ہے۔ پچھلے سال ہندوستان میں چار کروڑ پونڈ قہوہ پیدا ہوا۔ ہندوستان میں بھی قہوہ عرب ہی سے آیا۔ بابا بڈھن ایک بزرگ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو وہاں سے لوٹتے ہوئے یہ تحفہ ہندوستان میں سولھویں صدی میں لائے" ذرا خاموش ہو کر کارل پھر بولا "مگر ہمیں کیا جب ہمارے ابا کو قہوہ نہیں ملتا تو ان دور کے ملکوں میں قہوہ پیدا ہونے سے کیا فائدہ؟" اس پر نورا بولی "پیارے ابا۔ دیکھو جنگ ختم ہونے دو دونوں ہاتھ پھیلا کر، میں تمھیں اتنا بڑا ڈبا قہوہ کا لے کر دوں گی، مگر ہماری بات ماننا ہوگی ہمیں سگریٹ کے دھوئیں کے وہ حلقے تو بنا کر دکھا دیجئے جو آپ بنایا کرتے تھے۔ وہ گول گول گھیرے جو اُڑتے ہوئے چھت گیری کو چھو لیا کرتے تھے۔ مدتیں ہو گئیں، اچھے ابا ہمارا دل اُن کے دیکھنے کو بہت ہی چاہتا ہے" اس پر اس کے ابا بولے "بیٹی اب تماکو کہاں جو حلقے بناؤں ہمارے ملک میں تو تماکو ورجینیا سے آتا تھا۔ اور جب سے اوقیانوس کی سمندری لڑائی زور پکڑ گئی ہے اس کا آنا قریب قریب بند ہو گیا ہے" کارل جو نقشہ دیکھ رہا تھا۔ بولا "ورجینیا ابا ورجینیا تو شمالی امریکہ میں ہے نا" "ہاں، ہاں بیٹا شمالی امریکہ میں ہے۔ اور تمھیں پتہ ہے

کہ ہماری دُنیا کو تماکو کا پہلا تحفہ ریڈ انڈینس نے دیا جو وہاں کے اصلی باشندے ہیں۔ جب ریڈ انڈین کے قبیلے خونخوار جنگ کے بعد مل بیٹھتے تھے تو یہی امن کا پائپ صلح اور محبت کی پینگیں بڑھاتا تھا۔ وہاں سے یہ یورپ میں پھیل گیا۔ پرتگیز لوگ اسے پہلے پہل ہندوستان بھی لے گئے تھے اور شمالی ہندوستان میں اس کا پہلا کش اکبر بادشاہ نے لیا۔ چینیوں نے اسے حبشیوں کی جڑی بوٹی کی رانی کہا ہے اور

بوٹیوں کی یہ رانی سب سے زیادہ ہندوستان اور اس کے بعد یونائیٹڈ اسٹیٹس میں پائی جاتی ہے۔ ہندوستانی تو اس کے پنڈے کے پنڈے حقے کی راہ اُڑا دیتے ہیں۔ اور وہاں کا تماکو اتنا اچھا بھی نہیں ہوتا۔ لیکن امریکہ کا تماکو واہ واہ" اور اس پر نورا نے ابلتے فضا کو اس طرح سونگھا جیسے ان کو اس کی خوشبودار لپیٹ یاد آ رہی ہے، "اب تو ہندوستان میں بھی مختلف کمپنیاں اور زراعتی فارم ورجینیا کی قسم کا تماکو پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور خاص طور

پرترچناپلی کے سگار۔ گنٹور (مدراس) کا پتہ اور غازی پور
کا تمباکو۔ اس میں تو باہر کے پینے والوں کو بھی لطف آنے
لگا ہے۔ پچھلے سال ہندوستان سے ۷ کروڑ پونڈ وزنی
تمباکو باہر بھیجا گیا۔ لیکن بلقان اور ٹرکی کے ورجینا تمباکو کے
کیا کہنے۔ ...... ہاں ہاں خوب یاد آیا۔ چچا نے پچھلے سال
آپ کو کرسمس پر ورجینا سگرٹ کا وہ شاندار بکس بھیجا
تھا۔ اس پر کس قدر خوبصورت تصویر چھپی ہوئی تھی
اور ہاں ہاں ابا جان۔ بڑے دن پر انگور کی شراب
بھی تو بہت آئی تھی۔ کیسی کیسی رنگین بوتلیں اور ابا اب
تو مدت سے ہم نے جو کی شراب کے علاوہ اور کوئی شراب
ہی نہیں دیکھی" "ہاں کارل یہ انگور کی شراب کہاں سے
آئے پہلے فرانس سے آیا کرتی تھی اور اب تو اس لڑائی
میں نہ فرانس رہا اور نہ فرانس کی شراب رہی۔ یہ تو تم
جانتے ہی ہو کہ جنوبی فرانس اسپین، پرتگال بحرۂ
روم کے خطے کی آب و ہوا کہتے ہیں۔ اور انگور کی بیل اس
آب و ہوا کی گود میں پروان چڑھتی ہے اور اس شراب
کے بڑے مے خانے فرانس اسپین اور پرتگال ہیں

اور پھر ہر حصے کی شراب جدا، اس کا نام جدا۔ اس کی لذت
جدا مثلاً برگنڈی کے علاقے سے برگنڈی شراب شمپین سے
شمپین۔ پرتگال سے پورٹ، سپین سے شیری اور ملاگا۔
اسی طرح ایک زمانے میں جرمنی سے موزیل اور ہاک آتی تھی
لیکن اب تو انھیں ٹائم بم بنانے ہی سے فرصت نہیں"
اور اب کے کیا ہم اور کیا ہمارا بڑا دن۔ اس سال تو
دنیا بڑے دن پر خوشی کے بجائے سوگ منائے گی" باپ
کا افسردہ چہرہ دیکھ کر نورا کا چہرا بھی اداس ہو گیا۔ لیکن
کچھ عرصے بعد اس کی آنکھوں میں ایک چمک نمودار ہوئی
اور وہ بولی "پیارے ابا رنج مت کرو، جب ہم بڑے
ہوں گے اور ہماری قوم کی کسی دوسری قوم سے جنگ
ہو گی تو ہم دوسروں سے مل کر یہ فیصلہ کریں گے کہ
ان کے اور ہمارے پاپا برابر۔ اس لئے سب سے
پہلے سب کے پاپاؤں کے لئے ناشتہ کا یہ سامان
مہیا کر لیا جائے اور اس کے بعد جو تمھارے جی میں
آئے کرتے رہو +

اُدو
اور
لومڑی بھوت

مولوی محمد شفیع الدین نیّر

۲

لیکن وہ ڈرتا تھا کہ دونوں سے ایک ساتھ لڑنا اس کی بساط سے باہر ہے۔ اس لئے اُس نے کوئی ایسی تدبیر سوچنے کی کوشش کی کہ کسی دھوکے سے اس لومڑی سے چھٹکارا ملے۔

ایک دن وہ ایک دُکان پر گیا اور کچھ زہر مانگا۔ لیکن دُکان والے نے ایک بچے کے ہاتھ زہر بیچنے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے وہ اپنی خالہ کے ہاں تھا کہ چوہوں کو زہر دینے کا کچھ ذکر سُنا۔ اُس نے اس سے کچھ زہر مانگا۔ یہ بہانہ بنا کر کہ ہمارے گھر میں چوہے بہت ہو گئے ہیں اُس کی خالہ نے کچھ لال سفوف الماری کی ایک بوتل سے نکالا۔ اور اُسے دے دیا۔ اور اُس کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ بیٹا اسے کھا مت لینا، ورنہ اُسی وقت مر جاؤ گے۔ اُس نے کہا "میں اس بات کا بہت خیال رکھوں گا" اور گھر چلا آیا۔ وہ ہر وقت یہ زہر اندر کی ایک جیب میں چھپائے رکھتا تھا۔

وہ ہر روز اپنے گھر کے اردگرد پھرتا رہتا کہ کسی طرح لومڑی کو پھانسے۔ ایک دن ایک سڑک پر وہ ایک آدمی سے ملا۔ جس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ وہ بھوت ہے جو میں نے ویران باغ میں دیکھا تھا۔ وہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اس وقت وہ بالکل آدمی معلوم ہوتا تھا، کیونکہ لومڑی بھوت دن میں بالکل آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ہاں اُس کے دُم ضرور ہوتی ہے۔ اُسے وہ کپڑوں میں چھپا لیتا ہے۔ جب وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں کوئی آدمی نہ تھا اس نے لومڑی کو یہ کہہ کر آواز دی "حضرت شریف میں نے آپ کو بہت دن سے نہیں دیکھا"

بڈھے آدمی نے بڑی حیرت سے مڑ کر دیکھا۔

اُدو نے کہا "شاید آپ مجھے بھول گئے۔ ہم سب ایک ہی نسل سے ہیں۔ لیکن ہم جب لوگوں سے ملتے ہیں تو سوائے اس دُم کے ہم میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے پیچھے سے دُم کا سرا دکھایا۔ یہ اُسی لومڑی کی دُم تھی جو کچھ دن پہلے اُس نے کاٹی تھی۔ وہی دُم بڈھے آدمی کو دکھائی۔

لومڑی سمجھی کہ یہ تو ہماری ہی نسل کا ہے۔ اُس سے پوچھا "تم کہاں رہتے ہو" "میں ویران باغ کے جنوب مشرق میں ایک پُرانے مندر میں رہتا ہوں۔ کیا آپ بتائیں گے کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟" اس لڑکے کو رازدار

ٹہلتے ہوئے بُڈھے آدمی نے جواب دیا "میں بس پاس ہی دیہات باغ میں رہتا ہوں۔"

"پھر تو ہم ایک نسل ہی کے نہیں پڑوسی بھی ہیں۔ آج آپ اِدھر سڑک پر کیا کر رہے ہیں؟" اوفو نے پوچھا۔

"میں اپنے نوجوان آقا کے لئے کچھ شراب لینے آیا تھا۔ وہ شراب کا بہت شوقین ہے۔ اور شراب بغیر روپے کے ملتی نہیں۔ اِس لئے مجھے اِدھر اُدھر سے روپیہ چُرانا پڑتا ہے۔ دِن میں چُرانا پڑتا ہے! کیسی مشکل بات ہے! اسی وجہ سے موقع کی تاک میں میں سڑک پر پھرتا رہتا ہوں۔"

"اگر میں خالی ہاتھ گھر چلا جاؤں تو مجھ پر خوب ڈانٹ پڑتی ہے اور کبھی کبھی گوشمالی بھی ہو جاتی ہے۔ نوکروں کو ایسے ہی دُکھ اُٹھانے پڑتے ہیں!"

"لیکن میرا آقا تو بہت ہی ہنس مکھ اور مہربان ہے وہ شراب خریدنے کے لئے ہمیشہ مجھے روپیہ دیتا ہے۔ وہ بہت سخی ہے اگر اس کے پاس ہو تو ہمیشہ میرے پاس کچھ نہ کچھ رقم رہنے دیتا ہے۔" اوفو نے کہا۔

"میرے آقا میں بھی کچھ خوبیاں ہیں۔ وہ لوگوں کو نہیں ستاتا جب کبھی مل جاتی ہے ہم دونوں مل کر ساتھ ساتھ دوستوں کی طرح شراب پیتے ہیں۔ اس لئے مجھے اس کی نوکری پسند ہے۔"

اوفو نے کہا "ابھی تو کافی وقت ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ شراب پی کر مجھ پر عنایت کریں گے؟"

"میں آپ کا میزبان بن کر آپ کے ساتھ شراب پینا پسند کرتا۔ میری جیب خالی ہے۔ اس لئے میں آپ کا صرف مہمان ہو سکتا ہوں۔"

"آپ اس بات کا خیال نہ کیجئے۔ میں شراب خانے میں آپ سے باتیں کر کے بہت خوش ہوں گا۔ کون میزبان ہوگا اور کون مہمان۔ اس کو چھوڑیئے۔ آج میرے پاس پیسہ ہے میزبان بن جاؤں گا۔ کل آپ کے پاس ہو میزبان بن جائیے گا۔" اوفو بولا۔

وہ ایک شراب خانے میں گئے۔ اوفو نے شراب کا ایک جام اور کھانے کی کچھ چیزیں کھانے پینے کے لئے منگائیں۔ بڈھا آدمی اس قدر خوش ہوا کہ اُس نے اپنے آقا کا سارا حال اُس سے بیان کر دیا۔ اُس نے کہا "وہ کبھی اپنی حالت پر قانع نہیں ہوتا اور لوگوں کو ستاتا پھرتا ہے۔ کبھی خوش نصیبی سے دعوت اُڑاتا ہے، کبھی بدنصیبی اُس کے ساتھ رہتی ہے۔ ایک دفعہ وہ اپنی دُم کھو آیا اور مرنے سے بال بال بچا۔"

اوفو نے پوچھا "اب تو وہ پورے طور پر اچھا ہو گیا ہوگا؟"

بڈھے آدمی نے جواب دیا "ہاں اب وہ اچھا ہے لیکن اُس کی دُم اب کبھی نہیں بڑھے گی۔"

شام ہونے آئی تو بڈھے آدمی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہونا چاہا۔ لیکن اب اُس کو اپنے مالک کے لئے شراب لینے کی یاد آئی اور خالی ہاتھ جاتے ہوئے ڈرا۔ اوفو نے ازراہِ مہربانی اس کو ایک بوتل گھر لے جانے کے لئے اور دے دی۔ اس بوتل میں اُس نے چپکے سے زہر ملا دیا تھا۔

آج شام کیا وہ بہت خوش اور مطمئن گھر آیا۔ اس کو کامیابی کی بہت اُمید تھی۔

دوسرے دن سویرے ہی وہ دوڑا دوڑا ویران باغ میں گیا۔ وہاں پتھر کے چبوترے پر دونوں لومڑیاں مری پڑی تھیں۔ اُن کے پہلو میں پڑی ہوئی زہریلی شراب کی آدھی بوتل اور باقی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کو اُس جگہ لے گیا۔ اور بہت سے گاؤں والے بھی موقع پر پہنچ۔ وہ دو مری ہوئی لومڑیوں کو دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور یہ معلوم کرکے کہ اسی لڑکے نے بغیر کسی کی مدد کے اُن کا پتہ لگایا اور آخرکار انھیں ٹھکانے لگا دیا ہر ایک نے اُس کی دانائی اور ہمت کی تعریف کی اور اُس کے گھر کو پھر کبھی کسی لومڑی بھوت یا کسی اور بھی روح نے پریشان نہیں کیا ◆

(ترجمہ)

معلومات

جنوبی امریکہ میں ڈیڑھ ہزار سرخ ہندیوں کی ایک بستی ہے۔ بستی کے لوگ سب کے سب اندھے ہیں یہیں جنوبی امریکہ میں دریائے امیزن کے کنارے گونگوں کا بھی ایک گاؤں ہے۔

فرانس میں ایک خاندان ہے جس کے صرف بائیں طرف دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات صرف مردوں میں ہے عورتوں میں نہیں۔

وسطی چلی ایک چڑیا ہے۔ یہ اس طرح بھونکتی ہے جیسے کوئی چھوٹا کتا۔ کوئی اسے بھونکتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ آدمی کی آہٹ پاتے ہی یہ فوراً اُڑ جاتی ہے۔

ملایستان (MALAYCIA) بعض پر دار قلابازیاں کھانے والی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ درختوں پر اُچھلتی پھرتی ہیں جب سیلاب کا زور کم ہو جاتا ہے تو یہ کیڑوں مکوڑوں کی تلاش میں درختوں پر چڑھ جاتی ہیں۔

چین میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا تھا جس کے جسم کا تمام گوشت شفاف تھا اور جسم کے اندر کی تمام ہڈیاں اور عضو نظر آتے تھے۔ یہ شخص بہت عالم فاضل تھا۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے پیام تعلیم میں آسٹریلیا پر ایک مضمون چھپا تھا دیکھو کیسا دلچسپ ملک ہے جی تو چاہتا ہے کہ ہم بھی وہاں کی سیر کریں، مگر آج کل لڑائی ہو رہی ہے۔ اُدھر کون جانے دے گا! ویسے ہے بھی دور دور بہت دور ہفتوں سمندری جہاز کا سفر کریں تو وہاں تک پہنچیں، اور یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ وہاں کے دن رات ہم سے بالکل مختلف ہیں۔ جب تم صبح کو سو کر اُٹھتے ہو تو اس وقت آسٹریلیا میں تمھارے بھائی بہن، سونے کی تیاری کرتے ہیں۔ جب تمھارے یہاں سخت گرمی پڑتی ہے تو وہاں کڑاکے کی سردی ہوتی ہے۔ ہے نا اچنبھے کی بات!

یہاں کے اصلی رہنے والے بہت بھدّی شکل کے ہوتے ہیں۔ بالکل کالے کلوٹے۔ بدن پر بس چند کپڑے انھیں نہ کھیتی آتی ہے نہ ڈھور ڈنگر پالنا۔ اپنا گھر تک نہیں بنا سکتے۔ بس یوں سمجھو کہ عقل سے یہ بے چارے محروم ہی ہوتے ہیں۔ مگر ایک بات ہے شکار کے فن میں ماہر ہیں۔ ان کا ہتھیار ایک طرح کا بھالا ہوتا ہے اس سے یہ مچھلی تک کا شکار کر لیتے ہیں

اُن کا سب سے مضبوط ہتھیار بام رینج ہے۔ یہ ایک بہت مضبوط ٹیڑھی اور بھاری لکڑی کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ شکار کرتے وقت اسے جانور پر پھینک کر مارتے ہیں۔ اور کچھ اس انداز سے پھینکتے ہیں کہ یہ ان کے پاس ہی واپس آجاتا ہے۔ کیا عجب طریقہ ہے تم تو ذرا یہ کر کے دیکھو!

بام رینج
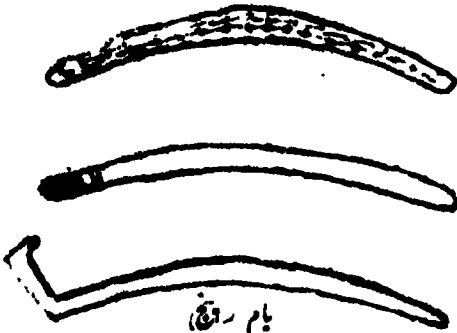
[illegible]ن کی زندگی بڑی کٹھن ہوتی ہے۔ نہ گھر نہ [illegible]ی کا اور کوئی سامان۔ بس جہاں پڑاؤ ڈال دیا وہیں گھاس [illegible] چھپر کی چھوٹی سی جھونپڑی بنالی۔

یہ لوگ [illegible] بدن پر تیز چاقو کی نوک سے تصویریں بھی گدواتے ہیں۔ سال کے خاص خاص دنوں میں اپنا جسم سرخ، سفید اور زرد رنگوں سے

قینچی سے بھیڑوں کا اون کاٹا جا رہا ہے

رنگتے ہیں۔ خوب خوش ہوتے اور مست ہو ہو کر ناچتے ہیں۔

مگر آج کل تو یہاں کے اصلی باشندوں سے زیادہ یورپ کے لوگ ہیں اور انھوں نے دُنیا کے اس سب سے بڑے جزیرے کی بالکل کایا پلٹ دی ہے۔ یہ لوگ صنعت و حرفت اور تجارت کے علاوہ کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں اور مویشی بھی پالتے ہیں۔ آج کل چراگاہوں میں لاکھوں بھیڑیں گھومتی نظر آتی ہیں۔ گرم کپڑے انھی کے [illegible] ہیں۔ یہ اون دور دور ملکوں میں جاتا ہے۔

سردیوں کا زمانہ مویشی پالنے والوں کے لئے بہت مصروفیت کا ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں بھیڑوں کے بال کاٹے جاتے ہیں۔ یہ بال جلد اُگ آتے ہیں۔ ورنہ بے چاری بھیڑوں کو خوب سردی لگے۔ یہ بال قینچی سے تراشے جاتے ہیں۔ اگر گلہ بڑا ہو تو پھر بجلی کی مشین سے کام لیتے ہیں۔

اِن گلہ بانوں کے گھر لکڑی کے ہوتے ہیں۔ مگر بہت آرام دہ ہوتے ہیں۔ ان کے لڑکے اپنے باپ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ گھوڑوں پر سواری کی انھیں خوب مشق ہوتی ہے۔ گھوڑے پر سواری کے وقت یہ برجس اور کھلے گلے کی قمیص پہنتے ہیں۔ سر پر لمبا جھکا ہوا ہیٹ لگاتے ہیں۔ دو چار دن کے لئے باہر جانا ہوتا ہے تو پانی کی چھاگل، مختصر سا بستر اور انگیٹھی

وغیرہ اپنے ساتھ رے جاتے ہیں۔
مگر بہت دور دور ہوتے ہیں۔ ۱۰، ۱۵ میل
کے فاصلے پر۔ اسی لئے کھلی تازہ اور صاف ہوا

میں خوب تندرست رہتے ہیں۔ ان کے بچوں کے
لئے اسکول نہیں ہوتے، گھر ہی پر پڑھتے ہیں
ہاں کچھ بڑے ہو جاتے
ہیں تو گھوڑوں پر بیٹھ کر
اسکول جاتے ہیں۔

اور ذرا ادھر۔
دیکھو یہ کس چیز کی تصویر
ہے؟ پہچان گئے ہوگے جی
ہاں یہ کونگرو ہے! دیکھو کیسی
جست لگا رہا ہے۔ اس
کی پچھلی ٹانگیں چھوٹی ہوتی
ہیں۔ اس لئے دوڑ نہیں
سکتا۔ بس اسی طرح
چھلانگیں مارتا چلتا
ہے۔
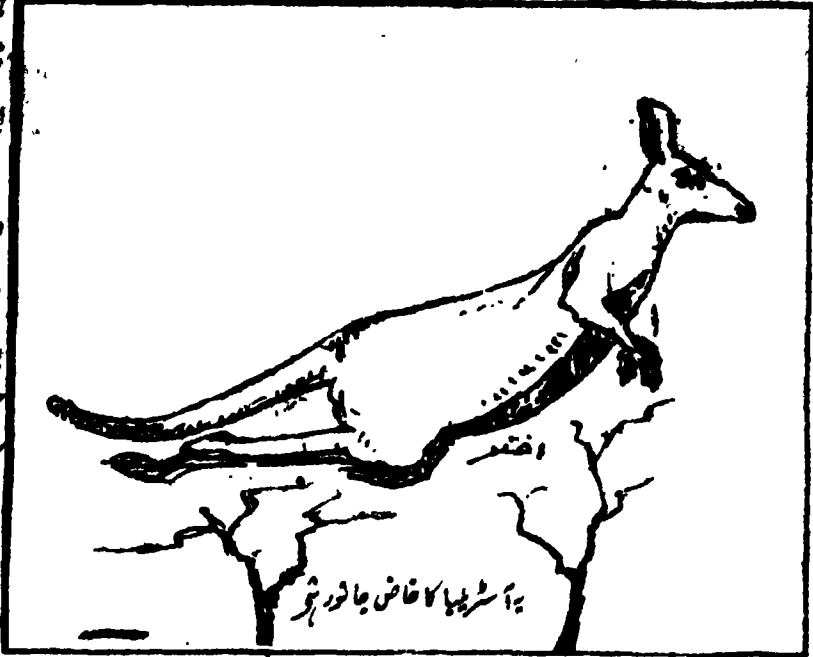
یہ آسٹریلیا کا خاص جانور ہے

(برتنوں کی آواز)

رشید:۔ (منہ میں نوالا، ارے بھئی جلدی جلدی کھاؤ گھنٹی اب بجا ہی چاہتی ہے۔

قیصر:۔ جلدی جلدی کھائیں گے تو بدہضمی نہیں ہو جائے گی؟

ناصر:۔ چورن والا تو باہر ہی موجود ہے۔

امجد:۔ چورن والا، ارے وہ تو کب کا چلا گیا۔

ناصر:۔ سوڈے لیمن کی دوکانیں تو ہیں۔

آصف:۔ آج کل سائنس بڑی ترقی کر رہا ہے جب دیکھو ایک نئی بات سننے میں آئی ہے۔

امجد:۔ کل ہمارے دوست محسن کہہ رہے تھے کہ چنے ہوئے دسترخوانوں کو ہوا میں اڑانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

جواد:۔ (ہنستے ہوئے) کسی نے یوں ہی اڑا دی ہوگی۔

قیصر:۔ میں تو آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرتا ہوں

جواد:۔ بیان کرو۔

قیصر:۔ میرے سامنے سے ابھی ابھی کئی نوالے اڑ کر رشید کے منہ میں چلے گئے

(سب کے سب ہنستے ہیں)

آصف:۔ کیوں رشید یہ کیا ہے بھئی۔

ناصر:۔ ارے بھئی تو ان کا کھانا ختم نہیں ہو رہا ہے۔

رشید:۔ (منہ میں نوالا) ارے کھاؤ بھئی جلدی کھاؤ۔ گھنٹی ہو جائے گی تو پھر ہوا کھانا پڑے گی۔

امجد:۔ ارے ہاں یار گھنٹی ہو گئی تو ......

آصف:۔ اونہہ تھوڑی دیر سے اگر جماعت میں پہنچے تو کیا بُرائی ہے۔

جواد:۔ واہ بھئی واہ، اور اگر تھوڑا کم کھا کے جلدی اٹھ کھڑے ہوئے تو اس میں کیا برائی ہے۔

ناصر:۔ بُرائی تو کچھ نہیں، صرف بھوکے رہ جائیں گے ..... کیوں رشید بھائی یہی نا۔

(گھنٹی کی آواز)

رشید:۔ ہم جب سے کہہ رہے تھے مگر تم سب نے ہماری ایک نہ سنی۔ لو میں تو کھا چکا۔

قیصر:۔ آپ کھا چکے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

(سب کے سب ہنستے ہیں)

دو چار مل کر:۔ ہم سب کھا چکے۔

(ہاتھ منہ دھونے اور بھاگنے کی آواز)

ناصر:۔ سب سے پہلے رشید صاحب جا کر ڈٹ گئے بیٹھے یہاں بھی دعوت ہونے والی ہے۔

(سب کے سب ہنستے ہیں)

(جماعت میں بیٹھنے کی آواز)

جواد:۔ (آہستہ آہستہ) ارے رے رے ماسٹر صاحب آ رہے ہیں۔

(آمنے کی آواز، ایک دم سب کے کھڑے ہونے کی آواز)

ماسٹر:۔ بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔

(بیٹھنے کی آواز)

ماسٹر:۔ آج مولوی حیدر صاحب کا مزاج اچھا نہیں ہے، یہ حساب کا گھنٹہ ہے لیکن حساب کے لئے اس وقت میں اپنی طبیعت موزوں نہیں پاتا ہوں۔ اس لئے اس وقت کیا ہونا چاہیئے بتاؤ۔

آصف:۔ ماسٹر صاحب ہم لوگوں کی عام معلومات بہت کم ہیں، اس لئے ....

ماسٹر:۔ ٹھیک ..... ہاں کہو بھائی تم سب آصف کی بات پر ....

سب کے سب:۔ جی ہاں، جی ہاں۔

ماسٹر:۔ اچھا تم لوگ یہ بتاؤ کہ تم میں سے کس کس کو سنیما دیکھنے کا زیادہ شوق ہے۔

سب کے سب:۔ ہم سب کو ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:۔ انگریزی فلم دیکھتے ہو یا اُردو۔

سب کے سب:۔ اُردو۔

ماسٹر:۔ انگریزی کیوں نہیں۔

آصف:۔ اوّل تو ہم نے ابھی اتنی انگریزی نہیں پڑھی اور پھر ذرا فلموں میں انگریزی بہت تیز بولتے ہیں۔

ماسٹر:۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم سنیما کیوں دیکھتے ہو؟

ناصر:۔ جی بہلانے کے لئے۔

ماسٹر:۔ کیا اس کے سوا کوئی دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے۔

رشید:۔ میں عرض کروں۔

ماسٹر:۔ ہاں، ہاں۔

رشید:۔ معلومات کے لئے۔

ماسٹر:۔ اچھا اور کوئی وجہ۔

امجد:۔ ماسٹر صاحب میں ....

ماسٹر:۔ ہاں، ہاں کہو، جو جس کے دل میں ہو بے کھٹکے کہو۔ ڈرنے یا جھجکنے کی کون سی بات ہے۔

امجد:۔ مجھے گانا بہت پسند ہے۔ جس فلم میں گانا اچھا ہوتا ہے اس کو دیکھنے جاتا ہوں۔

ماسٹر:۔ بہت ٹھیک ...... اچھا اور؟

سب کے سب:۔ بس اب کچھ نہیں۔

ماسٹر:۔ اچھا بھئی کل کتنے سبب ہوئے سنیما دیکھنے کے۔

آصف:۔ تین۔

ماسٹر:۔ کون کون سے۔

ناصر:۔ تفریح، معلومات اور گانا۔

ماسٹر:۔ اچھا تفریح کے لئے، کس نے کہا تھا۔

ناصر:۔ ہنسنے ماسٹر صاحب۔
ماسٹر:۔ ٹھیک۔ ہاں تو تم بتا سکتے ہو کہ تفریح سے تمھارا کیا مطلب ہے۔
ناصر:۔ یہی سب ہنسی۔ مذاق، ہا ہا، ہو ہو۔
ماسٹر:۔ مگر تم کو یہ تو معلوم ہوگا کہ کوئی کام بلا ضرورت اچھا نہیں ہوا کرتا۔
ناصر:۔ جی ہاں۔
ماسٹر:۔ اچھا تو آصف تم بتاؤ کہ ناصر نے جیسی تفریح بتائی ہے، اس کی کب ضرورت ہوتی ہے .... ہائیں تم چپ بیٹھے ہو .... اچھا کوئی اور بتائے .... کوئی نہیں جانتا، .... اچھا اور ایک بات بتاؤ، انسان لیٹنے اور سونے کے لئے کب بے چین ہو جاتا ہے۔
آصف:۔ دن بھر کی محنت کے بعد۔
ماسٹر:۔ ٹھیک، مگر ایسا کیوں ہوتا ہے، یہ بھی سمجھے۔
ناصر:۔ جی نہیں۔
ماسٹر:۔ محض اس لئے کہ تھکے ہوئے جسم کو آرام پہنچے اور بالکل اسی طرح پر جب کوئی شخص زیادہ دیر تک سخت دماغی کام کرتا ہے تو پھر اس کا دل چاہتا ہے کہ تفریح کرے .... ہاہا، ہو ہو اور ہنسی مذاق کوئی بری چیز نہیں ہے، لیکن یاد رکھو یہ سب اسی وقت اچھا معلوم ہوتا ہے، جب انسان دیر تک دماغی کام کرتا ہے .... اگر کوئی نہ سمجھا ہو تو پوچھے۔
جواد:۔ ماسٹر صاحب مثال دے کر سمجھا دیجئے۔
ماسٹر:۔ اچھا اس کو یوں سمجھو کہ اگر تم دو تین گھنٹے تک مشکل مشکل سوال جماعت میں بیٹھ کر حل کرتے رہو گے تو اس کے بعد یقیناً تمھارا دماغ تفریح کرنے یعنی کھیل کود وغیرہ کے لئے بے چین ہو جائے گا۔
قیصر:۔ کیا یہ اچھی بات ہے ماسٹر صاحب۔
ماسٹر:۔ ہاں مگر ایک بات کہتا ہوں، اس کو دھیان لگا کر سنو اور دل پر لکھ لو۔
قیصر:۔ کہئے ماسٹر صاحب۔
ماسٹر:۔ کبھی ایسا ہنسی مذاق نہیں ہونا چاہیے جو تہذیب اور اخلاق سے گرا ہو یا کسی کو تکلیف پہنچائے ...... کیوں بھئی اچھی طرح سمجھ گئے نا۔
سب کے سب:۔ جی ہاں سمجھ گئے۔

(باقی آئندہ)

چھپائی

سید محمد خاں حیدر آبادی

ابھی میں نے اخبار میں ایک خبر پڑھی۔ لکھا تھا کہ چینی حکومت نے اپنے ہاں کی نایاب چینی کتابیں حفاظت کے خیال سے امریکہ بھیج دی ہیں۔ ان کتابوں میں بعض تو اس وقت کی ہیں جب یورپ میں کوئی چھپائی کا نام بھی نہیں جانتا تھا اور ہاں ایک کتاب تو اب سے کوئی ۹۰۰ برس پہلے کی چھپی ہوئی ہے۔ یہ شعروں کا مجموعہ یا بیاض ہے۔ یہ خبر پڑھ کر بہت تعجب ہوا کیا تو سمجھتا تھا چھاپے کی ایجاد اب سے کوئی پان سو برس پہلے یورپ میں ہوئی ہے۔ مگر ایک بات ضرور ہے یہ ایجاد بھی یورپ ہی سے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں یورپ والے چین کے احسان مند نہیں ہیں۔ انھوں نے خود ہی اسے ایجاد کیا ہے۔

پہلے پہل جرمنی میں اس کے تجربے ہوئے۔ (۱۴۵۰ء سے پہلے) اور پچاس سال کے اندر اندر یورپ کے اکثر ملکوں میں چھاپے خانے قائم ہو گئے۔ اس کی ایجاد کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں جرمنی میں ایک شخص تھا لارنس کوسٹر۔ اسے بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ اس زمانے میں چھپی ہوئی کتابیں تو تھیں نہیں وہ ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابوں سے اپنے علم کی پیاس بجھاتا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کے ملک میں تعلیم عام ہو جائے اسی لئے وہ اپنے مکتب میں لڑکوں کو جمع کرتا اور قلمی کتابوں سے قصے سناتا اور سائن بورڈ پر لکھ لکھ کر پڑھاتا۔

ایک دن اپنے باغ میں بیٹھا تھا اور مختلف چھالوں کو حروفِ تہجی کی شکل میں کاٹنا چاہتا تھا چند گھنٹوں کی محنت اور کوشش کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اور چھال کے ان ٹکڑوں کو جو حروفِ تہجی کی شکل میں کٹے ہوئے تھے ایک کاغذ میں لپیٹ کر مکان میں لے آیا۔

چند دنوں کے بعد جب اس کاغذ کو کھولا تو اس پر حروفِ تہجی کے الٹے نشان آ گئے تھے۔ یہ دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ اگر حروفِ تہجی الٹے رکھ کر کسی چیز سے دبائے جائیں تو وہ سیدھے اتریں گے اور اگر ان پر گوندنی ہوئی سیاہی پھیری جائے تو وہ اور نمایاں ہو جائیں گے۔

لارنس کوسٹر اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوا۔

لارنس کوسٹر کی اس ایجاد کی بہت قدر ہوئی

جب وہ مرا تو گرجا کے سامنے ایک کتبہ اُس کی یادگار میں نصب کیا گیا۔ اس کے بعد جان گٹنبرگ پہلا آدمی ہے جس نے لوہے کا چھاپہ خانہ ایجاد کیا اور چھاپہ خانہ قائم کیا۔ اس نے ۱۴۵۵ء میں انجیل مقدس کو لوہے کے چھاپے پر چھاپا اور یہ یورپ کی سب سے پہلی چھپی ہوئی کتاب ہے۔

جان گٹنبرگ ایک غریب آدمی تھا اور اس کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ وہ اس کام کو جاری رکھ سکتا۔ مگر اُسے اس کا خبط سا ہو گیا تھا اس لئے اُس نے ایک شخص سے قرض لے کر اس کام کو جاری رکھا۔ مگر قرض ادا نہ کر سکا۔ اس وجہ سے مجبوراً کام ترک کرنا پڑا، اور جان گٹنبرگ اپنے ارمانوں کو لئے ہوئے حسرت کی موت مرا اس کی موت کے سینکڑوں برس بعد سنہ ۱۹۰۰ء میں جرمنی نے ایک عظیم الشان جشن منایا اور اُس کی یادگار میں ایک کتبہ نصب کیا۔

ولیم کیکسٹن ایک کسان کا لڑکا تھا۔ اُسے کھیتی باڑی کے مقابلے میں لکھنے پڑھنے سے زیادہ رغبت تھی۔ جب اس کے باپ نے دیکھا کہ ولیم کیکسٹن زراعت کے لئے ناموزوں ہے اور اُسے تعلیم کا شوق ہے تو اُسے لندن تجارت کی غرض سے بھیج دیا وہاں وہ ایک تاجر کے ہاں ملازم ہو گیا۔ کیکسٹن کا آقا ایک امیر تاجر تھا اور اس کے اپنے کئی جہاز تھے جو انگریزی اُون لندن سے دوسرے ملکوں کو لے جاتے۔ اور اُس کے تاجر میں مختلف قسم کا سامان لاتے۔ بعض دفعہ اُن میں کتابیں بھی آجاتی تھیں یہ یورپ میں چھپی ہوئی کتابوں کا بالکل شروع کا زمانہ تھا۔

اس طرح کیکسٹن کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کا موقع ملا۔ اور ان چھپی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر اُسے کتابیں چھاپنے کا شوق ہوا۔

قدرت نے کیکسٹن کی مدد کی۔ کیکسٹن کے مالک کا تیس سال بعد انتقال ہو گیا اور وہ کیکسٹن کے نام کئی ہزار روپئے لکھ مرا۔ اس روپئے سے کیکسٹن نے کئی ملکوں کی سیر کی۔

آخرکار اُس نے بلجیم کے دارالسلطنت برسلز میں سکونت اختیار کی اور اُون کی تجارت کرنے لگا۔ ۱۴۷۱ء میں اُس نے اس تجارت کو بھی چھوڑ دیا اور ایک انگریز شہزادی کے ہاں ملازم ہو گیا۔

چونکہ وہاں کوئی ایسا اہم کام کیکسٹن کے ذمے نہ تھا اس لئے اُسے مطالعہ جاری رکھنے کا بہت موقع ملا۔ اُس نے ٹیلس آف ٹروئے Tales of Troy کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

کیکسٹن ایک ہوشیار تاجر تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر وہ اس کتاب کے چھاپنے میں کامیاب ہو گیا تو اُسے بہت زیادہ نفع ہوگا۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا لوہے کے چنے چبانے تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں چھاپنے والے بہت ہی احتیاط اور رازداری سے اس کام کو انجام دیتے تھے اور ہر چھاپنے والا قسم کھاتا تھا کہ اپنا بھید کسی پر بھی ظاہر نہ کرے گا اور اس کو ہمیشہ راز ہی رکھے گا۔

ہمارے اس ہوشیار تاجر نے خدا جانے کہاں

اور کس طرح اس فن کو حاصل کیا بعض کا یہ خیال ہے کہ اس فن کو اس نے جرمنی میں سیکھا۔ بہر حال اس نے "گیلس آف ٹروئے" اور اس کے علاوہ کئی اور کتابیں چھاپیں۔ اس نے سوچا کہ انگلینڈ میں مطبع کھولا جائے تو کام ندرسوں پر چلے گا اور نفع بھی بہت ہوگا۔

انگلینڈ میں مطبع کھولنا بچوں کا کھیل نہ تھا

اس زمانے میں وہاں کے لوگ اس کام کو شیطانی خیال کرتے اور اس کے کرنے والے کو شیطان قرار دیتے تھے مگر باوجود ان تمام مشکلات کے اس نے مطبع کھول ہی دیا۔ جب شہر میں اس کی خبر پہنچی تو لوگوں کے ایک گروہ نے کیسٹن کے دفتر پر ہلا بول دیا اور تمام سامان توڑ پھوڑ ڈالا۔ کیسٹن نے بادشاہ سے اس کی شکایت کی، بادشاہ نے مطبع قائم رکھنے کی اجازت دی اور ضرورت کے وقت مدد دینے کا بھی وعدہ کیا۔

۱۴۷۶ء میں کیسٹن نے ویسٹ منسٹر میں اپنا مطبع کھولا اور پہلی دفعہ سرزمین انگلستان پر کتابیں چھپنا شروع کیں۔ پندرہ سال تک کیسٹن نے اس مطبع میں کام کیا اور سو سے زیادہ کتابیں چھاپیں۔

اس بلند ہمت اور بلند حوصلہ شخص نے ۷۰ سال کی عمر پائی۔ مرنے کے بعد اس کے وفادار ساتھیوں نے سنٹ مارگریٹ چرچ ویسٹ منسٹر میں اسے دفن کیا اور ایک آئینے کی کھڑکی اس کی یادگار میں نصب کی۔

کیسٹن کی وفات کے بعد اس کے وفادار ملازموں نے اس کام کو جاری رکھا جس کے سبب چھپائی کا کام بہت جلد عام ہو گیا۔

آج ہمیں اتنی اچھی اچھی کتابیں اس قدر کم قیمت پر مل جاتی ہیں تو یہ انہی لوگوں کی جواں ہمتی کا پھل ہے۔ چھپائی کا فن برابر ترقی پر ہے اور لینوٹائپ مونوٹائپ، روٹری پریس، غرض چھپائی کی بہتر سے بہتر مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں۔

بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اِصلاح کے بعد

میری سائیکل

محمد توحید ۔ عمر ۹ سال

سائیکل ہے ایک میرے پاس — کرتا ہوں میں اس کو صاف
اُس میں ہیں دو پہیے گول — پہیے ہیں یہ بہت انمول
اِس پر مکتب جاتا ہوں — اِس پر ہی گھر آتا ہوں
جب میں چڑھتا ہوں اِس پر — یہ چلتی ہے سر سر سر
اس میں ہے گھنٹی ایک لگی — یہ ٹن ٹن ٹن ٹن بجتی
رستہ صاف کراتی ہے — اور لوگوں کو ہٹاتی ہے
اس پر سیر کو جاتا ہوں — دِل اپنا بہلاتا ہوں

تِتلی

ازم، ع، اسعد سدیدی ایولہ

آجا، آجا، پیاری تتلی — سُندر سُندر نیاری تتلی
کتنا دِلکش رنگ ہے تیرا — کیسا پیارا ڈھنگ ہے تیرا
ہے تجھ سے ہی باغ کی زینت — کرتے ہیں سب تجھ سے اُلفت
اِدھر اُدھر کو مُڑنا تیرا — خوب ہے بھاتا اُڑنا تیرا
باغ میں ہر دم آتی جاتی — ہر اِک کا تو دِل ہے لُبھاتی
باغ میں ہر جا گھومنا تیرا — اور گلوں کو چومنا تیرا
خوب لُبھاتا ہے یہ مجھ کو — دل سے بھاتا ہے یہ مجھ کو
میرے دل کی ہے یہ تمنا — آجا، میرے پاس تو آجا

رنگین گھٹاؤں میں

از سید عبدالرحمٰن عُبید نقوی

ساون کی گھٹائیں ہیں | کیا مست فضائیں ہیں
پہلو میں گھٹاؤں کے | کیا سرد ہوائیں ہیں
ابر آسماں پہ گھوما | یا کوئی فیل جھوما
بجلی نے بھی لپک کر | دامن زمیں کا چوما
کیا کالی گھٹا چھائی | ہر چیز ہے اترائی
پہلو میں لئے اپنے | پیغامِ طرب لائی
سبزے پہ نکھار آیا | پھولوں کو قرار آیا
کلیوں کی خود آرائی | بلبل کو پیار آیا
مے بار گھٹائیں ہیں | مخمور ادائیں ہیں
باغوں میں درختوں پہ | کوئل کی صدائیں ہیں

برسات کا ترانہ

سید شاہ محمد سلیمان صبا۔ مالچپور

آیا ساون اُٹھیں گھٹائیں | چلنے لگی ہیں ٹھنڈی ہوائیں
پانی برسا سبزہ لہکا | کوئل کوکی بُلبل چہکا
ننھی ننھی بوندیں برسیں | آؤ سب مل گانا گائیں
بادل گرجے بجلی چمکے | رم جھم رم جھم پانی برسے
پانی سے سب تالاب بھرے ہیں | اچھے کنول کے پھول کھلے ہیں
باغ میں بُلبل شور مچائے | یاد تمہاری رہ رہ آئے
جھرنا بہہ کر شور مچائے | دریا اپنی دُھن میں گائے
آؤ ہم بھی سیر کو جائیں | جاکر اپنا دل بہلائیں
باغ میں جاکر جھولا جھولیں | جھولا جھولیں آم بھی کھائیں

کھا پی کر جب واپس آئیں
تم کو صبا کے گیت سنائیں

ربڑ

احمد ابراہیم صدیقی، جماعت ہفتم

ربڑ در اصل ایک قسم کے درخت سے پیدا ہوتا ہے اور زیادہ تر جنوبی امریکہ کے علاقے میکسیکو برازیل جاوا اور سماترا، ملایا اور سیلون میں پیدا ہوتا ہے ان درختوں سے ایک قسم کا شیرہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر تم ان درختوں کو ذرا بھی کاٹو تو یہ شیرہ نکل آئے گا۔ اس کے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں سوراخ کرکے فوراً ایک ہانڈی لگا دیتے ہیں اور اس میں رس جمع ہو جاتا ہے اور گرم کرنے کے بعد ربڑ بن جاتا ہے۔ دیکھا! تم نے کس قدر آسان طریقہ ہے۔ مگر ان ہی درختوں میں ایک کیڑا ہوتا ہے جو آر پار سوراخ کرتا ہے جس سے سارا شیرہ نکل جاتا ہے اور بہت نقصان ہوتا ہے مگر ان ملکوں کے باشندوں نے اس کا علاج کر دیا ہے۔

پندرھویں صدی عیسوی میں جب کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ ربڑ کی گیند سے کھیل رہے تھے جو زمین پر گرتے ہی اچھلتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ یہ اسی درخت کے شیرے سے بنائی گئی تھی۔ اس کے بعد اسپین والوں نے یہ بات معلوم کی کہ اگر وہ اس شیرے کو اپنے کپڑوں میں رگڑیں تو پانی کا اثر نہیں ہوتا۔ انیسویں صدی میں انگریزوں نے اس میں دلچسپی لینی شروع کی، اور یہ معلوم کیا کہ ربڑ سے کاغذ پر پنسل سے بنے ہوئے نشان مٹ جاتے ہیں۔

اس کے بعد انگلستان والوں کے لئے ایک قسم کا کپڑا تیار کیا گیا جس میں ربڑ کے شیرے کی ایک تہہ چڑھا دی گئی تھی۔ یہی کپڑا بعد میں چل کر "واٹر پروف" کہلانے لگا۔ انگلستان میں اس کو زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں اکثر بارش ہوا کرتی ہے۔

پہلے پہل ربڑ کے شیرے کو تھوڑی سی گرمی پہنچائی جاتی تھی جس سے نرم قسم کا ربڑ پیدا ہوتا تھا۔ اس میں یہ خرابی تھی کہ ذرا سی گرمی سے پگھل جاتا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتا تھا۔ اس لئے سائنس دانوں نے معلوم کیا کہ اگر اس میں تھوڑی سی گندھک ملائی جائے اور گرم کرکے تیار کیا جائے تو وہ کسی قسم کی گرمی سے متاثر نہ ہوگا اور اگر زیادہ گندھک ملا دی جائے اور زیادہ حرارت پہنچائی جائے تو لکڑی کے مانند سخت ربڑ پیدا ہوگا۔ اس قسم کے ربڑ سے کنگھیاں، فاؤنٹین پن اور اسی قسم کی چیزیں تیار ہو سکتی ہیں۔

۱۸۸۸ء میں اسکاٹ لینڈ کے ایک باشندہ ڈنلپ نے سوچا کہ ایسے ٹائر ایجاد کئے جائیں جن میں ہوا بھری ہو۔ اس سے پہلے موٹروں وغیرہ میں ایک سخت قسم کا ربر استعمال کیا جاتا تھا۔ تم اب بھی اس کو بچوں کی تین پہیوں کی سائیکل میں دیکھ سکتے ہو۔ اس قسم کے ربر سے سائیکل بہت اچھلتی تھی۔ آخر ڈنلپ کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اس نے وہ ٹائر ایجاد کر دیا

ایک انگریز باشندے وک ہام نے سوچا کہ ربر کی پیداوار دوسرے ممالک میں بھی ہونی چاہیے اس لئے اس نے جنوبی امریکہ کے کچھ بیج اور درخت لندن میں منگوائے۔ خدا کی قدرت وہ لگ گئے اور وہاں سے ہندوستان، سیلون اور سنگاپور لائے گئے۔

جرمنی میں مختلف قسم کے مسالوں سے ربر تیار کیا جاتا تھا مگر وہ اس قدر اچھا نہیں ہوتا تھا جس قدر کہ درخت کے شیرے سے بنا ہوا قدرتی ربر۔

ربر کئی کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ قسم قسم کے جوتے اور ربر کے گولے، گیندیں، ٹائر اور ٹیوب۔ غرض سینکڑوں چیزیں اس سے بنتی ہیں۔ تم نے غلیل تو بنائی ہوگی لو بھئی! تمہاری غلیل میں بھی ربر آگیا۔ اب تم ہی بتاؤ اگر ربر نہ ہوتی تو کس قدر دقتیں پیدا ہوتیں۔ مگر اب لڑائی کی وجہ سے اس کے دام دگنے تگنے ہوگئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ملایا میں ربر بہت پیدا ہوتا تھا اور وہاں جاپان کا قبضہ ہوگیا۔

(ترجمہ انگریزی)

ہمارا شاعر

مولانا محمد شفیع الدین صاحب نیر

از م۔ ع اسعد سدیدی ایولہ

دُنیا میں ہو ہمیشہ نیر کا بول بالا
ہر وقت اُن کو رکھنا مسرور میرے مولا
بچوں کی تربیت کا ہے اُن کو دھیان یارب
بچوں کی شاعری میں ہر وقت ہیں وہ کوشاں
بچوں کا تحفہ گویا ہے قیمتی خزانہ
بچوں کے راہبر ہیں بچوں کے رہنما ہیں
نظمیں ہیں اُن کی ساری دلکش اچھوتی پیاری

ہو ان کی شان عالی رتبہ ہو اُن کا اعلا
ہونے نہ پائیں نیر رنجور میرے مولا
اُن کی بڑھا ہمیشہ توقیر و شان یارب
بچوں کی تربیت کے جی جان سے ہیں خواہاں
توصیف کے ہے قابل یہ اُن کا کارنامہ
ملت کے اور وطن کے وہ درد آشنا ہیں
ہے لائق ستائش اُن کی ادب نگاری

اسعد کی یا الٰہی مقبول یہ دُعا ہو
ہر وقت شاد و خرم نیر سا رہنما ہو

مدغاسکر
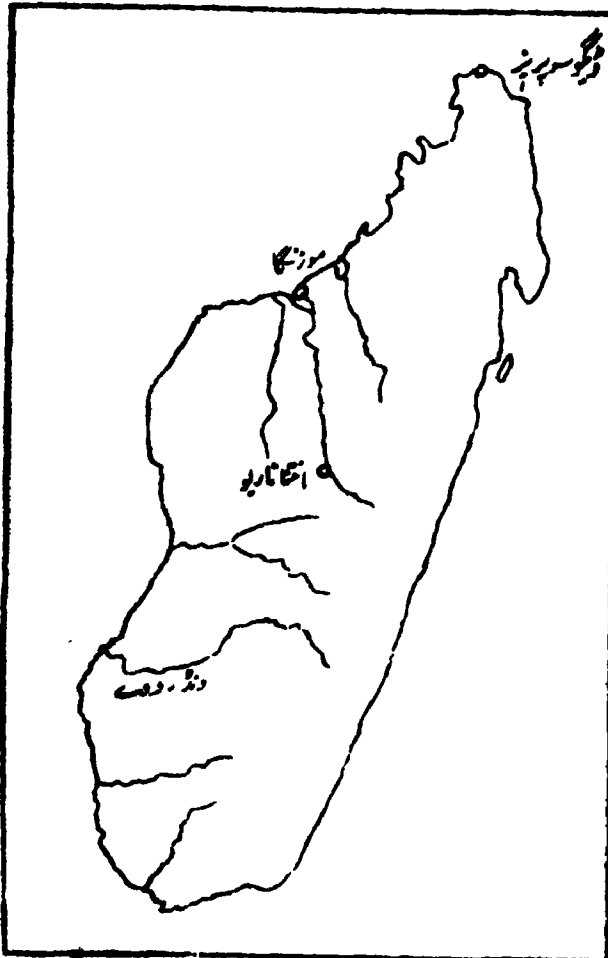
مدغاسکر بحرِ ہند میں بہت بڑا جزیرہ ہے یوں سمجھو کہ آسٹریلیا کے بعد بس اسی کا نمبر ہے۔ یہ افریقہ کے پورب میں ہے۔ افریقہ کے اور اس کے درمیان موزمبیق کی آبنائے ہے۔ جزیرے کے پچھم میں بڑے بڑے دریا ہیں، جھیلیں ہیں، جنگل ہیں۔ اور دھاتوں کی کانیں ہیں۔ پورب میں پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ ان پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹی ۹۴۹۰ فٹ بلند ہے جزیرے کی لمبائی کوئی ایک ہزار اور چوڑائی ۳۶۰ میل ہے۔ کل رقبہ ۴۹۰۱۴۲ مربع میل ہے۔ جزیرے کے مغربی کنارے پر زمین نیچی ہے اور کھیتی کے قابل ہے پہاڑوں کی وادیوں میں مویشی بھی پلے جا سکتے ہیں۔ میدانی علاقے کی آب و ہوا گرم ہے۔ پہاڑوں پر سردی ہوتی ہے۔ پچھم اور دکھن کے علاقوں میں زمین اچھی ہے لیکن کھیتی کم ہی ہوتی ہے۔ خاص پیداوار دھان ہے روئی، گنا، کافی اور تمباکو بھی پیدا ہوتی ہے۔ ربڑ کے درخت بھی ہیں۔ ریشم بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہاں ایک قسم کی سیم ہوتی ہے اس کے بیج اتنے بڑے ہوتے ہیں جتنا تمھارا پیسہ۔ یہ کھانے میں بہت مزے دار ہوتے ہیں جنگل میں بہت اچھی قسم کے درخت ہیں۔ ان درختوں میں ایک خاص چیز تاڑ کا درخت ہے۔ اس کے پتے بہت

بڑے بڑے اور پنکھے کی طرح پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

اِن بہت کو کاٹنے سے ٹھنڈا میٹھا پانی نکلتا ہے مسافروں کے لئے تو یہ آبِ حیات ہے۔

ان جنگلوں میں ہر قسم کے جانور اور اژدہے پائے جاتے ہیں۔ یہاں ایک قسم کا بس کھڑا موتا ہے جس کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ ایک اور جانور لیمور ہوتا ہے یہ کچھ کچھ بندر سے ملتا جلتا اور کچھ کچھ بلی کے مشابہ ہوتا ہے۔ ندیوں اور دریاؤں میں گھڑیال بہت پائے جاتے ہیں۔ جزیرے کی آبادی کوئی چالیس لاکھ ہے۔ ان میں کُل چالیس ہزار یورپ کے لوگ خصوصاً فرانسیسی ہیں۔ کچھ عرب اور حبشی بھی یہاں آکر آباد ہوگئے ہیں۔ باقی اصل باشندے ہیں جنھیں میلاگاسی کہتے ہیں۔ پہلے یہاں بہت سی قومیں قبیلوں کی شکل میں آباد تھیں۔ ان میں ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ پھر دریاؤں اور پہاڑوں پر قابو حاصل کرنے کے بعد میل جول بڑھا تو لڑائیاں بھی شروع ہوئیں۔ آخر ایک پہاڑی قوم کے سردار نے پورے جزیرے پر اپنی سلطنت منوالی۔ ۱۸۹۶ء میں جب فرانس نے اس پر قبضہ کیا ہے تو اس قوم کی ایک ملکہ جزیرے پر حکومت کرتی تھی۔

مڈغاسکر کے دارالسلطنت کا نام عجیب و غریب ہے "انتناناریو" یہ پہاڑ پر واقع ہے۔ آبادی کوئی ایک لاکھ پچیس ہزار۔ دوسرا اہم شہر تامیتو ہے۔ اس کی آبادی چوبیس ہزار ہے۔ شمالی مغربی کنارے پر ایک بندرگاہ ہے موزنگا۔ اِس کے شمال میں اس سے بھی اہم بندرگاہ ڈیگو سوارز ہے۔ یہ دُنیا کی بہترین بندرگاہوں میں ایک ہے۔ یہاں فرانسیسی بیڑہ رہتا ہے یہاں سے بحری بیڑے کے جہاز بحرِ ہند کے مشرقی اور شمالی مغربی سمندر پر حملہ کرسکتے ہیں۔

یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ فرانس کی حکومت جرمنی سے ہارنے کے بعد بہت کم زور ہوگئی ہے علاوہ اس کے جاپان اور جرمنی کے اثر میں ہے اور شاید یہ بھی تمھیں معلوم ہو کہ آج کل انگریزوں کے تجارتی جہاز ہندوستان کی طرف نہر سوئز کی طرف سے نہیں بلکہ اُسی راستے سے آرہے ہیں۔

اگر جرمنی یا جاپان فرانس پر دباؤ ڈال کر اس پر قبضہ کر لیتے تو پھر یہ راستہ بھی خطرناک ہو جاتا۔ اور انگریزوں کے لئے ہندوستان یا آسٹریلیا کو کسی قسم کی مدد پہنچانا بہت کٹھن ہو جاتا۔ اسی لئے انگریزوں نے اس بحری اڈے پر قبضہ کر لیا۔ اور اب انھیں اس راستے کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔

انگریزوں نے وعدہ کیا ہے کہ لڑائی کے بعد یہ علاقہ فرانس کو واپس کر دیا جائے گا۔

اِمدادِ باہمی

محمد وسیم خاں کان پور

مشہور ہے کہ اگلے زمانے میں ایک بستی تھی جس میں ایک لاکھ آدمی رہتے تھے اور ہر آدمی لکھ پتی تھا۔ جب اس بستی میں کوئی نیا آدمی آتا تو وہ بھی لکھ پتی ہو جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شہر کے آدمی اس نئے بھائی کو اپنے پاس سے ایک ایک اینٹ دے دیتے تھے جس کی وجہ سے ایک لاکھ اینٹوں کا محل بن جاتا تھا اور دینے والے کو کچھ مشکل بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ ایک ایک روپیہ اسے دے دیتے تھے وہ بھی لکھ پتی ہو جاتا تھا اور دینے والے پر بھی کچھ بار نہیں ہوتا تھا۔

درخت میں خزانہ

محمد وحید الدین صدیقی

کسی جنگل میں دو میاں بیوی رہتے تھے۔ یہ بہت غریب تھے۔ ان کا ایک لڑکا تھا اور بہت ہوشیار اور ذہین۔ جب ماں باپ بوڑھے ہو گئے تو انھوں نے اپنے بچے سے کہا کہ جنگل جاکر لکڑیاں کاٹے اور انھیں بیچ کر کچھ پیسے لائے جو خرچ چلے۔ لڑکا اسی وقت جنگل کو چل دیا، سامنے ایک گھنا درخت دکھائی دیا۔ لڑکے نے فوراً اس پر ایک کلہاڑی ماری۔ جیسے ہی کلہاڑی اس درخت پر پڑی ایک اشرفی نکلی۔ لڑکے نے اشرفی اٹھالی اور دے جاکر ماں باپ کو دے دی۔ ماں باپ بہت خوش ہوئے اور اس کا باپ اسی وقت کلہاڑی لے جاکر اس درخت کو کاٹنے لگا۔ ایک دم ایک خزانہ اس کے سامنے آگرا، اور آواز آئی "اس خزانے کو لے جاکر اپنی زندگی آرام سے گذارو"۔ تینوں اس خزانے کو اٹھاکر گھر لے گئے پھر ایک شاندار گھر بنوایا اور اس میں عیش و آرام سے رہنے لگے۔

پھر کوشش کرو

ریاض حسین۔ انبالہ شہر

اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ بروس نامی پریشان اور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ تاجدار بادشاہ تھا

مگر اس کا دل بیٹھا جارہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بڑا کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس سے اُس کی رعایا خوشحال ہو مگر وہ کامیاب نہ ہوا تھا۔

اس نے نا اُمید ہو کر کہا "میں اس کام کو چھوڑ دوں گا" ٹھیک اُسی وقت ایک مکڑی اوپر سے گری۔ بادشاہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، یہ دیکھنے کے لئے رُک گیا کہ اب مکڑی کیا کرے گی۔

مکڑی کا آشیانہ اونچی چھت میں تھا۔ اور وہ ریشمی باریک سوت سے لٹک رہی تھی۔ بادشاہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ مکڑی جالے پر کس طرح پہنچے گی

مکڑی رینگ کر اوپر چڑھنے لگی، وہ بار بار گرتی اور آہستہ آہستہ ایک ایک گز اوپر چڑھتی رہی اور وہ اس طرح پورے نو بار گری بادشاہ نے خیال کیا کہ اب نہ چڑھے گی۔ لیکن وہ کوشش کرتی رہی اور اوپر چڑھ گئی۔ بادشاہ چلا اٹھا شاباش! شاباش!! جو دل لگا کر کوشش کرتے ہیں وہ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اس مکڑی نے مایوسی کی پرواہ نہ کی، وہ فتح یاب ہوگئی۔ اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ بروس نے اپنے دل کو مضبوط کر لیا اور بیان کرتے ہیں کہ آخر وہ کامیاب ہوگیا۔

(ترجمہ)

ایک ایڈیٹر اور شرابی

سید شبر حسن، بگراسی

ایک ایڈیٹر نے اپنے اخبار میں شراب کی بُرائی لکھی۔ ایک شرابی کو پڑھ کر غصہ آگیا۔ پھر کیا تھا سیدھا ایڈیٹر کے کمرے میں پہنچا اور گرج کر بولا "ایڈیٹر کہاں ہے"۔ ایڈیٹر نے باتوں باتوں میں تمام حال معلوم کر لیا۔ اور جواب دیا "آپ تشریف رکھئے میں ابھی ایڈیٹر کو بھیجتا ہوں"۔ اتفاقاً دروازے سے نکلتے ہی ایک اور شرابی مل گیا۔ اُس نے بھی ایڈیٹر کا پتہ پوچھا۔ اُس نے جواب دیا "ایڈیٹر صاحب اندر ہیں آپ شوق سے تشریف لے جایئے"۔ پھر کیا تھا اندر پہنچتے ہی دونوں شرابی گتھم گتھا ہو گئے۔ جب اچھی طرح مار پیٹ کے بعد نشہ اُترا اور اصل حقیقت معلوم ہوئی تو شرمندہ ہو کر چلے گئے۔

لطیفے

محمد امین مچھلی شہری

(۱) ایک صاحب کی ودی مجلس میں گم ہوگئی تھی اِدھر اُدھر جھانکتے۔ اتفاقاً ایک طاق کے قریب جا پہنچے۔ اس طاق میں ایک کا سوڑ رکھا تھا۔ آپ نے کارڈ اُٹھا کر دیکھا کہ شاید اس کے نیچے نہ ہو۔

(۲) ایک امیر کے دروازے پر ایک فقیر نے سوال کیا۔ امیر نے اندر سے کہا "بابا اس وقت کوئی نہیں ہے"۔ فقیر نے کہا "پھر یہ بولتا کون ہے؟"

لکڑی کا کام
آپا جان
شیر (۱)
(۱)
خاکی پیلا۔ دُم صرف ایک طرف سے رنگو
لکیریں گہری بادامی۔ پیٹ ہلکا یا بادامی۔ آنکھیں
سیاہ۔ جسم کا باقی حصہ گہرا بادامی۔
دریائی ہاتھی (۲)
(۲)
سر اور سینہ بھورا۔ پورا جسم گہرا
نیلا خاکی۔ لکیریں سیاہ اور ہلکی بھوری
آنکھیں، ناک اور ٹھوڑی سیاہ۔
شتر مرغ (۳)
(۳)
ہرا اور بھورا۔ سفید کالے
دھبے۔ پیر جسم اور گردن سرخی لئے ہوئے
بادامی۔ دُم کے پر سیاہ اور سفید۔ آنکھیں
اور چونچ سیاہ

(ایڈیٹر)

پیاری بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست۔

ہمیں بہت افسوس ہے کہ ایکے کئی مہینوں سے پیام تعلیم تمھیں وقت پر نہیں مل رہا ہے۔ اس مرتبہ تو بہت ہی دیر ہو گئی بات یہ ہوئی کہ دلی میں کاغذ کے ملنے میں دقت ہوئی تو باہر سے انتظام کیا گیا۔ لیکن وہ بھی ابھی تک نہ پہنچ سکا اس لئے کہ مال گاڑیاں آج کل فوجی سامان لانے لے جانے میں مصروف ہیں۔ انھیں تجارتی سامان لادنے کی بہت کم فرصت ملتی ہے۔ ادھر دلی میں ہڑتال شروع ہو گئی۔ کاغذیوں کی دکانیں خاص طور سے دیر میں کھلیں۔ خدا خدا کرکے کاغذ ملا تو پیام تعلیم چھپنے کی نوبت آئی۔ تمھارے معمّے پر اس کا خاص طور سے اثر پڑ رہا ہے۔ خیر اب تم معمّا نمبر ۳۴ ۲۵ ستمبر تک حل کرکے بھیج دو۔

جرمنی اور روس کی لڑائی میں برابر شدت ہی پیدا ہو رہی ہے۔ جرمنی کاکیشیا پر قبضہ کرنے کے لئے پورا زور لگا رہا ہے۔ روسی فوجوں نے سخت مقابلے کے باوجود کچھ شہر خالی بھی کر دئے ہیں اور جرمن فوجیں کاکیشیا کی سرحد میں گھس آئی ہیں۔ لیکن جرمنی کو اسٹالن گراڈ اور وارونیش کے فتح کرنے میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اب سنا ہے کہ جرمنی وارونیش سے ۱۰۰ میل شمال مغرب لڑائی کا ایک اور محاذ قائم کر رہا ہے۔

جاپان کا رُخ آج کل آسٹریلیا کی طرف ہے۔ ادھر امریکہ نے سالمن جزیروں میں سے کئی جزیرے جاپان سے چھین لئے۔ جاپان نے ان میں سے ایک جزیرے پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی تو امریکہ کی فوج نے سخت مقابلہ کیا۔ اور جاپانیوں کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ اس حملے میں سات سو (۷۰۰) جاپانی مارے گئے اور بہت سا نقصان ہوا۔

افریقہ میں آج کل دونوں طرف آیندہ لڑائی کے لئے تیاری ہو رہی ہے۔ ویسے چھیڑ چھاڑ برابر جاری ہے۔

مسٹر چرچل اس لڑائی کے دوران میں اہم مشورے کے سلسلے میں کئی دفعہ امریکہ جا چکے ہیں۔ اس مرتبہ وہ اسٹالن کے بلانے پر ماسکو بھی گئے۔ راستے میں مصر میں بھی ٹھہرے۔ مصر میں انھوں نے میدان جنگ کا معائنہ کیا فوجی

افسروں سے ملے اور مصر کے وزیروں اور پنجاب کے وزیر اعظم سر سکندر حیات خاں سے بھی ملاقات کی۔ ماسکو میں انشان کے علاوہ امریکہ کے نمائندے اور ہندوستان کے کمانڈر انچیف بھی مشورے میں شریک تھے۔

روس پر جب لڑائی کا دباؤ زیادہ ہوا ہے وہ برابر اپنے ساتھیوں کو مشورہ دے رہا ہے کہ یورپ میں لڑائی کا دوسرا محاذ قائم کیا جائے اس طرح جرمنی کی توجہ بٹ جائے گی اور روس کو ذرا سانس لینے کا موقع مل جائے گا انگلستان اور امریکہ کے لوگ بھی اس پر اصرار کر رہے تھے آخر تجربے کے طور پر ایک مہم تیار کی گئی اور کناڈا، امریکہ، آسٹریلیا کی بلی جلی فوجیں فرانس کے ایک مقام ڈیپ پر اتر گئیں۔ یہاں اُن کا بہت سخت مقابلہ ہوا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انگلستان کے ۹۵ اور جرمنی کے ۷۰ سے زیادہ ہوائی جہاز تباہ ہوئے۔ بہرحال یہ مہم اپنا کام کر کے بہت کامیابی کے ساتھ واپس آئی۔

ہندوستان میں پچھلے چند دنوں حالت بہت گڑبڑ رہی۔ وجہ یہ ہوئی کہ کانگریس نے آخر کار اپنی مکمل آزادی کی تجویز پاس کر دی۔ کرپس مشن کے بعد کانگریس کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ وہ انگریزوں سے کہہ رہی تھی کہ لڑائی کی تیاریوں میں نئی جان اور تازہ جوش بھی پیدا ہوگا جب ہندوستانیوں کی صحیح معنوں میں اپنی حکومت ہوگی۔ انگریز کہتے تھے ایسے نازک وقت میں کوئی ایسی اہم تبدیلی بہت مشکل ہے۔ ہاں لڑائی کے بعد تم بالکل آزاد ہو۔ مگر کانگریسی کہتے تھے نا صاحب کیا معلوم لڑائی کے بعد کوئی اور گتھی پڑ جائے اور آپ کہیں ہم تو شروع سے کہہ رہے ہیں کہ لڑائی کے بعد ہم تمہیں کامل آزادی دیں گے مگر یہ رکاوٹ پڑ گئی ہے اور ہم مجبور ہیں۔ اس لئے ہم تو ابھی آزاد ہونا چاہتے ہیں اور اس نے بمبئی میں اپنی تجویز پاس کر دی اور ہاں اُس نے یہ بھی کہا کہ ہم تو صرف آزادی چاہتے ہیں۔ حکومت کرنے کی ہوس نہیں ہے۔ کامل آزادی کے بعد مسلم لیگ بھی وزارت قائم کر سکتی ہے۔

انگریزوں کو کانگریس کا یہ فیصلہ ایک آنکھ نہ بھایا اُس نے فوراً مہاتما گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے بہت سے کانگریسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا اس پر ملک میں بہت جوش پیدا ہو گیا۔ جگہ جگہ گولیاں چلیں ہڑتالیں ہوئیں۔ کہیں کہیں ریلوے اسٹیشن، ڈاک خانے اور دوسری سرکاری عمارتیں لوٹی یا جلائی گئیں۔ ٹیلیفون اور بجلی کے تار کاٹے گئے ریل کی پٹریاں اُکھاڑی گئیں غرض ایک طوفان بدتمیزی مچ گیا۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ کانگریس نے اپنا پروگرام ابھی شروع بھی نہیں کیا ہے۔ اِدھر مسلم لیگ کا رویہ حسب دستور ہے۔ اُسے کانگریس سے خاص چڑ ہے اُسے وہ ہندو جماعت کہتی ہے، چنانچہ مسٹر جناح اور اُن کی ورکنگ کمیٹی نے مسلمانوں کو کانگریس کی تحریک سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا ہے اس لئے کہ کانگریس ہندو جماعت ہے اور ہندو راج چاہتی ہے۔ البتہ اُنھوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان کی اسکیم تسلیم کر لی جائے اور حکومت کے موجودہ ڈھانچے میں اہم تبدیلی کی جائے۔

"محمد حسین حسان"
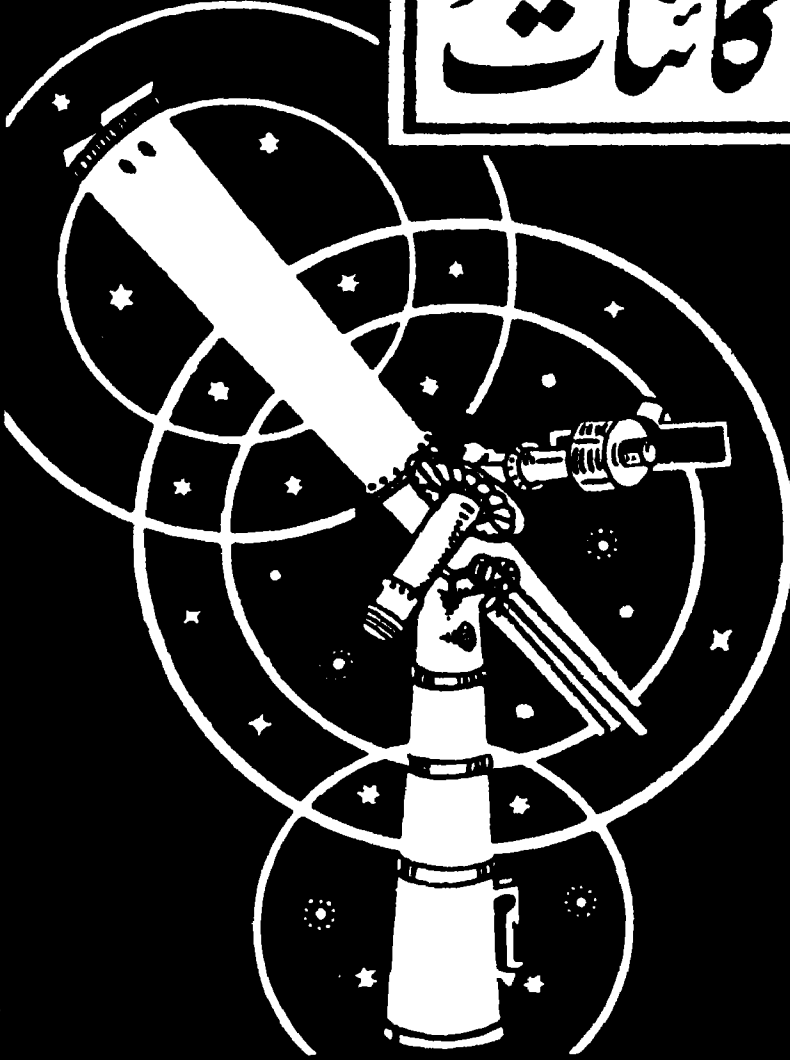
پیام تعلیم
کتبہ جامعہ دہلی
۱۲۲

پیام تعلیم
دہلی، یوپی، سی پی، بہار، رامپور، قلات، بنگال، میسور، حیدرآباد، سندھ
کشمیر اور پنجاب کے محکمہ ہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"
جلد ۲۷ - نمبر ۱۰
فہرست مضامین
۱ بچوں سے باتیں
۲ عظیمہ کی ترقی
۳ انوکھی بچی
۴ دنیا والوں کے پھل
۵ پردے کے پیچھے
۶ کات کر لاؤ
۷ برسات کی شام
۸ اسکول
۹ پہلا روزہ
۱۰ بچوں کی کوششیں
۱۱ لکڑی کا کام
۱۲ قفقاز
۱۳ بلی کے کھیل
۱۴ تیلیوں کے کھیل
۱۵ پیام برادری
ایڈیٹر
مریم جمیل
محمد شفیع الدین نیر
پروفیسر محمد عبدالغفور
ماسٹر اشتیاق محمد
فیروز آرائش
فیروز بنگلوری
شجاع احمد قائم
آپا جان
علی احمد صاحب
ریاض الرحمن لکھنؤ
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۷
۲۶۱
۲۶۴
۲۶۸
۲۷۰
۲۷۳
۲۷۶
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
ایڈیٹر
محمد حسین حسان
اکتوبر ۱۹۴۲ء
قیمت سالانہ عہ - فی پرچہ ۳ر
پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

یہ پرچہ جب وقت تمھیں ملے گا۔ عید کی آمد آمد ہوگی۔ اور تم عید کی تیاریوں میں مصروف ہوگے ہماری طرف سے ابھی سے عید کی مبارک باد قبول کرو۔

دفتر سے معلوم ہوا ہے کہ پچھلا پرچہ پیامیوں کو اتنی دیر میں ملا کہ وہ معمے کو حل کرنے کے لئے پورا وقت نہ نکال سکے۔ دفتر میں ابھی تک ۲۱ ستمبر بہت کم معمے وصول ہوئے ہیں۔

معما بنانے والے صاحب نے ہمیں مشورہ دیا ہے کہ موجودہ معمے کی تاریخ بڑھادی جائے۔

جو پیامی وقت کی تنگی کی وجہ سے حل نہیں بھیج سکے ہیں انھیں معما بنانے والے صاحب نے ۱۵ر اکتوبر تک حل بھیجنے کی اجازت دی ہے۔

انھی کے مشورے کے مطابق نیا معما بھی اس پرچے میں نہیں چھپ رہا ہے انشاء اللہ اگلے پیام تعلیم میں چھپے گا۔

پیام تعلیم کے سالنامے کی تیاری کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ اس سے پہلے ہم تمھیں بتا چکے ہیں کہ اب کے سالنامے میں سائنس پر مضمون زیادہ ہوں گے۔ جن پیامیوں کو سائنس سے دلچسپی ہو اور مضمون لکھ سکتے ہوں لکھ کر بھیج دیں۔ مضمون جس قدر مختصر اور آسان ہوگا اتنا ہی اس کے چھپنے کا زیادہ امکان ہوگا۔

ہمیں ابھی معلوم ہوا ہے کہ معما نمبر ۲۱ میں ایک غلطی رہ گئی ہے۔ یعنی نمبر ۹ کا اشارہ دائیں سے بائیں والے اشاروں میں لکھا جانا چاہیے تھا۔ غلطی سے وہ "اوپر سے نیچے" والے اشاروں میں لکھ دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ پیامی معما حل کرتے وقت اس کا خیال رکھیں گے۔

مریم خلیل لکھنؤ

مامی نے اک مُرغی بٹھائی — ٹوکری اُوپر سے اوندھائی
انڈے اُس کے نیچے رکھے — انڈوں سے پھر بچّے نکلے
بائیس دن میں بچّے نکلے — چوں چوں کرتے چوں چوں کرتے
کیسے اچھے بھولے بھالے — ننھے مُنّے بھولے بھالے
لال تھا کوئی، کوئی تھا پیلا — کوئی سفید اور کوئی نیلا
چیلیں جو منڈلاتی آئیں — ڈنڈا لے کر میں نے بھگائیں
تی تی تی تی ، تی تی تی تی — آجا آجا پیاری مُرغی
مُرغی دانہ کھانے آئی — بچّوں کو بھی ساتھ میں لائی
ہاتھ سے دانہ میں نے کھلایا — اور بہت ہی پاس بُلایا
دیکھ کے اچھا سا اک بچہ — مارا اُس پہ میں نے جھپٹا

جیسے ہی میں نے ہاتھ لگایا
چیں چیں چیں چیں چیں وہ چلایا

مُرغی کوں کوں کرتی آئی
ہاتھ میں میرے ٹھونگ جمائی

غصّے سے وہ پھول گئی تھی
اپنی خودی کو بھول گئی تھی

مٹھی میں بچّے کو دبوچے
بھاگی میں پھر نیم کے نیچے

آگے میں اور پیچھے مُرغی
کیں کیں کیں کیں، کھی کھی کھی کھی

صحن کا پورا گشت لگایا
مُرغی کو اک ناچ نچایا

خوب ہی اس کو پھر دوڑایا
گھر بھر میں اک شور مچایا

یوں ہی اس کو خوب بھگایا
جس نے دیکھا وہ چلّایا

سب کو خفا جب ہوتے دیکھا
چھوڑ دیا بس صحن میں بچّہ

بچّہ بھی بے چین سا کچھ تھا
تول کے پر اِک سمت کو دوڑا

مُرغی کو جو آتے دیکھا
دوڑ کے اُس کے پاس وہ پہنچا

مُرغی نے بچّے کو بُلایا
اور گلے سے اپنے لگایا

چونچ سے اس کو پھر کھِلایا
اور پروں میں اپنے چھُپایا

کیسی اچھّی میری مُرغی
کھیل کھِلونے ساتھ میں لائی

انوکھی بچی یین

محمد شفیع الدین نیّر

چین کے ٹلینگ خاندان کے زمانے میں ایک سپہ سالار نیا نامی رہا کرتا تھا۔ اُس کے پاس دولت کی افراط تھی۔ بڑے بڑے محل تھے۔ بہت سی جائداد تھی پھر بھی وہ غمگین تھا۔ اس کی عمر پچاس برس کی ہوگئی تھی اُس کے ہاں کوئی بیٹا پیدا نہ ہوا تھا۔ بس ایک لڑکی تھی۔ اس کا نام یین تھا۔ یہ بہت ہوشیار تھی۔ اور جیسے کہ ایک پرانی کہاوت ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ہاتھ میں ہیرے کی طرح قیمتی تھی۔ پھر بھی نیا کی تمنا تھی کہ اُس کے ہاں کوئی بیٹا پیدا ہو۔

یین کی دسویں سال گرہ پر، اس کے ماں باپ نے اس خوشی میں ایک بہت بڑی دعوت کی۔ اس میں بہت سے مہمان شریک ہوئے۔ ان میں بہت سے نیا کے رشتے دار اور ساتھی عہدے دار شامل تھے ان زرق برق لباس پہنے ہوئے لوگوں کی چہل پہل اُن کی آوازوں کی گونج بہت جوش پیدا کر رہی تھی نیا نے اپنی بیٹی سے کہا کہ "باہر آکر مہمانوں کو خوش آمدید کہو۔" سب نے اُس کے حُسن اور اُس کے اخلاق کی تعریف کی۔

مہمانوں نے کہا۔ "خدا کا آپ پر یہ بڑا فضل ہے۔ آپ کی بیٹی دنیا بھر میں بے مثل ہے۔" نیا نے مُسکرا کر اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اور افسردہ ہو کر کہا "یہ ہماری بیٹی ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے لیکن ہماری تمنا یہ ہے کہ ہمارے ہاں بیٹا ہو۔ میں نے جوانی میں سپہ گری میں مہارت حاصل کی ہے۔ میں نے اپنے مُلک کی نمایاں خدمتیں انجام دی ہیں۔ مگر میرے کوئی بیٹا نہیں ہے جو اس ترکے کا وارث ہو اور میری پیروی کرے۔ یہ چھوٹی اور نازک لڑکی گھوڑے پر سوار ہو کر کمان کو کس طرح جھکا سکتی۔ اور اپنے باپ کی طرح دشمن کو کس طرح مار سکتی ہے۔"

اس کے مہمانوں نے یہ کہہ کر اس کو تسلی دی "آپ ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے وہ پرانی کہاوت نہیں سُنی۔ اژدہے کے ہاں اژدہا۔ اور عنقا کے ہاں عنقا ہی پیدا ہوتا ہے۔ یقین نہیں کہ آپ جیسے آدمی کی بچی معمولی بچی نکلے گی۔ جب یہ بڑی ہو جائے گی تو آپ کی عمدہ تربیت سے یہ غیر معمولی کمال حاصل کرے گی۔ ایسا کمال جو معمولی عورتوں کو حاصل نہیں ہوتا جن کا علم گھر کی چار دیواری تک محدود رہتا ہے۔"

یہ لوگ آپس میں اس قسم کی باتیں کر رہے تھے

کو دربان نے آکر نیا کو خبر دی کہ ایک بھکشنی دروازے پر کھڑی ہے وہ اپنے آپ کو آپ کا رشتے دار بتاتی ہے۔ وہ آپ کی بیٹی کی سال گرہ کی خوشی کا حال سُن کر آپ کو مبارک باد دینے آئی ہے۔ نیا کسی طرح سمجھ نہ سکا کہ اس کی کوئی رشتہ دار ایک بھکشنی بھی ہے۔ لیکن یہ خیال کر کے کہ شاید میں اُسے بھول گیا ہوں اُس نے حکم دیا کہ اُس کو زنان خانے میں لے جاؤ۔ وہاں میری بیوی عورتوں کا خیر مقدم کر رہی ہیں۔ اس کی بیوی مہاتما بدھ کی بہت معتقد تھی وہ ان کی کتابیں پڑھا کرتی تھی اس نے بڑے جوش سے اس بھکشن کا استقبال کیا۔ یہ بھکشن اُس کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ لیکن اپنی وضع کے لحاظ سے نہایت شان دار تھی۔ دُنیا کی خرابیوں سے پاک معلوم ہوتی تھی۔ اور اُن بھکشنیوں سے بالکل الگ تھی۔ جو اس کے پاس بھیک مانگنے آیا کرتی تھیں نیا کی بیوی نے اُسے اونچی جگہ بٹھایا اور پوچھا کہ آپ کا دیار کہاں ہے؟ بھکشن نے جواب دیا "میں ہر جگہ یوں ہی گھومتی پھرتی رہتی ہوں۔ کبھی شہر میں کبھی پہاڑوں پر۔ میرا کوئی خاص دیار نہیں ہے۔ یہاں میں مبارک باد دینے، اور تمھاری لڑکی کو دیکھنے کی عزت حاصل کرنے آئی ہوں۔ کیا میں ایسا کر سکتی ہوں؟"

میزبان خاتون نے کہا "ہاں ہاں۔ کیوں نہیں اور اپنی لڑکی کو بلایا، اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اس بھکشن کے لئے کھانا پروسا جائے۔

وہ بچی آئی اُس نے اس بھکشنی کو بڑے غور سے دیکھا اور اس کی تعریف کی۔ پھر تھوڑی دیر گہرے سوچ میں رہ کر اپنی میزبان سے کہا۔

"مجھے ایک بات آپ سے کہنی ہے۔ اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو بُری لگے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ آپ کی یہ لڑکی بہت ہی بہادر پیدا ہوئی ہے۔ اچھی تربیت سے یہ قوم کی رہبر بن سکتی ہے اور قوم کو اپنی غیر معمولی قوت کی بدولت خطروں سے بچا سکتی ہے۔ کیا آپ مجھے اس بات کی عزت دیں گی کہ میں کسی دیار میں لے جاکر اسے تربیت دوں"

میزبان پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ اُس کے لئے بات کرنا مشکل ہوگیا اور نوکرنیوں نے ناراض ہو کر کہا۔

"یہ ہمارے مالک کی اکلوتی بیٹی ہے۔ یہ اُس کی آنکھوں کا نور ہے۔ تمھارا یہ ظلم ہے کہ تم اس کو لے جانا چاہتی ہو"

"میں اسی لئے تو لے جانا چاہتی ہوں کہ اس کے ماں باپ کو اس سے بہت محبت ہے اور یہاں بہادرانہ زندگی گذارنے کی تربیت اس کو نہیں مل سکتی" بھکشنی بولی۔

میزبان نے کہا۔ "بس اور کچھ نہ کہو، یہ ہماری پیاری لڑکی ہے اور ہمیں اس کی جدائی ایک پل کے لئے گوارا نہیں ہے"

بھکشن نے کہا "دیکھئے میں آپ کو بتلائے دیتی ہوں کہ بہتر یہی ہے کہ آپ اس بات کو مان لیں۔ اگر آپ نے نہ مانا تو میں زبردستی لے جاؤں گی"

یہ سُن کر نیا کی بیوی کے ہاتھوں کے طوطے

اُڑ گئے۔ اسی وقت اُس نے اپنے شوہر کو بلایا جب وہ اندر آیا اور اس نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو غصے کے مارے اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا اس نے ہاتھ سے بھکشنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

بھکشنی بولی "میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ میری یہ درخواست قبول کر لیں۔ میں نے آپ کی بیٹی کو دیکھا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ آیندہ آپ کی قوم کی ایک بہادر رہنما بنے گی، اس لئے میں آپ کی بیوی سے درخواست کر رہی ہوں کہ خاص تربیت کے لئے وہ اسے کو میرے ساتھ جانے دیں:

تیا نے طیش میں آکر کہا " یہ میری بیٹی ہے! تم ایسی تجویز کیوں پیش کرتی ہو؟ یہ نہیں ہو سکتا! یہ نہیں ہو سکتا!!"

بھکشنی نے پھر گرم ہو کر کہا " میں تو آج یہاں آئی ہی اس لئے ہوں کہ آپ کی بیٹی کو لے جاؤں۔ وہ یہاں رہ کر وہ کام انجام نہیں دے سکتی جو میرے ساتھ جا کر دے سکتی ہے اگر آپ نے اجازت نہ دی تو بعد میں پچھتانا پڑے گا"

تیا کا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور اُس نے چیخ کر کہا،

"کیا بکتی ہو! اگر میں اجازت نہ دوں تو تم میرا کر ہی کیا سکتی ہو؟"

"اگر آپ خوشی سے مجھے نہیں لے جانے دیں گے تو میں اسے اُڑا کر لے جاؤں گی۔ میں آج اسے بغیر لے جائے نہ رہوں گی۔ چاہے آپ اس کو لوہے کے صندوق میں قفل لگا کر کیوں نہ بند کر دیں"

تیا کو اتنا طیش آیا کہ اُس نے اپنا ہاتھ اُسے مارنے کے لئے اُٹھایا۔ لیکن اچانک وہ بھکشنی نظروں سے غائب ہو گئی۔

اب تیا اور اُس کی بیوی نے محسوس کیا کہ یہ بھکشنی روح تھی جو بھیس بدل کر آئی تھی۔ اور اس لئے ہم کو احتیاطی تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ کیونکہ وہ آج رات کو ہماری لڑکی کو چرا کر لے جانے کے لئے آئے گی۔ اُس نے ین کا پلنگ گھر کے بیچ کے حصے میں بچھوا دیا اور دروازے کے باہر ایک درجن نوکر پہرے پر کھڑے کر دئے تاکہ وہ رات بھر جاگ کر حفاظت کریں۔ اس کمرے میں آٹھ بڑی بڑی شمعیں بھی روشن کی گئیں اور چار خادماؤں کو اس بات پر مقرر کیا گیا کہ بستر کے چاروں طرف کھڑی رہ کر رات بھر اس کی حفاظت کریں۔

لیکن یہ سب تدبیریں بیکار رہیں! ین بڑی گہری نیند میں تھی۔ بڑی بڑی شمعوں کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی اور چاروں خادمائیں اُس کے حسین چہرے پر ٹکٹکی لگائے ہوئے تھیں۔ کہ رات کے بارہ بجے کا وقت آگیا ادھر گھنٹے نے ٹن کیا اُدھر وہ غائب ہو گئی اور اس کا بستر خالی رہ گیا۔

کچھ دیر خادمائیں حیرت کے مارے گونگی بن گئیں۔ پھر خوف کی وجہ سے چیخیں تو پہرے دار دوڑ کر آئے۔ پھر تو بہت ابتری پھیلی۔ اُنھوں نے کمرے کا کونا کونا چھان مارا مگر سب بے کار۔ پھر اُنھوں

نے سارے گھر میں تلاش کیا تیا اور اس کی بیوی اور گھر کا ہر ایک آدمی اس کی تلاش میں لگ گیا۔ تمام دروازوں کو اچھی طرح قفل لگا دیا گیا تھا۔ مکان کی دیواریں بھی بہت اونچی تھیں اس لئے یہ بات ممکن معلوم نہیں ہوتی تھی کہ مین کو کوئی گھر سے باہر لے جا سکا ہو لیکن وہ تلاش کرتے کرتے تھک گئے مگر اس کا کوئی سُراغ نہ لگا

صبح ہوئی تو سپہ سالار کے آدمیوں نے سارے شہر میں تلاش کیا مگر اب بھی کچھ کامیابی نہ ہوئی پھر تیا نے اس کے غائب ہو جانے کا عام اعلان کیا اور دو ہزار اشرفیاں اُس شخص کو دینے کا وعدہ کیا جو اس کا پتہ چلائے اور ایک ہزار اشرفیاں اس کو دینے کے لئے کہا جو یہ پتہ بتا سکے کہ اُسے کہاں تلاش کیا جائے۔ تمام شہر میں ایک جوش سا پھیل گیا۔ وہ مہمان بھی جو پہلے دن آئے تھے اس تلاش میں شریک ہوئے۔

تیا کے ماتحت افسروں نے خاص طور پر اس بات کا بیڑا اُٹھایا کہ وہ مین کو تلاش کرکے رہیں گے چاہے وہ کہیں اور کتنی ہی دُور کیوں نہ ہو امیر غریب سب نے اُس کو تلاش کیا۔ دُور دُور۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا وہ بالکل غائب ہوگئی۔

ماں باپ کا دل اس صدمے سے ٹوٹ گیا۔ کبھی ماں مین کے باپ کو اس بات کا الزام دیتی کہ بھکشنی کی درخواست اُس نے کیوں نہ مان لی یہ ہوتا تو تربیت کے زمانے میں ہم مین سے مل تو لیا کرتے۔ کبھی تیا اپنی بیوی پر یہ الزام لگاتا کہ اُس نے ایک اجنبی بھکشنی کو گھر میں آنے اور مین کو دیکھنے دیا۔ لیکن اکثر وہ دونوں روتے۔ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بغیر کچھ کہے سُنے روتے رہتے۔

مین غائب ہوگئی، خادمائیں حیرت کے مارے گونگی ہوگئیں۔

(باقی آیندہ)

تم نے جواب نہیں دیا

اگست کے پرچے میں ہم نے تمھیں ایک بات بتائی تھی یعنی اپنے گھر میں یا محلے میں کسی بے پڑھے لکھے کو پڑھنا لکھنا سکھا دو۔ یہ بات تم نے پڑھی ضرور ہوگی اور غالباً پسند بھی کی ہو۔ پھر کیا دیر ہے۔ یہ کام آج ہی سے شروع کر دو اور ہمیں اطلاع دو۔ ہم تمھیں بہت مُفید مشورے دے سکیں گے۔ نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔

دنیا والوں کے لئے پھل اور مکھن

محمد عبدالغفور صاحب ایم اے۔ لکچرر ٹریننگ کالج، علی گڑھ

بات چیت میں حصہ لینے والے

رومیش :- ہائی اسکول کا طالب علم۔
شیلا :- (رومیش کی بہن تیسری جماعت میں پڑھتی ہے۔)
منّی :- (ایک چھوٹی سی بچی)

آج اتوار کا دن تھا۔ شیلا کے چچا بازار سے انگور لائے تھے۔ سچ مچ کے انگور۔ کتنا بڑا گچھا۔ ہری

ہری بوتلیں سی ڈنٹھلوں میں لٹک رہی ہیں۔ رس سے بھری ہوئی۔ منّی تو دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئی فرش پر بیٹھی تھی۔ جلدی جلدی گھسٹتی ہوئی چارپائی کے پاس آئی اور پٹی کے سہارے کھڑی ہو کر انگور انگور چلانے لگی۔ شیلا کے چچا نے ایک دانہ اس کے منہ میں ڈال دیا۔ منّی کو یہ بڑے مزے کا لگا۔ میٹھا میٹھا۔ ہاتھ بڑھا بڑھا کر اور اُچک اُچک کر چیخنے لگی۔ ایک ادل ایک ادل (ایک اور ایک اور)

شیلا بولی۔ "چاچا جی یہ تو بڑے ہرے ہرے تازے تازے انگور ہیں۔ جیسے آپ ابھی ابھی پیڑ سے توڑ کر لائے ہوں"۔ شیلا کے چچا نے مسکرا کر جواب دیا "نہیں بیٹی یہ بہت دور سے آئے ہیں۔ بہت ہی دور سے اور وہاں ان کی بیل ہوتی ہے، درخت نہیں ہوتا"۔ شیلا نے تعجب سے پوچھا "اس قدر دور سے آتے ہیں چاچا جی اور پھر ایسے تازے تازے؟" شیلا کے چچا نے کہا "ہاں بیٹی ہے تو تعجب کی بات مگر یہ برف کی گاڑی میں لگ کر آتے ہیں اگر اتنی احتیاط نہ کی جائے تو راستے ہی میں گل سڑ جائیں"۔ شیلا بولی "اوہ چاچا جی آخر اتنی دور سے کہاں سے آتے ہیں"۔ اس پر رومیش بول اٹھا "ابھی اتنے دنوں سے ملت

چائی ہو، اتنا بھی پتہ نہیں، کہ انگور چمن سے آتے ہیں۔
تم سے تو کبوتر ہی زیادہ جغرافیہ جانتے ہیں جو چمن کے
انگوروں کی آواز نکالتے ہیں؟ رومیش نے گھوم کر نقشے پر
انگلی لگائی جو کمرے میں لٹکا ہوا تھا۔ یہ دیکھو چمن یہ
رہا بلوچستان کی سرحد پر۔ اور پھر قندھار جہاں
سے قندھاری انار آتے ہیں؟ (ذرا غور سے دیکھ کر
اور مارے خوشی کے اچھل کر) یہ رہا قندھار! اور

انار
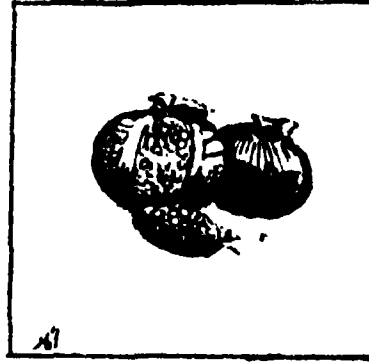
اُس نے کامیابی کی خوشی میں اس زور سے
نقشے پر انگلی لگائی گویا اُسے پھاڑ ڈالے گا۔ اور

سردا
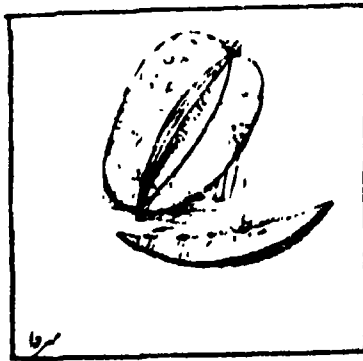
(پھر دیر تک نقشے پر قندھار کے شمال میں آنکھیں چپکائے
ہوئے بولا" کابل کے سردے یہاں ہوتے ہیں۔

اور وہ کابلی جو پستہ، اخروٹ، بادام اور
کشمش بیچتے ہیں۔ یہیں سے تو آتے ہیں اور چاچاجی
بھلا ان میووں کو خشک کر کے خراب کیوں کر دیتے
ہیں۔

اخروٹ — پستہ — کشمش — بادام

اس کے چچا اخبار پڑھ رہے تھے۔ کاغذ
کے اوپر سے آنکھیں جھکاتے ہوئے بولے" واہ
جناب آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہ پھل ایسے ملکوں
کی پیداوار ہیں جو بحیرۂ روم کے خطے کہلاتے ہیں۔
اور وہاں جب پھلوں کا موسم آتا ہے تو پھلوں کا
گویا طوفان آجاتا ہے۔

بحیرۂ روم کے دیس تو تجھے از بر یاد نہیں
یہ دیکھئے نا" رومیش نقشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
بولا" دنیا کے پھلوں کی پیداوار کے نقشے میں ان

سب ملکوں میں ایک جیسا رنگ بھرا ہے۔ اٹلی جنوبی فرانس، اسپین، فلسطین، شام۔"

"ہاں بیٹا یہ ملک تو یوں سمجھو گویا دُنیا کے بڑے میوہ فروش ہیں۔ میرے ایک دوست اٹلی گئے تھے۔ اتفاقاً اُسی زمانے میں انگور کا موسم تھا کہتے تھے کہ راستے میں چھکڑوں پر انگور، پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر انگور، باغوں میں انگور۔ دیواروں پر انگور۔ سڑک کے کناروں پر لکڑی کی جالیوں پر انگور، ریلوے اسٹیشن کے دروازے پر انگور، ہر جگہ سُرخ سُرخ گُچھے سبز پتوں میں سے جھانکتے ہوئے۔ یہی انگور کھٹے کہنے والی لومڑی کا ہی قصور نہیں۔ وہاں تو سب کا جی للچاتا ہوگا تو جب انگور کی یہ کثرت ہو، تو سُکھا کر اسے محفوظ نہ کریں تو کیا کریں"

رومیش دُنیا کے پیداواری نقشے پر ذرا غور سے دیکھ کر بولا "مگر چاچا جی! پھلوں کی پیداوار کا رنگ تو کئی ایک جگہ بھرا ہے۔ بھلا کیا بحیرۂ روم، ان میں سبھی جگہ پایا جاتا ہے؟"

چچا کھل کھلا کر ہنس پڑے "واہ بھئی واہ۔ یہ بھی ایک ہی رہی، بحیرۂ روم نہ ہوا، کوئی بھالو بکھیرا ہوا۔ جو یہاں پایا جاتا ہے۔ اور وہاں نہیں پایا جاتا بیٹا تم سمجھے نہیں۔ یہ رنگ تو نقشے پر ان ملکوں میں بھرا ہے۔ جہاں بحیرہ روم کے خطے جیسی آب و ہوا پائی جاتی ہے۔ دیکھو یہ رنگ کہاں کہاں بھرا ہے۔ آسٹریلیا میں یہ۔ ساؤتھ ویلز" "ہاں ہاں یہ رہا۔ اس کا بڑا شہر ایڈیلیڈ ہے نا؟" "آسٹریلیا کا بڑا پھلوں کا باغ یہی حصہ ہے اور پھر ذرا اس کے نیچے دیکھو۔ تسمانیہ کا جزیرہ ملا؟ اسے (ANTIPODES) کے پھلوں کا باغیچہ کہتے ہیں۔ اور پھر ذرا نقشے میں دائیں طرف تو دیکھو۔ نیوزی لینڈ۔ مل گیا؟ یہ بھی پھلوں کا گھر ہے۔ اس کے علاوہ جنوبی افریقہ۔ کیلی فورنیا اور یونائٹڈ اسٹیٹس کا مشرقی ساحل افغانستان اور جنوبی ایران میں بھی پھل پائے جاتے ہیں۔ ان سبھی مُلکوں میں پھل ہوتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں من باہر بھیجے جاتے ہیں۔"

"چاچا جی! کہاں بھیجے جاتے ہوں گے؟"

"ولایت اور کہاں۔"

"اتنی دور۔ ہاں یاد آیا سُکھا کے بھیجتے ہوں گے؟"

"سُکھا کے نہیں جناب تازہ اور اتنے تازہ گویا ابھی ٹہنی سے ٹوٹے ہوں۔" (باقی آئندہ)

پردے کے پیچھے

از ماسٹر امیر محمد
بی اے، جامعہ

بیٹا:۔ ابا! آج سہ پہر کو جلسے پر کون آرہا ہے؟

باپ (پڑھتا) :۔ وانگ چنگھی۔

بیٹا:۔ یہ وانگ چنگھی کون ہیں؟

باپ:۔ ایک چینی ہیں۔

بیٹا:۔ ابا! کیا آپ چینیوں سے دوستی پیدا کریں گے؟ آپ تو کہا کرتے تھے جاپانی جتنے اچھے ہوتے ہیں چینی ان کے آدھے بھی نہیں ہوتے میرے استاد بھی ہر روز چینیوں کے متعلق ہر طرح کی بیہودہ باتیں بتاتے رہتے ہیں۔

باپ (پڑھتا):۔ بس چپ بھی رہو گے۔

بیٹا:۔ کہئے تو میں بھی جلسے پر آؤں۔ میں ان وانگ چنگھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

باپ:۔ ہاں بیٹے! میں تمھیں آنے تو دوں، لیکن شرط یہ ہے تم بار بار سوال کرنے کی ناگوار عادت چھوڑ دو۔ پر آج تو ہم چین جاپان کے تعلقات پر گفتگو کریں گے۔ تمہاری سمجھ میں کیا خاک آئے گا۔

بیٹا:۔ کیا چین جاپان کے تعلقات کو سمجھنا بہت دشوار ہے؟۔

باپ:۔ ہاں بہت!

بیٹا:۔ آخر کس وجہ سے ابا!

باپ:۔ اس لئے کہ ہم تو چینیوں سے دوستی کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ نہیں چاہتے۔

بیٹا:۔ چاہتے کیوں نہیں؟ کیا وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں۔

باپ:۔ ضرور کرتے ہیں۔ انھیں جتنی نفرت یورپ والوں سے ہے اس سے زیادہ ہم سے ہے۔

بیٹا:۔ یہ کیوں؟ کیا ہمارا برتاؤ ان کے ساتھ یورپ والوں سے زیادہ خراب ہے؟

باپ:۔ اچھا تم اپنی انگلیوں پر تاگا لپیٹنا بھی ختم کرو گے یا نہیں؟

بیٹا:۔ لیکن اگر یہ واقعہ ہے کہ ہم ان کے اچھے دوست رہے ہیں تو پھر انھیں ہم سے نفرت کیوں؟

باپ:۔ مانچکو کا جو مسئلہ ہے۔

بیٹا:۔ مانچکو ہمارا ملک ہے یا ان کا؟

باپ:۔ دیکھو تم تاگا لپیٹنے کی پھر وہی بندروں کی سی حرکت کر رہے ہو اور ساتھ ہی فرش پر پھینکے بھی گراتے جا رہے ہو

بیٹا :۔ تو پھر آپ چینیوں کے دوست کیسے بن سکتے ہیں۔

باپ :۔ ہم انھیں روپیہ جو قرض دیں گے اور اُس کے علاوہ مشیر[1] کے بھی۔

بیٹا :۔ کیا ان کے پاس پہلے ہی سے یورپی مشیر نہیں ہیں؟ یورپ والے بھی تو ان سے دوستی کرنا چاہتے ہوں گے وہ انھیں قرض دے دیں گے

باپ :۔ وہ تو قرض دینے پر آمادہ ہیں لیکن ہم انھیں اس کا موقع نہ دیں گے۔ بس یہ سمجھ لو۔ جب وہ چینی کو روپیہ قرض دیں گے تو اس پر وہ عادی ہو جائیں گے۔

بیٹا :۔ اور اگر ہم دیں تب؟

باپ :۔ ہم جو روپیہ دیں گے تو اُن سے دوستی پیدا کرنے اور اُن کی مدد کرنے کے لئے دیں گے۔

بیٹا :۔ تب تو چینی یورپ والوں سے قرض لینے کے بجائے ہم سے لینا پسند کریں گے۔

باپ :۔ نہیں جب تک ہم انھیں مجبور نہ کریں وہ نہ لیں گے۔

بیٹا :۔ واہ! یہ خوب رہی!! وہ اگر روپیہ نہ لینا چاہیں تو ہم اُنھیں مجبور کیوں کریں۔

باپ :۔ مُنہ میں اپنی انگلی تو نہ ڈالو، اور اب تک وندان ساز کے پاس بھی تو نہیں گئے۔

بیٹا :۔ اچھا ابا! بالفرض آپ چینی ہوتے تو کیا اپنے خیال میں آپ جاپانیوں پر اعتماد کرتے۔

باپ :۔ سنو بیٹا! بات یہ ہے کہ ہم دوست کی حیثیت سے اُن کے دوست تو کبھی رہے نہیں۔ لیکن اب ہم ان سے دوستی چاہتے ہیں اس کے لئے ہم انھیں روپیہ قرض دیں گے اور اُن کے مُلک میں پولیس رکھ کر اُنھیں کے لئے امن قائم کریں گے۔ ہم اپنی قوم کے نیک ارادے اس طرح ان پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

بیٹا :۔ ہمارے مُلک والوں کے نیک ارادے کیا ہیں۔

باپ :۔ ارے اُتو میں نے پہلے کہا نہیں، میں آج شام وانگ چنگھی کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ ہم واقعی اُن کی مدد کے لئے آمادہ ہیں۔

بیٹا :۔ کیا وانگ چنگھی احمق ہیں۔

باپ :۔ ارے تم یہ کیا بکتے ہو! وہ تو بہت بڑے قانون داں اور عالم ہیں۔

بیٹا :۔ کیا میں بڑا ہو کر وانگ چنگھی بن سکوں گا؟

باپ :۔ ہاں! ہاں!! اگر تم انہماک اور توجہ سے لکھو پڑھو تو اس کی بھی کوشش کر سکتے ہو

[1] سلطنت کے کاموں میں مشورہ دینے والے۔

بیٹا :- فرض کیجئے میں وانگ چنگھی ہوں - اب آپ مجھے اپنے ملک کے نیک ارادے بتائیے۔

باپ :- تو بیٹے! میں تمھیں بتاؤں گا کہ ہم تمھیں روپیہ قرض دیں گے، فوجی مشیر دیں گے۔ اور تمھارے ملک میں پولیس رکھ کر امن قائم کریں گے۔

بیٹا :- ابا! مجھے بتائیے آخر آپ یہ سب کیوں چاہتے ہیں؟ کیا آپ چین کو اُسی کے حال پر نہیں چھوڑ سکتے؟

باپ :- سنو بات یہ ہے کہ ہم ساری چینی تجارت پر قبضہ کر کے یورپ والوں کو چین سے نکالنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم چینیوں کے ہاتھ تھوک مال بیچ سکیں اور وہ ہم ہی سے مال خرید سکیں۔ یہ پان ایشیائی تحریک کتنی اچھی ہے۔ ہمیں چین کو روسیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اپنی طرف بلانا ہی ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس نہ لوہا ہے نہ روئی ہے اور نہ ربر۔ اگر چین ہماری طرف نہ ہو تو ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان اتنا بھی نہیں کہ ایک سال سے زیادہ مدت کے لئے کافی ہو سکے۔ ہمیں روس سے چین کی سرزمین ہی پر لڑنا پڑے گا۔

بیٹا :- آپ وانگ چنگھی کو یہ سب باتیں تو نہیں بتائیں گے یا بتائیں گے؟

باپ :- میرے خیال میں تمھیں ایک پرفن سیاست داں کے بیٹے کی حیثیت سے ابھی سے یہ سیکھ لینا چاہئیے کہ ہم سیاست داں اپنے مطلب کی بات زبان پر کبھی نہیں لاتے لیکن ایک دوسرے کی مکاریوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ بھلا وانگ چنگھی سے یہ سب کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

بیٹا :- اُف بلا کی ہوشیاری۔ لیکن اسے آپ کیا کہئے گا؟

باپ :- ہم اسے ایشیا اور دنیا میں امن قائم کرنے کی خاطر چین جاپان دونوں کی بقا اور خوش حالی کی بنیاد پر دونوں میں اتحاد کے ایک نئے دور کا آغاز کہیں گے۔

بیٹا :- اوہ! مجھے غصہ آرہا ہے۔ یہ سب کس قدر عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے! یہ سب آپنے کہاں سیکھا؟ کیا ہمیں مدرسے میں اسی طرح بُرے کو اچھا کہنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

باپ :- ہاں مضمون نویسی کے گھنٹے میں یہی سب تو سکھایا جاتا ہے۔ لیکن سیاست داں پیدائشی ہوتے ہیں۔ سکھانے پڑھانے سے نہیں بنتے۔

بیٹا :- ابا! آپ کتنے عجیب ہیں لیکن فرض کیجئے وانگ چنگھی نے آپ کے اصل مطلب کو پالیا۔ ان کے ہم وطنوں کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی اور وہ ہماری مدد لینے سے انکار کر دیں تو پھر آپ کس طرح چینی تجارت پر قبضہ کریں گے اس کا عمل آپ کے پاس کیا ہے؟

باپ :- اس کا فیصلہ شاہی فوج کرے گی۔

بیٹا:۔ لیکن یہ تو چین سے دوستی نہ ہوئی، آپ ہی کہئے۔ اس سے تو یہ ہوگا کہ وہ ہم سے اور زیادہ نفرت کرنے لگیں گے۔ کیا آپ شاہی فوج کے اصول کو جائز سمجھتے ہیں؟

باپ:۔ (تیزی سے) چپ چپ! کوئی سن نہ لے! اچھا میرے خیال میں تو اب تم یہاں سے چلتے بنو اور اپنے دنداں ساز کے پاس جاؤ اور دیکھو اپنی پنسل اور دھاگے کے ٹکڑے فرش پر نہ بکھیرنا اچھا!

(لڑکا دھاگا اور پنسل فرش سے اٹھاتا ہے اور انھیں جیب میں رکھ کر کمرے سے چل دیتا ہے اور بوڑھا اطمینان کا سانس لیتا ہے)

کاٹ کر ملاؤ
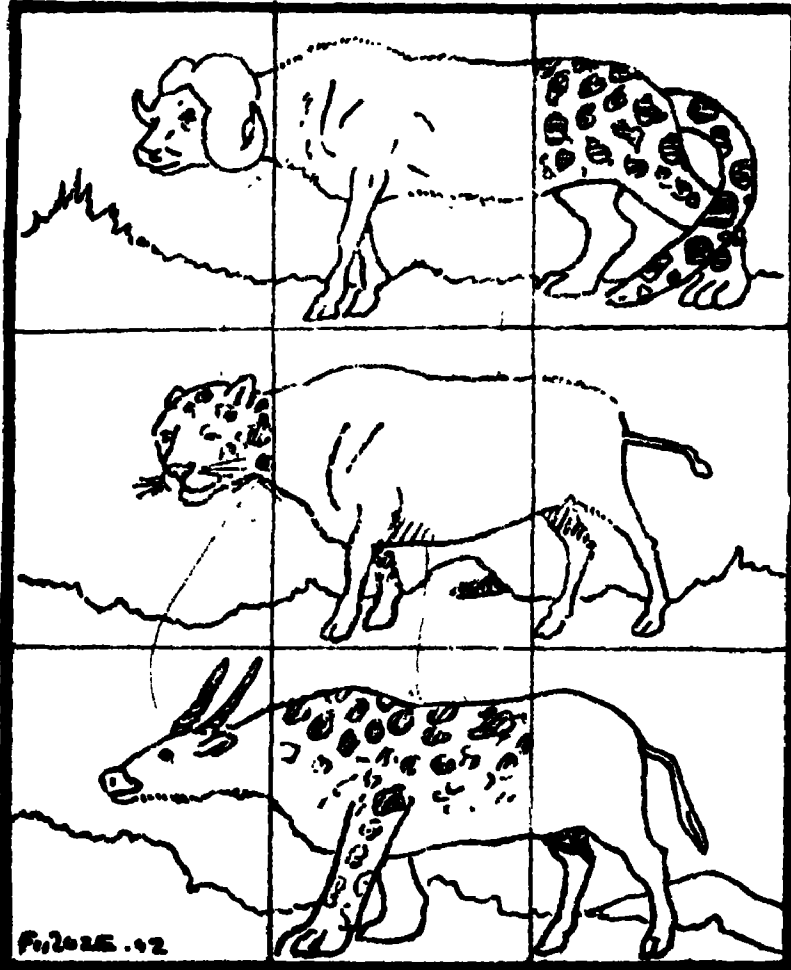
ہمارے آرٹسٹ صاحب نے کچھ تصویریں بنا کر بھیجی ہیں۔ کچھ عجیب سی تصویریں ہیں۔ جیسے انھوں نے مذاق کیا ہو۔ کیونکہ آپ معلوم ہوتا ہے مختلف جانوروں کے جسموں کے حصے ایک دوسرے سے ملائے ہیں۔ تم انھیں ذرا غور سے دیکھو اگر یہ کچھ کوئی غلطی ہو تو ٹھیک کر دو۔ اور ہر جانور کے جسم کے حصے کو ٹھیک طریقے سے ملا دو +

برسات کی پہلی شام

فیروز

تیز ہوا کی آندھی آئی ۔۔۔ اس کے ساتھ ہی بدلی چھائی
ڈر کر پنچھی پیڑ میں دبکے ۔۔۔ بیل بھی اپنے گھر کو لپکے
جو ہے سو وہ اپنی دُھن میں ۔۔۔ اپنی فکر اور اپنے گُن میں
پھر وہ ٹپ ٹپ پانی برسا ۔۔۔ جس کی خاطر عالم ترسا
جس کے، چلتے بیل پیاسے ۔۔۔ جس کی خاطر پنچھی اُداسے

ہاں اے بادل زور سے برسو
چمکو، گرجو، جھومو، برسو

دیکھو، زمین یہ سوکھی پڑی ہے ۔۔۔ اس پہ نہ کوئی بوٹی ہری ہے
آس لگی تھی تم سے سب کی ۔۔۔ پیاس بجھاؤ تم ہی سب کی

ہر دِن ہم تھے تُم کو تکتے ۔۔۔ تکتے ، تکتے ہم تھے تھکتے
پر تھی اِک بھی بُوند نہ پڑتی ۔۔۔ آس تھی مرتی بڑھتی بڑھتی
آج یہ کیوں کر یاد کیا ہے ۔۔۔ دِل کو ہمارے شاد کیا ہے

ہاں اے بادل زور سے برسو
چمکو ، گرجو ، جھُومو ، برسو

جل تھل کردو ساری دُنیا ۔۔۔ تُم سے خوش ہو ساری دُنیا
پھر تو چلیں گی ٹھنڈی ہوائیں ۔۔۔ دے گی دُنیا تُم کو دُعائیں

ہاں بس یارو بھاگ چلیں اب ۔۔۔ دیکھو بارش تیز ہوئی اب
چھوڑ دو اس کو خوب یہ برسے ۔۔۔ ندّی دریا ایک ہی کر دے
کل ہو جنّت عالم سارا ۔۔۔ ہر ہر منظر پیارا پیارا

ہاں اے بادل زور سے برسو
چمکو ، گرجو ، جھومو برسو

اسکول (۴)

شجاع احمد قامر۔ حیدرآباد دکن

کھیل میں کام کرنے والے

(۱) رشید
(۲) قیصر
(۳) آصف
(۴) جواد
(۵) ناصر
(۶) امجد
} ہم جماعت اپنے
(۷) ماسٹر

ماسٹر:- اچھا دوسری بات کون سی ہے ..... معلومات، کیوں یہی نا؟

رشید:- جی ہاں۔

ماسٹر:- لیکن یہ کس نے کہا تھا کہ سینما معلومات کے لئے دیکھتا ہوں۔

رشید:- میں نے ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:- اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ سینما سے تم کس قسم کی معلومات حاصل کرتے ہو۔

ناصر:- میں بتاؤں ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:- اچھا تمھی بتاؤ ...... ہاں ہاں بتاؤ، ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

ناصر:- یہی ماسٹر صاحب کہ ٹائی کیسے باندھیں، کوٹ کی جیب میں رومال کس طرح رکھیں۔ پتلون کی استری کس طرح سنبھالیں۔ بال کس طرح سے بنائیں اور عینک کیسے لگائیں۔

ماسٹر:- بس!

ناصر:- جی ہاں۔

ماسٹر:- دو تین باتیں تو شاید آپ بھول ہی گئے۔

ناصر:- کیا کیا ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:- سگرٹ کس طرح پیا جاتا ہے۔ کتابوں کو لوبان کی دھونی دے کر سینما بازی کے لئے جیبیں کس طرح کتری جاتی ہیں۔ اور اماں جان کے صندوقچے اور قلم دان سے پیسے کس طرح چرائے جاتے ہیں۔

(ہنسی کی آواز)

کیوں بھئی یہ ہنسی کی آواز کس طرف سے آئی
...... اچھا خیر جانے دو ...... ہاں تو اور سُنو
ہمارے یہاں ایک نوکر ہے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے
ایک دوست سے کہہ رہا تھا میں تو سینما اس لئے دیکھتا
ہوں کہ قفل کس طرح توڑا جاتا ہے۔ دیوار کیسے پھاندی
جاسکتی ہے۔ چوری کا کون سا ایسا طریقہ ہوسکتا ہے
کہ دوسرے گھروں کا مال بلا کھٹکے اپنے گھر چلتا چلا آئے۔

(سب کے سب ہنستے ہیں)

ہاں رشید صاحب اور ناصر صاحب
فرمائیے ان معلومات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

رشید :- ماسٹر صاحب ......

ماسٹر :- دیکھو بھائی ایک بات پھر کہے دیتا ہوں۔ تم
لوگ اس وقت یہ نہ سمجھو کہ میں ماسٹر ہوں،
بس مجھ سے اس طرح باتیں کرو جیسے اپنے
کسی جانی دوست سے کی جاتی ہیں۔

آصف :- جواد صاحب کہہ رہے ہیں اس وقت
تو ماسٹر صاحب ایسا کہہ رہے ہیں۔ ہم سے
سب پوچھ پاچھ کے پھر ڈنڈے برسانا
شروع کردیں گے۔

ماسٹر :- (ہنستے ہوئے) ٹھیک اچھا، کیوں جواد
کیا تم نے مجھے کبھی کسی بچے کو مارتے
دیکھا ہے۔

جواد :- نہیں۔

ماسٹر :- ...... چپ کیوں کھڑے ہو
...... تم سب کو معلوم ہے اور اگر
نہیں معلوم تو سُن لو، میں نے مارنے والا
علم پڑھا ہی نہیں۔ میں تو اپنے بچوں کی طرح
تم سب کو سمجھتا ہوں ...... تم لوگ
بالکل نہ ڈرو۔ اور جو میں پوچھوں صاف
صاف بتلا دو۔ اگر اچھی باتیں ہوں گی تو
کہوں گا کر لیا کرو۔ بُری ہوں گی تو کرنے سے
منع کروں گا۔ بُری باتوں کی جگہ دوسری
اچھی ترکیبیں بتا دوں گا۔ بس۔ ہاں رشید
کہو ......

رشید :- اب میں کیا ....

ماسٹر :- میں سمجھ گیا تمھارا مطلب، اچھا خیر آج تک
تو جو ہوا سو ہوا مگر آئندہ سے تم لوگوں کو
چاہئے کہ وہ معلومات حاصل کرو جو تمھارے
مطلب کی ہوں۔ اور جن کی تم کو ضرورت ہو

قیصر :- مگر ماسٹر صاحب ایک ایک کھیل میں نہ معلوم
کتنی کتنی باتیں ہوتی ہیں۔

ماسٹر :- تو اس سے کیا ہوتا ہے، جس طرح کنکروں میں
سے ہیرے موتی چن لئے جاتے ہیں۔ اسی
طرح تم ان تمام اول فول باتوں میں سے
اپنے کام کی باتیں چن کے اپنے دل میں رکھ لیا
کرو۔

امجد :- مگر یہ بے کار باتیں کس طرح بھلائی جائیں
ماسٹر صاحب۔

(ہنسی)

ماسٹر :- بھئی یہ بہت معقول سوال ہے۔ اچھا سُنو

میاں امجد ہم تم کو ایک اچھا سا نسخہ لکھے دیتے ہیں......... ہاں ذرا وہ پنسل جو تمہارے ہاتھ میں تھی ادھر تو دینا۔

امجد:۔ بیشک...... ارے میری پنسل ...

ارے میری پنسل رشید ...... دیکھو بھئی رشید ہماری پنسل دے دو۔

رشید:۔ واہ میں کیا جانوں تمہاری پنسل۔

امجد:۔ پھر اور کون جانے۔ تمہی تو میرے پاس بیٹھے ہو

ماسٹر:۔ (ہنستے ہوئے) امجد تم غلطی کر رہے ہو۔ رشید نے تمہاری پنسل نہیں لی ہے۔

امجد:۔ پھر کس نے لی ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:۔ تم ابھی ابھی کھڑکی کی طرف تھوکنے گئے تھے مگر دیکھو وہیں پنسل رکھی ہوئی ہے۔

(چلنے کی آواز)

امجد:۔ جی ہاں یہ لیجئے۔

ماسٹر:۔ دیکھو تمہارا خیال غلط نکلا نا۔ رشید نے تمہاری پنسل نہیں لی تھی۔ اور تم خواہ مخواہ اُسے بے چارے پر تہمت لگا رہے تھے۔ دیکھو کبھی ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ لڑنے کے لئے تیار ہو جانا آسان بات ہے مگر یہ تو دیکھو کہ اس کا نتیجہ کتنا خراب نکلتا ہے ...

ہاں تو پنسل لاؤ ادھر۔

امجد:۔ جی یہ لیجئے۔

ماسٹر:۔ تم اس کو وہاں رکھ کر کیسے بھول گئے۔

امجد:۔ جی۔

ماسٹر:۔ جی، وہی نہیں ذرا غور سے سُنو بات یہ تھی کہ تم میری باتوں کو اس طرح دل لگا کر سُن رہے تھے کہ تمہیں دو میری باتوں کا خیال ہی نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے تم پنسل وہاں رکھ کر بھول گئے۔ بس یہی ایک طریقہ ہے کہ سینما میں اچھی باتوں کو اس طرح سُنو، جیسے میری باتیں سُن رہے تھے۔ اور بُری باتوں کو اس طرح بھول جاؤ۔ جیسے یہ پنسل وہاں رکھ کر بھول گئے۔

کچھ عرصے کے بعد یہاں بھی عورتوں، مردوں اور بچوں کے دیکھنے کے لئے علیحدہ علیحدہ فلم تیار ہوا ہوا کریں گے۔ اس وقت تم کو اتنی پریشانی نہ ہوگی۔

قیصر:۔ یہ کب تک ہو جائے گا ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:۔ یہی آٹھ، دس برس میں۔

قیصر:۔ جب تک تو ہم بچے اور لڑکے نہیں رہیں گے۔

ماسٹر:۔ تو تمہارے بچے اُن سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

(ہنسی)

ماسٹر:۔ ہاں تم کو یہ سُن کر شاید تعجب ہو کہ آئندہ فلمی دنیا میں بہت بڑا انقلاب ہونے والا ہے۔

جواد:۔ وہ کیا ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:۔ سینما میں تصویریں چلتی پھرتی، ہنستی روتی اور بولتی چالتی اب بھی دیکھ رہے ہو۔

آصف:۔ جی ہاں۔

(باقی آئندہ)

واجد میاں کو روزہ رکھنے کا بہت شوق تھا۔ گھر میں بڑے سب روزہ رکھتے تھے، اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر انھیں کیوں روکا جاتا ہے۔ سحری کو یہ ضرور اُٹھتے تھے اور دودھ جلیبی، دودھ ڈبل روٹی یا اور میٹھی چیزوں میں زبردستی حصہ لگاتے تھے۔ آخر ایک دن اُن کے جی میں آئی کہ سحری تو کھائی ہے روزہ کیوں نہ رکھ لیں۔ کسی سے کچھ کہیں سنیں گے نہیں بس چپکے سے روزہ رکھ لیں گے اور کل اور پرسوں چھٹی بھی تو ہے۔ آہا مزا آئے گا۔

صبح کو کوئی ۱۰ بجے واجد میاں اور حبیب میاں کھانے کے لئے بلائے گئے۔ حبیب میاں تو بلانے سے پہلے آگئے مگر واجد میاں یہ سن گن پاکر باہر کھسک گئے آخر زبردستی بلائے گئے۔ کھانے کے لئے کہا گیا تو گم سم کسی بات کا جواب ہی نہیں۔ سعیدہ نے آگے بڑھ کر پوچھا تو انھوں نے منہ بسور کر کہا "میں نے روزہ جو رکھ لیا ہے۔" اُن کی صورت دیکھ کر سعیدہ، عائشہ، آصفہ، فہمیدہ سبھی تو ہنس پڑے مگر اُن کی ماں نے جو یہ بات سنی تو چیختی چلاتی آئیں۔ "لڑکے تیری عقل خراب ہوگئی ہے۔ اے لو روزہ رکھیں گے۔ رکھا جائے گا تم سے روزہ، چلو چارپائی پر بیٹھو سعیدہ کھانا لاتی ہے۔"

واجد میاں نے روتی صورت بنالی۔ اُن کی بے بسی دیکھ کر ہر ایک کو رحم آگیا۔ فہمیدہ نے کہا "خیر انھیں روزہ رکھنے کا اتنا شوق ہے تو رکھ لینے دیجئے اور ہاں ابا نے کہا بھی تو تھا کہ اب کے رمضانوں میں ان کو پہلا روزہ رکھا دیا جائے گا۔ اور بہنوں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ ماں نے کہا "مگر بیٹی یہ بھی تو سوچو تمھارے باپ دفتر جاچکے۔ گھر میں کچھ سامان نہیں ہے بھلا ایسے ہی روزہ رکھا دیا جائے گا،" آصفہ بولیں "ابا کو کسی سے خبر کرا دیجئے۔" فہمیدہ اور سعیدہ نے بھی کہا "ہاں اماں اب یہی کیجئے کیوں آپ ناحق بے چارے کا روزہ تڑواتی ہیں۔ ابا آدھے دن کی چھٹی سے آئیں گے اور انتظام ہو جائے گا۔"

ادھر جوں جوں دن چڑھتا جاتا تھا واجد میاں کو بھوک پیاس ستا رہی تھی اور یہ اپنے ارادے پر کچھ پچھتا رہے تھے۔ کوئی بارہ ایک بجے آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں اور اُن کی نیت ڈانوا ڈول ہونے لگی

یہ مصیبت خود ہی اپنے سر مول لی تھی اس لئے کچھ کہتے بن نہیں پڑتا تھا۔ باورچی خانے میں جانے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ سب کو شبہ ہو جاتا۔ پیاس بھی لگی تھی۔ انھوں نے سوچا کسی ترکیب سے پانی پینا چاہئے۔ لوٹے میں پانی بھرا اور چلے دروازے کی طرف جیسے کسی کام سے جا رہے ہیں۔ سعیدہ کو کچھ شبہ ہوا وہ چپکے چپکے ان کے پیچھے گئی۔ انھوں نے دروازے میں .... میں پہنچ، اور یہ اطمینان کر کہ کوئی دیکھ نہیں رہا ہے لوٹی منہ سے لگائی بس پھر کیا تھا سعیدہ نے فوراً شور مچا دیا "پانی پی لیا، پانی پی لیا" واجد میاں سے اور تو کچھ بن نہ پڑا لوٹا پھینک باہر بھاگ گئے۔ اور سب بہنیں بھی وہاں پہنچ گئیں۔ اور خوب قہقہے لگے۔ ماں نے یہ سب شور سن کر کہا "میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی اس سے روزہ نہ رکھا جائے گا تم لوگوں نے زبردستی رکھوا دیا" اتنے میں واجد میاں کے ابا جی دفتر سے آگئے۔ واجد کو بھی گھر میں لیتے آئے۔ حبیب میاں انھیں دیکھتے ہی چلائے "ماموں صاحب نے پانی پی لیا۔ پانی پی لیا" واجد میاں ان کی طرف جھنجھلا کے دوڑے "جھوٹا کہیں کا۔ میں نے پانی کب پیا ہے" حبیب میاں اتنی دیر میں نانی کی گود میں پہنچ چکے تھے۔ واجد میاں نے قسم کھائی کہ میں کلی کر رہا تھا، پانی نہیں پیا ہے۔ خیر بات آئی گئی ہوئی۔ مگر واجد میاں کو بھوک خصوصاً پیاس برابر ستا رہی تھی وہ وقت ٹالنے کے لئے کبھی کتابیں لے کر بیٹھتے تھے کبھی قرآن پڑھنے لگتے تھے

ساتھ ہی ساتھ وقت بھی پوچھتے جاتے تھے۔ لوگ پانی پانی کہہ کر انھیں چڑھاتے بھی جاتے تھے۔ ان کی منجھلی بہن نے بہشتی زیور بہت پڑھتی رہتی تھیں اور ملانی بی کہلاتی تھیں وہ کہنے لگیں "آؤ بھیا تم میرے پاس آؤ دیکھو میں اچھی اچھی باتیں بتاتی ہوں تم نے روزہ تو رکھ لیا مگر یہ نہیں معلوم کہ روزہ کیسے کہتے ہیں۔ اصل میں اللہ میاں نے ایک مہینے تک روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسی لئے سب لوگ سحری کھا کر مغرب کی اذان تک کوئی چیز نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں" واجد میاں بولے "تو پھر اماں ہمیں کیوں روزے نہیں رکھنے دیتیں۔" ملانی بی نے کہا "تم ابھی چھوٹے ہو کل آٹھ برس کی تمھاری عمر ہے جب بڑے ہو جاؤ گے تو جیسے اور دن پر روزے فرض ہیں تم پر بھی فرض ہو جائیں گے۔ ہاں تو روزے کے لئے سحری کھانا بہت اچھا ہے۔ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت ہے۔ سحری کھا کے روزے کی نیت بھی کر لینا چاہئے۔ بس دل میں روزے کا ارادہ کر لینا کافی ہے یا یہ کہہ دے بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَان پھر سورج چھپتے ہی افطار کر لینا چاہئے یعنی کچھ کھا پی لینا چاہئے۔ کھجور یا چھوارے سے روزہ کھولنا ہمارے رسول کی سنت ہے۔ اگر یہ نہ ملے تو پانی سے افطار کرے۔ بعض لوگ اس وقت پھلکیاں دہی بڑے اور نہ جانے کیا کیا کھا جاتے ہیں۔ بھوک میں یہ چٹپٹی چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ مگر ان سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے" واجد میاں نے پوچھا "تو آپا کچھ

بھی نہیں کھانا چاہیے۔" مُلّانی بی نے کہا "کھانا تو کھانا اگر کوئی گوند چبائے یا کوئی چیز مُنہ میں ڈالے رکھے کوئی چیز چکھے یا بہت سا تھوک جمع کرکے نگل لے، ان سب باتوں سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ یعنی روزے کا ثواب بہت کم رہ جاتا ہے اور ہاں روزے میں کسی کی بُرائی بھی نہ کرنی چاہیے۔ جھوٹ بولنا۔ گالی گلوج کرنا، بہن بھائیوں سے لڑنا بہت بُرا ہے۔" واجد میاں بولے "تو آپا ہم تو کسی سے بھی نہیں لڑے یہی چپ ہیں چھیڑ رہا ہے۔ اور سعیدہ چھیڑ رہی ہیں۔" مُلّانی بی نے جواب دیا۔ "ہاں ہاں بیٹا تم تو بڑے اچھے ہو مگر اس وقت تو تمھیں ایک بات بتا رہی ہوں اور اگر کوئی سرمہ لگائے، بدن پر تیل ملے یا سر میں ڈالے۔ مسواک کرے، کپڑوں پر خوشبو لگائے یا خوشبو سونگھے اور ہاں بھولے سے کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔" واجد میاں نے پھر کہہ دیا "اور آپا یہ رمضانوں میں آپا جو دیر تک نمازیں پڑھتے رہتے ہیں یہ کیا ہوتی ہیں"، مُلّانی بی بولیں "یہ تراویح کہلاتی ہے۔ بیس رکعتیں ہوتی ہیں۔ حافظ جی پڑھاتے ہیں اور رمضان بھر میں پورا قرآن ختم کر دیتے ہیں۔" غرض اس طرح کی باتوں سے سب اُن کا دل بہلاتے رہے۔ شام کو چار بجے اُنھوں نے نہا دھو کر کپڑے بدلے اور ابا کے ساتھ سیر کو چل دئے۔ راستے میں اپنے مدرسے کے ساتھیوں کو دعوت بھی دیتے آئے۔ خدا خدا کرکے مغرب کا وقت آیا۔ دسترخوان بچھا۔ آج اُن کے پہلے روزے کی خوشی میں طرح طرح کی چیزیں تیار ہوئی تھیں۔ ان کے یار دوست بھی آ گئے تھے اور قاعدے سے بیٹھے تھے۔ اتنے میں مغرب کی اذان ہوئی اور اُنھوں نے اپنی آپا کے کہنے کے مطابق کھجور سے روزہ کھولا پھر تھوڑا سا پانی پیا اور جان میں جان آئی۔ واجد میاں نے بعد میں دو تین روزے اور بھی رکھے۔ بانی کے نام سے وہ اب بھی چڑھتے ہیں۔

بچوں کی کوششیں

سائنس کا کرشمہ

محمد وسیم کانپور

تم نے آسمان پر کہکشاں تو دیکھی ہوگی۔ اسے کچھ لوگ دھنک بھی کہتے ہیں جب آسمان پر پانی برس چکتا ہے تو یہ آسمان پر کئی رنگ کی کمان سی دکھائی دیتی ہے۔ ہم تمھیں ایسی ترکیب بتاتے ہیں کہ تم خود بھی یہ بنا سکتے ہو۔
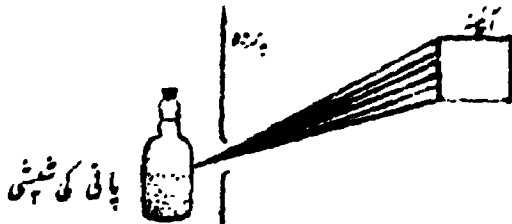
ایک آئینہ دھوپ میں اس طرح رکھو کہ وہ روشنی پھینکے۔ اب ایک سفید پردے میں چھید کرکے آئینہ کی روشنی اس میں سے گذار دو۔ اس سوراخ کے سامنے ایک شیشی پانی سے بھر کر رکھ دو تاکہ اس پر وہ آئینے سے پھینکی ہوئی روشنی پڑے۔ اب تم دیکھوگے کہ پردے پر ویسی ہی رنگین کمان بن گئی ہے۔

ایک دلچسپ معمّا

۱	م	س	س	س	پ	٠	ی
۲	ب	ی	ا	ف	ک		
۳	س	ن	گ	ا	پ	و	ر
۴	ا	ن	ر	ی	ق	ہ	
۵	ر	و	م				
۶	ہ	م	ا	ل	ی	ہ	
۷	ک	ا	س	پ	ی	ن	
۸	ل	ن	د	ن			

(۱) دنیا کا سب سے بڑا دریا (۲) دنیا کا سب سے بڑا سمندر
(۳) دنیا کا سب سے بڑا بندرگاہ (۴) دنیا کا سب سے بڑا ریگستان
(۵) دنیا کا سب سے بڑا اندرونی بحیرہ (۶) دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ
(۷) دنیا کی سب سے بڑی جھیل (۸) دنیا کا سب سے بڑا شہر

جواب

(۱) مسسی سپی (۲) پیسفک (۳) سنگاپور (۴) افریقہ
(۵) روم (۶) ہمالیہ (۷) کاسپین (۸) لندن

مرتبہ ناصرہ جامعہ ملیہ
دہلی

دادا حضور

عائشہ سلطانہ بیگم ماناودار

۴ مئی کا دن بھی کیسا منحوس تھا۔ اسی روز دادا حضور صاحب کے انتقال کی خبر نے ہم سب کو غم گین بنادیا۔ میں اپنے دادا حضور کی کیا کیا خوبیاں گناؤں، تھے تو وہ نواب مگر عابد وزاہد۔ مسلمانوں کی سی بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ریاست کے کاموں میں اپنی رعایا کی ترقی خوش حالی اور آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اپنے یہاں کے کاشتکاروں کے لئے ریلیف فنڈ قائم کیا۔ اُن کے لئے کئی اچھی اچھی عمارتیں بنوائیں ریاست کے مڈل اسکول کو ہائی اسکول کے درجے تک ترقی دی۔ اور کئی مدرسے کھلوائے۔ غریب لڑکوں کے لئے خود اپنے خرچ سے ایک شان دار بورڈنگ بنوایا۔ اس میں لڑکوں کا رہنا سہنا کھانا پینا سب مُفت ہے۔ ہزاروں طالب علموں کو اپنی جیب سے وظیفے دیتے تھے۔ ہونہار لڑکوں کو اپنے خرچ سے مختلف یونیورسٹیوں میں بھجواتے تھے۔ اس کے علاوہ شہر میں بہت سی لائبریریاں کھلوائیں۔ مریضوں کے لئے بہت بڑا شفا خانہ بنوایا۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بیت المال کی اسکیم بنائی۔ ریاست کا انتظام ایسا اچھا کیا کہ خزانہ مالا مال ہوگیا۔ غرض دادا حضور کے زمانے میں ہر طرف خوش حالی ہی خوش حالی نظر آتی تھی۔ دادا حضور نے آخر عمر میں اپنے ولی عہد کو تخت پر بٹھادیا تھا اور خود سارا وقت عبادت اور مخلوق کی بھلائی کے کاموں میں گذارتے تھے۔

پیامیوں سے درخواست ہے کہ وہ دادا حضور کے لئے جنّت کی دُعا کریں۔

لطیفے

مجسٹریٹ:۔ جو آدمی کچہری میں شور مچائے گا اسے کان پکڑ کر باہر نکال دیا جائے گا

ملزم:۔ حضور میں شور مچاتا ہوں

محمد ولایت حسین الہ آباد

بچہ:۔ امی جان میں اسکول نہیں جاؤں گا۔

ماں:۔ کس وجہ سے۔

بچہ:۔ درد ہوتا ہے۔

ماں:۔ کس جگہ درد ہوتا ہے۔

بچہ:۔ اسکول میں ہوتا ہے امی۔

دکان دار:۔ آپ یہ انگیٹھی خریدیں تو آپ کا آدھا کوئلہ بچ جائے گا

گاہک:۔ تو مہربانی کرکے ایک اور دے دیجئے تاکہ سارا کوئلہ بچ جائے

جمیل احمد بٹلہ، دہلی
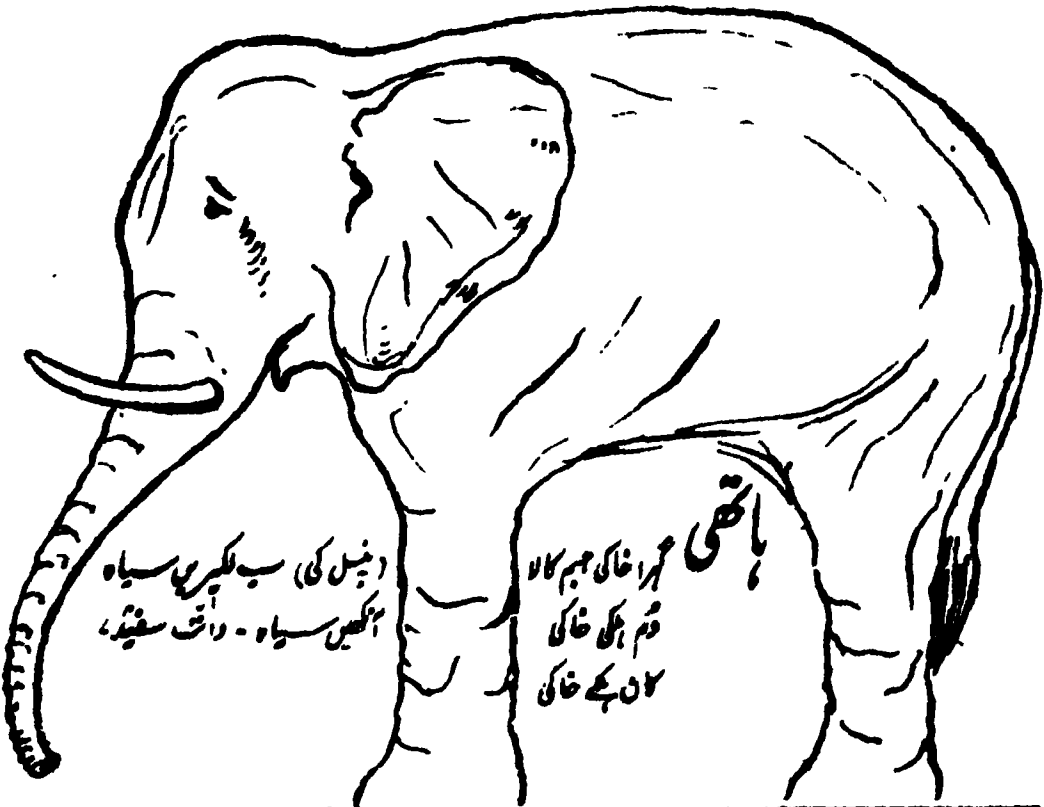
لکڑی کا کام
(آپا جان)
بندر بھورا اور خاکی ۔ سینہ خاکی لکیریں اور آنکھیں سیاہ
جسم کا بقیہ حصہ سیاہ۔
بطخ
سفید۔ لکیریں سیاہ
چونچ اور پیر نارنجی
اور کچھ پیلے
ہاتھی
گہرا خاکی جسم کالا
دُم ہلکی خاکی
کان ہلکے خاکی
(پنسل کی) سب لکیریں سیاہ
آنکھیں سیاہ ۔ دانت سفید،

کوہ قاف کا نام تم نے اکثر سنا ہوگا اپنی امی یا دادی جان سے - یہاں کے جنوں اور پریوں کی کہانیاں بھی سنی ہوں گی۔ کوہ قاف جس علاقے میں

میں ہے اُسے قفقاز کہتے ہیں۔ قفقاز یورپ اور ایشیا کے بیچ میں ہے۔ اِن دونوں کی سرحدیں اس کی سرحد سے ملتی ہیں۔
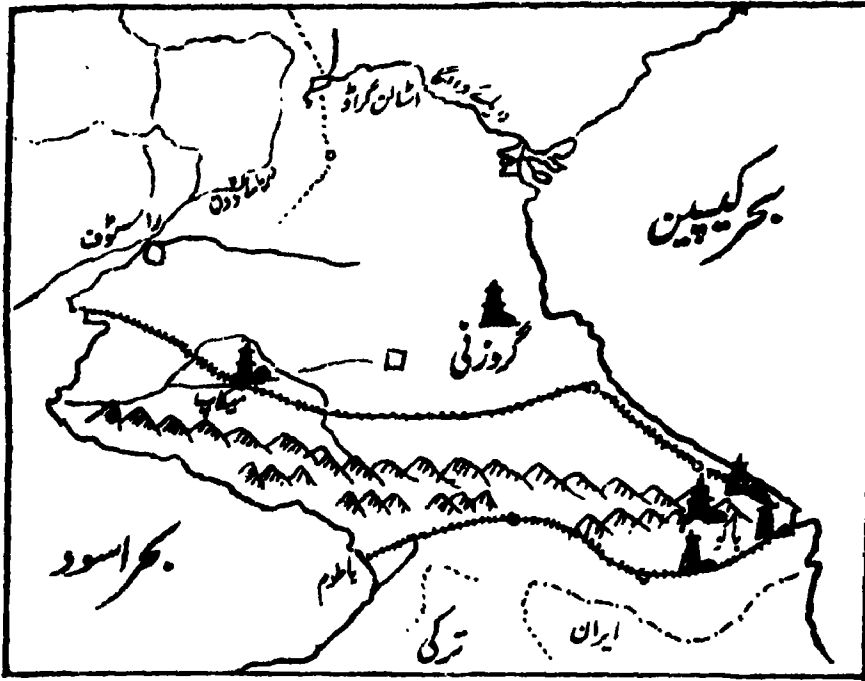
پرانے بہت ہی پرانے زمانے میں یہ علاقہ دُنیا سے الگ تھلگ سا تھا۔ بعد میں فاتح قوموں عیسائیوں، عربوں، ترکوں، ایرانیوں وغیرہ کی یورشیں شروع ہوئیں اور سینکڑوں برس تک قفقاز لڑائی کا میدان بنا رہا۔ سب سے آخر میں رُوس کی جمہوریت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور یوں سمجھو کہ اس علاقے کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ رُوس کی حکومت نے یہاں بہت سی

نوٹ: جہاں جہاں اس قسم کے نشان ہیں وہاں تیل کے چشمے ہیں۔

ورتیں بنا دیں - یہ جمہوریتیں دن بدن ترقی کر رہی ہیں۔

قفقاز کے پچھم میں بحر اسود ہے پورب میں بحر کیسپین، شمال میں روس اور جنوب میں ترکی و ایران کی سرحدیں۔ ملک کے بیچوں بیچ پہاڑوں کا سلسلہ ۷۰۰ میل تک چلا گیا ہے۔ کوہ قاف یہی پہاڑ ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی کا نام کوہ البرز ہے۔ یہ ۱۸۴۶۵ فٹ اونچی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی چوٹیاں سولہ ہزار سے لے کر دس ہزار فٹ تک اونچی ہیں۔ یہ پہاڑ شروع سے آخر تک بہت سرسبز اور شاداب ہے۔ ہر جگہ اس کا منظر بہت سہانا اور خوب صورت ہے۔ ایشیا سے یورپ جانے کے لئے ان پہاڑوں میں صرف دو راستے ہیں یہ دونوں بہت اونچائی پر اور بہت تنگ ہیں۔ ایک وقت میں صرف ایک گاڑی ان پر سے گذر سکتی ہے ان میں سے ایک تو بس گرمیوں گرمیوں کھلا رہتا ہے جاڑوں میں ناقابل گذر ہو جاتا ہے۔ کچھ اور راستے بھی ہیں مگر یہ صرف گھوڑوں اور خچروں کے لئے ہیں بڑی محنت و کوشش کے بعد مغربی قفقاز میں جہاں پہاڑ اونچے نہیں ہیں سوویٹ روس نے ایک ریلوے لائن بھی بنا دی ہے۔

کوہ قاف کے اس پار کا علاقہ ماورائے قفقاز کہلاتا ہے، یہ اور آرمینیہ کا کچھ علاقہ بھی روس کے قبضے میں ہے۔ قفقاز اور ماورائے قفقاز کو روس نے کئی جمہوریتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

ماورائے قفقاز کی جمہوریتیں زیادہ اہم ہیں، داغستان، آذربائیجان، جارجیا اور شمالی قفقاز کا علاقہ۔

اس ملک میں روسی حکومت سے پہلے بہت پرانے طریقے پر ہوتی تھی مثلاً کھیتی باڑی باغبانی صنعت و حرفت۔ علاوہ اس کے کہیں دلدل تھی اور کہیں پانی کی کمی۔ اور پھر آمد و رفت کے ذرائع گویا نہ ہونے کے برابر تھے۔ روسی حکومت نے انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی گویا بالکل کایا پلٹ دی۔ زراعت اور آبپاشی کا انتظام بالکل نئے طریقوں کے مطابق کیا۔ دلدلیں پاٹ کر زمین کو کاشت کے قابل بنایا۔ بنجر زمینوں کو توڑا۔ جگہ جگہ بجلی کا انتظام کیا تمام علاقے میں ریلوے لائن کا جال پھیلایا۔ پرانی صنعتوں کو ترقی دی، نئی نئی صنعتیں جاری کیں۔ قفقاز کی زمین زرخیز ہے نیز ہر جگہ کی آب و ہوا مختلف ہے اس لئے ہر قسم کا اناج پھل اور میوہ پیدا ہوتا ہے۔ اناج میں مکئی اور پھلوں میں انگور کی پیداوار سب سے زیادہ ہے گیہوں، روئی، چائے، تمباکو کی پیداوار بھی بہت کافی ہے۔

یہاں عمدہ اور کارآمد لکڑی کے بے شمار جنگل ہیں۔ سمندروں کے ساحلوں پر مچھلی کی صنعت ترقی پر ہے۔ کاکیشیا کا اونی سامان اور قالین وغیرہ عرصے سے مشہور ہیں

یہاں کی زمین معدنی دولت سے بھی مالامال

ہے۔ چاندی، تانبا، لوہا، گندھک، پارا، رال، سیسہ، جستہ، نمک (پتھر ملا) یہ سب چیزیں ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور چیز ہے جو یہاں بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے اور آج کل کے زمانے میں سب سے زیادہ قیمتی ہے یہ تیل ہے۔ تیل کے چشموں کا سلسلہ گروزنی سے باکو تک چلا گیا ہے۔ اس کے علاوہ میکاپ میں بھی تیل کے چشمے ہیں ان سے سالانہ لاکھوں ٹن تیل حاصل ہوتا ہے۔ اسی تیل کی بدولت دوسری قوموں کی پر للچائی ہوئی نگاہیں پڑ رہی تھیں یعنی امریکہ اور انگلستان کے مقابلے میں جرمن پاس تیل کے چشمے بہت کم ہیں اور آج کل لڑائی کے زمانے میں پٹرول جس طرح بے تحاشا خرچ ہوتا ہے تمھیں کچھ نہ کچھ اندازہ ہوگا، بس اسی لئے جرمنی قفقاز، ایران اور عراق کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ۔

بجلی کے کھیل

سید علی احمد صاحب استاد سائنس۔ جامعہ نگر۔

رات کے وقت اپنا شیشہ اور کنگھا میز پر رکھ کر کمرے کی روشنی چند منٹ کے لئے بجھا دو اور پھر آئینے کو اپنے سامنے رکھ کر کنگھے کو جلد جلد سر کے بالوں میں پھیرتے جاؤ۔ آئینے میں تمھارے سر سے شرارے نکلتے اور غائب ہوتے دکھائی دیں گے جیسے کالی گھٹا میں بجلی چمک رہی ہو۔ چٹ چٹ کی آواز بھی آئے گی یہی اس بجلی کی گرج ہے۔ کنگھے کو پھر ایک مرتبہ سر میں پھیرنے کے بعد کسی بچے کی ناک کے قریب لے جاؤ کنگھے سے ایک ننھا سا شرارہ نکل کر بچے کی ناک میں غائب ہو جائے گا۔ اور اُسے ناک میں کچھ گدگدی سی محسوس ہوگی۔

کرسی کے پیچھے والی لکڑی پر ایک چھڑی رکھو پھر کنگھے کو برتا کر چھڑی کے ایک سرے کے قریب لے جاؤ۔ ساتھ ہی اس کو اپنی طرف آنے کا حکم دو۔ چھڑی خاموشی کے ساتھ تمھارا حکم مانے گی اور کنگھے کی طرف کھنچ آنے گی۔ اگر چھڑی کی جگہ پنسل رکھو گے تو کنگھا اس کو آسانی سے اپنی طرف کھینچ لے گا۔

یہ چند دلچسپ تفریحی کھیل یا معمے ہم نیچے لکھ رہے ہیں۔ امید ہے کہ ہر بھیا ان کو حل کرنے کی کوشش کرےگا۔ ان کا نتیجہ آئندہ ماہ کے رسالے میں نکلے گا۔ بھیا میوں نے اس میں دلچسپی لی تو اس سلسلے کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

(۱) پندرہ دیا سلائی کی تیلیاں اس طرح رکھو کہ پانچ برابر مربعے بن جائیں۔
اب ان میں سے تین تیلیاں اس طرح نکال لو کہ محض تین مربعے بن جائیں۔

(۲) سترہ دیا سلائیوں کی تیلیاں اس طرح رکھو کہ چھ برابر مربعے بن جائیں۔
اب ان میں سے پانچ تیلیاں اس طرح سے نکال لو کہ دو مربعے باقی بچ جائیں

(۳) شکل نمبر ۲ کی طرح سترہ تیلیوں کو رکھ لو اور پھر ان میں سے چھ تیلیاں اس طریقے سے نکال لو کہ دو مربعے باقی بچ جائیں۔

(۴) بارہ دیا سلائیوں کی تیلیوں کو اس قرینے سے رکھو کہ چار مربعے برابر بن جائیں۔
پھر ان میں سے چار تیلیاں نکال لو اور پھر انھیں اس طرح انھی کے ساتھ رکھو کہ تین مربعے بن جائیں۔
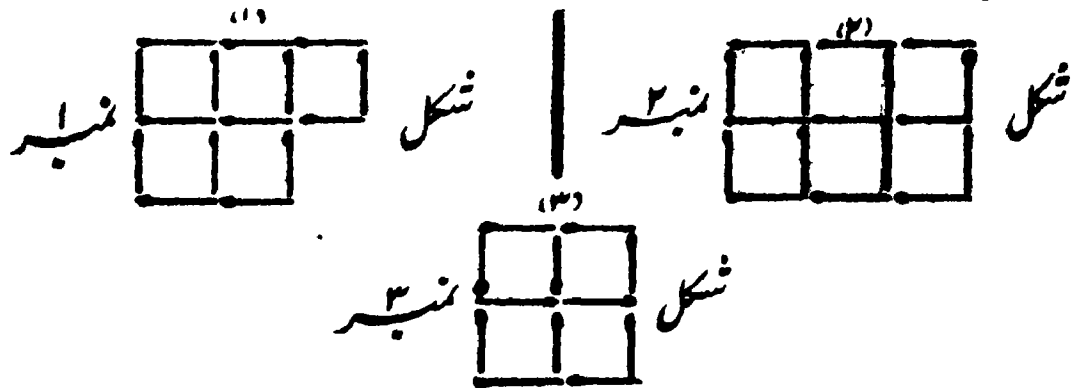
پیاری بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست -

یہ پرچہ (اگر ٹھیک وقت پر نکل گیا تو) عید مبارک سے چند روز پہلے تمھیں مل جائے گا - ہم ابھی سے تمھیں عید کی مبارک باد دیتے ہیں - یہ خوشی کا دن تم بہت ہی دلچسپ مصروفیتوں میں گذارو گے اگر ان دلچسپیوں کے ساتھ ایک آدھ کام کی بات بھی کر ڈالو تو کیسا اچھا ہو۔

پیام تعلیم کے خریدار بڑھانے کے بارے میں تم سے کہتے ہوئے ہمیں اچھا نہیں لگتا - اس معاملے میں ہمیشہ ہم نے تامل سے کام لیا ہے - مگر تمھیں تو معلوم ہے آج کل کیسی پریشانی کا زمانہ ہے - تمارے پرچے کے لئے بھی یہ دن بہت آزمائش کے ہیں - اگر تم اس کا ایک ایک خریدار بھی بنا دو تو تمھارے پرچے کی کتنی مدد ہو جائے۔

پچھلے مہینے بڑی لڑائی کو پورے تین سال ہو گئے ہیں - حالت یہ ہے کہ اس کا زور دن پر دن بڑھتا ہی جاتا ہے - روسی مورچے پر تو ایسا گھمسان کا رن پڑا ہے کہ غالباً پچھلی تاریخ میں اس کی مثال نہ مل سکے خصوصاً اسٹالن گراڈ کے مورچے پر جرمنی اپنی فوجوں پر فوجیں کٹا رہا ہے - اس کے ہوائی جہاز دن رات بم برسا رہے ہیں - توپیں ، ٹینک غرض ہر چیز حرکت میں ہے - سب کا خیال ہے بلکہ خود روس کا یہ کہنا ہے کہ جرمنی کی طاقت ہر اعتبار سے اس سے بڑھی ہوئی ہے - باوجود اس کے بہادر روسی اپنے پیارے وطن کے بچانے کے لئے پورے جوش اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں - ویسے تو ہر مورچے پر روسیوں نے جرمن فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا - مگر اسٹالن گراڈ کے مورچے پر تو حیرت انگیز جانبازی دکھا رہے ہیں - ایک ایک میل بلکہ اب تو ایک ایک سڑک اور ایک ایک مکان کے لئے لڑائی ہو رہی ہے - اسٹالن گراڈ پر حملے کو بہت دن ہو چکے ہیں - جرمنی نے بے شمار سپاہی اور ٹینک لڑائی میں جھونک دئے ہیں - پھر بھی ابھی تک اس شہر پر جرمنی کا قبضہ نہیں ہو سکا ہے - بہت ممکن ہے کہ جرمنی اپنی فوجی طاقت کے بل پر روس کو ہرا دے اور روس کے بہت سے علاقے پر قبضہ کرے - مگر کسی روسی کے دل پر قبضہ نہ کر سکے گا اور روسی بہادروں کی اپنے وطن کی خاطر یہ قربانی تاریخ میں یادگار رہے گی۔

افریقہ میں مصر کے مورچے پر جرمن فوجوں نے انگریزی فوجوں پر چڑھائی کی تھی - انگریزی فوجیں بھی
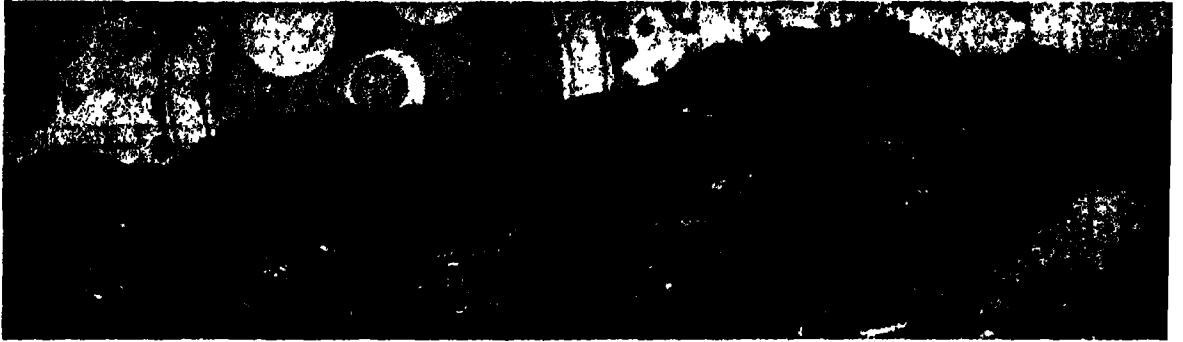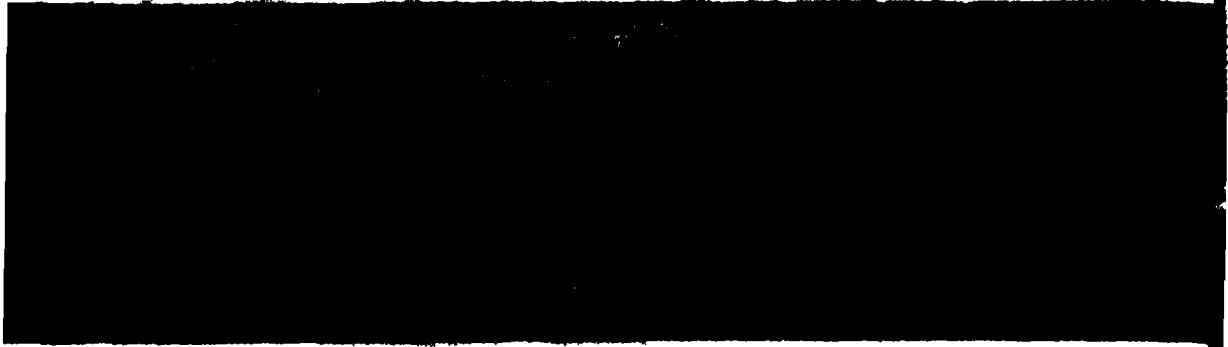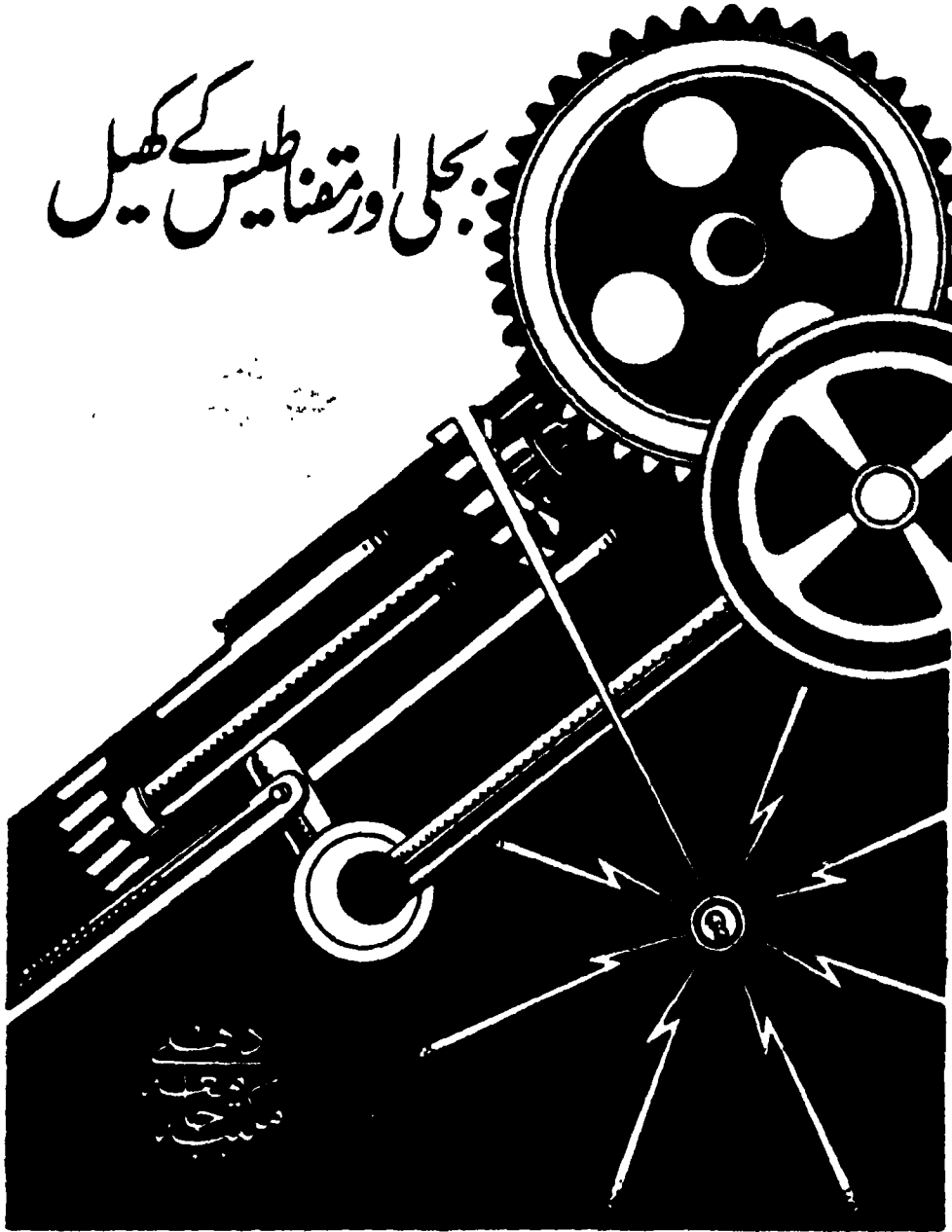
بعض دلچسپ مناظر

دو دلچسپ منظر

Regd. L. No. 1701

قیمت ساڑھے چار آنے

کے لئے چند دوسری نئی کتابیں:-

بجلی کی کہانی قیمت تین آنے — مقناطیس کی کہانی ڈھائی آنے

صنعت و حرفت (حصہ دوم) قیمت پانچ آنے

پیامِ تعلیم

مکتبہ جامعہ دہلی

محمد حسن الدین کے بچپن

نواب معزالدین صاحب کا مکان بڑودہ

جلد ۲۶ | نمبر ۱۱

فہرست مضامین نومبر ۱۹۴۲ء

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید بدحسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ مجید مطابع پریس دہلی

بھوپال کے ایک خط سے یہ معلوم کرکے دلی صدمہ ہوا کہ جناب شاغل فخری صاحب (اڈیٹر غنچہ) کا انتقال ہو گیا۔ شاغل صاحب ابھی نوجوان تھے۔ تین سال سے بجنور کے ہفتہ وار اخبار غنچہ میں کام کر رہے تھے اور اُن کی مسلسل محنت کے سبب غنچے کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے بچّوں کے لیے کئی اچھی اچھی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ بچّوں کے لئے کئی اور اچھی اچھی کتابیں لکھنے کا اُن کے دل میں ارادہ تھا۔ افسوس ہے کہ موت نے جلدی کی۔ ہمیں اس سانحے پر ان کے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے اور غنچے کے ننھے خریداروں سے بھی کہ وہ اپنے ایسے اچھے اڈیٹر سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے

خدا کا شکر ہے کہ پچھلا پرچہ قریب قریب ٹھیک وقت پر نکلا۔ اس پرچے کے بارے میں منیجر صاحب نے اُمید تو پوری دلائی ہے۔ خدا کرے یہ اُمید پوری ہو۔

پچھلے پرچے کے بہت سے مضمون پیامیوں کو پسند آئے، خاص کر نیّر صاحب کی کہانی، محترمہ مریم خلیل کی نظم، غفور صاحب کا پھل والا مضمون، کہانی اور ڈراما، یہ تینوں چیزیں اس پرچے میں بھی چھپ رہی ہیں۔

سالنامے کی تیاری ہو رہی ہے، بہت سے حضرات نے مضمون لکھنے کا وعدہ کیا ہے، دُعا کرو کہ تمھارا یہ سالنامہ آج کل کے خراب حالات میں نہایت کامیاب رہے۔

کاتب صاحب کی غلطی سے پچھلے پرچے میں صفحوں کے نمبر غلط ہو گئے ہیں صحیح نمبر ۲۹۷ سے ۳۲۸ تک ہیں پیامی ٹھیک کر لیں۔

مولوی محمد شفیع الدین نیر

پچھلے مہینے مسعود اختر صاحب جامعی، استاد جامعہ نگر (دہلی) کی بچی کی سال گرہ تھی۔ اس موقع پر پیام تعلیم کے خاص شاعر جناب مولانا محمد شفیع الدین صاحب نیر نے ایک نظم پڑھی تھی۔ یہ نظم انھوں نے ہماری درخواست پر پیام تعلیم کے لئے مرحمت فرما دی ہے اور نیچے درج کی جاتی ہے۔ (ایڈیٹر)

چڑیا بولی چوں چوں چوں — مرغا بولا ککڑوں کوں

میں نے کہا تم خوش ہو کیوں — بولے ہم سب خوش ہیں یوں

خالدہ کی ہے سال گرہ

خالدہ کی ہے سال گرہ

پھول خوشی سے پھول گئے — پیڑ پھلوں سے جھول گئے

بچے گو اسکول گئے — لیکن پڑھنا بھول گئے

خالدہ کی ہے سال گرہ

خالدہ کی ہے سال گرہ

دادا دادی خوش ہیں آج — نانا نانی خوش ہیں آج

پھوپھا پھوپھی خوش ہیں آج ۔۔۔ گھر کے سب ہی خوش ہیں آج

خالدہ کی ہے سال گرہ

خالدہ کی ہے سال گرہ

اماں اور ابا مسرور ۔۔۔ خالو اور خالا مسرور

تائی اور تایا مسرور ۔۔۔ دل ہی ماموں کا مسرور

خالدہ کی ہے سال گرہ

خالدہ کی ہے سال گرہ

یارب اس کا مان بڑھے ۔۔۔ بچی یہ پروان چڑھے

اُردو اور قرآن پڑھے ۔۔۔ بات اچھی ہر آن گڑھے

خالدہ کی ہے سال گرہ

خالدہ کی ہے سال گرہ

نیر کا بھی قلب ہے شاد ۔۔۔ دیتا ہے سب کو مُبارک باد

عُمر ہو اس بچی کی زیاد ۔۔۔ پائے ہمیشہ دل کی مراد

ہر کام اس کا پیارا ہو

سب کی آنکھ کا تارا ہو

انوکھی بچّی یین

محمد شفیع الدین نیّر

آئیے اب یہ معلوم کریں کہ یین پر کیا گذری۔

جس وقت وہ اُڑائی گئی وہ سو رہی تھی۔ وہ اندھیرے میں جاگی تو معلوم ہوا کہ کسی کی گود میں پرندے کی طرح تیز اُڑی چلی جا رہی ہے۔ اس کو یہ خبر نہ ہوئی کہ وہ کہاں ہے اور کس سمت کو لے جائی جا رہی ہے۔ اس کو بس اتنی خبر ہوئی کہ وہ گھر سے اُٹھا کر لائی گئی ہے ایسی صورت میں اور بچے تو ڈر جاتے۔ لیکن یین بہادر تھی اور یہ سمجھتی تھی کہ رونے سے کچھ نہ ہوگا۔

صبح ہونے سے ذرا پہلے وہ ایک غیر آباد پہاڑ پر آئے۔ یہاں ایک بہت بڑا غار تھا۔ اس کے باہر بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ بندر اور دوسرے جنگلی جانور اس کے چاروں طرف برابر اُچھل کود رہے تھے۔ یین نے سوچا کہ ہم دُنیا سے کہیں باہر آ گئے ہیں۔ اس لئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لیکن عکشنی نے یہ کہہ کر اُس کو تسلی دی۔

"پیاری یین! تم میرے ساتھ اتنی دور آئی ہو۔ اگر تم نے محنت کی اور مشکل کام کئے تو پانچ سال میں تمھیں تمھارے ماں باپ کے پاس واپس بھیج دوں گی۔ لیکن اگر تم نے سیکھنے کی کوشش نہ کی تو تم کو ساری عمر یہیں رہنا پڑے گا۔ تمھارے ماں باپ کو خبر بھی نہ ہوگی کہ تم کیا ہوئیں۔ تم بہت سے بچوں سے زیادہ ہوشیار ہو اس لئے تم کو سخت کام کرنے چاہئیں اور مشکل ہنر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

پھر اُس نے یین کو کھانے کے لئے کچھ پھل دئے۔ اس بچّی نے سوچا کہ پانچ برس تک ماں باپ سے جُدا رہنا بہت دشوار ہے۔ اس لئے اُس نے ارادہ کیا کہ جب اُسے معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں ہے تو بھاگ جانے کی کوشش کرے۔

اُس نے سارے پھل کھائے پھر اُس

بھکشنی نے کہا "یہاں دو لڑکیاں اور ہیں۔ یہ بھی تمھاری ہم عمر ہیں۔ ایک کا نام فائی اور دوسری کا نام وین ہے۔ ییَن کو یہ معلوم ہو کر کہ اُس کو دو سہیلیاں ملیں گی، بہت خوشی ہوئی۔ وہ وہاں اس سے پہلے آئی تھیں اس لئے وہ ان کو بڑی بہن سمجھنے لگی۔ بھکشنی فائی اور وین کو بلا لائی کہ وہ ییَن سے مل لیں۔ اُن سے کہا۔

"یہ میری نئی شاگرد ہے۔ اس پر مہربان رہنا۔ اور جو ہنر تمھیں آتے ہیں اس کو سکھانا۔ میں پھر آؤں گی" یہ کہہ کر وہ انھیں چھوڑ کر چلی گئی۔

پس ییَن اور فائی اور وین تینوں لڑکیاں ایک بڑے غار میں رہنے لگیں۔ یہ صبح سے شام تک پہاڑوں پر چڑھتی یا دوڑتی رہتیں۔ چند مہینوں کے بعد ییَن کی ٹانگیں مضبوط ہوگئیں اور اس کا جسم اتنا ہلکا ہوگیا کہ وہ بکری کی طرح پہاڑ پر چڑھنے لگی اور ڈھلوان چٹانوں پر بغیر گرے بندروں کی طرح کودنے لگی۔ ایک دن وہ گہری وادی میں اُترتی چلی گئیں۔ جہاں نیچے ایک سرد برفانی دریا بہتا نظر آیا۔ فائی نے ییَن سے کہا۔

"تم ایسا کرنے کی کوشش نہ کرو جب تک ہم تمھیں طریقہ نہ بتائیں"، اور اُسی وقت وہ اور وین ہوا میں اُچھلیں اور پانی میں اُنھوں نے غوطہ لگایا۔ ییَن کو یہ دیکھ کر اتنا جوش آیا کہ وہ بھی اُسی وقت کود گئی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی کسی دریا میں کبھی نہیں نہائی تھی۔

ییَن کو چونکہ غوطہ لگانا نہیں آتا تھا۔ پانی میں کودنے پر اُس کے بہت چوٹ آئی۔ وین اُس کو نہ بچاتی تو وہ ڈوب جاتی۔ وہ جلد ہی ٹھیک ہوگئی۔ فائی نے اُس سے کہا۔

"ییَن تم بہادر ہو۔ لیکن ہم تینوں بڑی بڑی باتیں سیکھ رہے ہیں۔ اور ان باتوں کو سیکھنے کے لئے ہم کو ہوشیاری، صبر اور ہمت کی ضرورت ہے۔ ہم کو ہر کام رفتہ رفتہ ہی سیکھنا چاہیئے"

پس اُنھوں نے رفتہ رفتہ ییَن کو غوطہ لگانا سکھایا۔ اس نے بہت محنت کی اور اُنھی کی طرح غوطہ لگانے لگی۔ پھر اُنھوں نے اس کو چڑیا کی طرح اُڑنا سکھایا۔ یہ اُڑنا اُس کو بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ وہ بہت جلد پرندوں کی طرح ہوا میں جھپٹا مارنے لگی۔ ہلکے سے اور خوبی کے ساتھ۔

ایک دن اچانک بھکشنی آئی۔ اُس نے ییَن سے کہا "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم یہاں خوش ہو۔ تم نے اب تک خوب ترقی کی ہے۔ اور اب میں چاہتی ہوں کہ تم اور بھی مشکل ہنر سیکھو۔

یِن نے کہا " مَیں سب کچھ سیکھنے کی کوشش کروں گی۔ خاص کر جب کہ آپ اپنی مہربانی سے مجھے سکھا رہی ہیں "
پھر بھکشنی نے اِس کو یہ کہتے ہوئے ایک تلوار دی۔ " یہ تمھارا خزانہ ہے۔ تم اس کو ایک پل کے لئے بھی اپنے سے جُدا نہ کرنا۔ اگلے سال تمھیں مچھلی کو مارنا سیکھنا چاہیئے۔ دوسرے سال تم کو شیروں اور چیتوں کو مارنا اور تیسرے سال عقاب کو مارنا۔ میں نے تمھاری بہنوں کو بتا دیا ہے کہ وہ یہ باتیں تمھیں کس طرح سکھائیں۔ اگر تم ناکام رہیں تو وہ تمھاری مدد کریں گی۔ تیسرے سال کے بعد جب تم یہ سب باتیں سیکھ چکو گی تو میں تمھاری مہارت کا امتحان لوں گی۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئیں تو سمجھا جائے گا تم نے پوری تربیت پالی۔ اور پھر تم اپنے ماں باپ کے پاس جا سکو گی۔ اب صبر کے ساتھ سیکھو۔ اور سخت محنت کرو۔"
سپہ سالار کی لڑکی اتنے ہنر سیکھنے کا موقع ملنے سے بہت خوش ہوئی۔ جب بھکشنی چلی گئی تو اُس نے اُسی وقت جا کر مچھلی کو مارنا چاہا۔ فائی اور وین نے اُس کو ایسا کرنے سے روکا بلکہ چپکے سے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کیا کرتی ہے اُس کے پیچھے ہوئیں۔ وہ تلوار ہاتھ میں لے کر دریا میں گھس گئی اور ایک بڑی مچھلی کی تلاش میں دوڑنے لگی۔ لیکن یہ کام اُس نے جتنا آسان سمجھا تھا اُتنا آسان نہ تھا۔ اُس نے بے حد کوشش کی لیکن وہ کسی مچھلی کے قریب پہنچ کر اُس کو نہ مار سکی۔ آخر کار وہ اتنی تھک گئی کہ اس کو لوٹنا پڑا۔ اور اپنی ناکامی کا اپنی بہنوں کے سامنے اقرار کرنا پڑا۔
فائی نے کہا " تم اس لئے ناکام رہیں کہ تمھارے حواس ابھی پورے طور پر قائم نہیں رہے۔ مچھلی ہر سمت میں بھاگتی ہے۔ کل تم اس بات کو دیکھنا کہ وہ کدھر مڑتی ہے تم مچھلی کے راستے پر نہ چلو بلکہ اُس کے دوسری طرف۔ اگر تم ہمیشہ مچھلی کی دُم کی طرف رہیں تو اس کو کبھی نہ مار سکو گی۔ ہاں جب وہ پلٹتی ہے تو تم میں اتنی ہوشیاری ہونی چاہیئے کہ بجلی کی طرح اس کے سر پر اپنی تلوار مار دو۔ اور اُلٹے ہاتھ سے اس کی دُم پکڑ کر پانی کی سطح پر لے آؤ۔"
یِن نے اِس نصیحت کو یاد رکھا۔ رات بھر سونے کے بعد وہ بالکل تر و تازہ ہو گئی اور بڑی توجہ سے مچھلی کو مارنا سیکھنے چلی۔ کچھ مہینے کے بعد وہ مچھلی کی طرح دوڑنا سیکھ گئی۔ اپنے حواس کو قائم رکھنا اُسے آ گیا اب وہ پہلے سے جاننے لگی کہ مچھلی کس طرف کو مڑنے والی ہے۔ وہ بجلی کی طرح تلوار مارنے لگی۔

اب کسی مچھلی کا اُس سے بچنا دُشوار ہوگیا۔

ایک سال گذر گیا اور اب وتین اس کو پہاڑوں پر شیروں اور چیتوں کو مارنے لگی۔ وتین ایک سال کے بعد مچھلی کی طرح ان خونخوار درندوں کو بھی مارنے لگی۔ اب اُس کو اُن سے ڈرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ایک سال کے عرصے میں اُس نے پچاس شیر اور چیتے مارے۔ پھر اس کو عقاب کے مارنے کا شوق ہوا۔ فائی اور وتین نے کہا۔ "ابھی تم میں اتنی طاقت نہیں آئی ہے پہلے ہمیں عقاب کو مارتے ہوئے دیکھو۔"

یہ دونوں عقاب کا شکار کرنے میں اتنی مشاق تھیں کہ کام بہت سہل معلوم ہوا۔ اور وتین پانی میں دوڑنے کی ایسی عادی ہو گئی تھی کہ اُس نے سوچا کہ میں ہوا میں ایسا ہی کرسکوں گی۔ اور عقاب کو بھی آسانی سے مار سکوں گی۔ اس لئے ایک دن اُس نے ایک عقاب کو کسی درخت کی سب سے اونچی شاخ پر بیٹھا ہوا دیکھا تو اُس نے کہا "میں اس کو مارنے کی کوشش کروں۔ اُسی وقت وہ ہوا میں اُڑ کر عقاب سے دو تین فٹ کے فاصلے پر پہنچ گئی۔ عقاب بھی ہوا میں بلندی پر اُڑا۔ اور وتین نے اُس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ابھی وہ عقاب کی نصف ہی بلندی پر پہنچی تھی کہ اس کی طاقت نے جواب دے دیا۔ اور وہ نیچے کی طرف گری یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمین سے ٹکرا کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ وتین اور فائی بہت ہی گھبرائیں۔ اور چلا کر کہا کہ چڑیا کی طرح اُڑو۔ وتین سمجھ گئی۔ اور جب زمین کو نو دس فٹ رہ گئی تو اُس نے چکر کاٹا اور اپنے آپ کو زخمی کئے بغیر بہت آہستہ سے زمین پر گر پڑی۔

جب وہ کچھ دن آرام سے رہی۔ تو دونوں بہنوں نے عقاب کے مارنے کا طریقہ بتایا۔ اُنھوں نے کہا "یہ کام ذرا مشکل ہے اور تمھیں رفتہ رفتہ ہی آئے گا۔ پہلے تم کو چڑیوں کے ساتھ اُڑنا اور اُن کو پکڑنا چاہیئے۔ تم اپنے بازو کی ایک حرکت سے چڑیا کو پکڑ سکوگی اور اس کو چھوڑے بغیر ایک ہاتھ سے پکڑے رہوگی۔ مگر یہ خیال رہے اس کے پکڑنے میں تم اس کو زخمی نہ کرو۔ اور اس کا ایک پر بھی خراب نہ ہونے دو۔ جب تم کامیابی کے ساتھ ایسا کرسکو تو پھر جنگلی راج ہنسوں اور مرغابیوں کے ساتھ اور بھی اونچی اُڑو۔ اور جب تم کسی مرغابی کو غصے یا طیش میں دیکھو تو ہوا ہی میں اُس کو مار ڈالو۔ اس کے بعد تم عقاب کو مار سکوگی۔"

(باقی آئندہ)

دنیا والوں کے لئے پھل اور مکھن

۲

محمد عبد الغفور صاحب بی اے لکچرر ٹریننگ کالج، علی گڑھ

اس پر شیلا بولی "ہاں چاچاجی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہاں ضرور اُڑنے والا قالین ہوگا، جس پر الف لیلہ کا شہزادہ بیمار شہزادی کے لئے وہ سیب لایا تھا۔ جس نے شہزادی کو دوبارہ صحت دی"

اری میری کہانیوں پر بھولی ہوئی بیٹی یہ اُڑتا ہوا قالین تو روزمرہ کی برف ہے جس میں سے ڈیری والا تمھیں مکھن کی گولی نکال کر دیا کرتا ہے۔ برف میں رکھنے سے چیزیں سڑتی نہیں۔ اور جب سے یہ چیز ایجاد ہوئی ہے، اس وقت سے پھلوں کی تجارت میں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے ولایت کے ایک میوہ فروش کی دکان دکان نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کے پھلوں کا جغرافیہ ہے۔ وہاں کے بچے تو آدھا جغرافیہ میوہ فروش کی دکان پر پہنچ کر سیکھ جاتے ہیں ہر ملک اپنے اپنے موسم میں اپنا اپنا تحفہ بھیجتا ہے۔ اور پھلوں کے تو موسم ہی ہوتے ہیں نا"

شیلا بولی "نہیں چچا ہم نے سنہری سیبوں کا قصہ پڑھا تھا۔ اس کے پھل
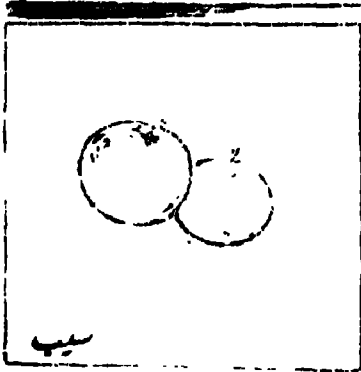
سیب

تو دیوتا لوگ ہر موسم میں کھاتے تھے"

"ہاں بیٹی وہ تو دیوتا کھاتے ہوں گے مگر اب تو انسان دیوتاؤں سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ وہ تو اکیلے سیب ہی ہمیشہ کھاتے تھے اور انسان تو ہر قسم کا میوہ ہر موسم میں کھا سکتا ہے"

"اچھے چاچا جی بتائیے تو یہ کیسے"

"اچھا پہلے [illegible] ایک سوال کا

جواب دو۔ تب ہم بتائیں گے ۔ یہ بتاؤ کہ اگر بحیرۂ روم کے علاقے میں سردی کا موسم ہو تو جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور تسمانیہ میں کیا موسم ہوگا۔ گرمی کا ہوا نا؟ کیونکہ یہ ملک جنوبی نصف کرہ میں واقع ہیں تو ایک ہی دنیا میں ایک ہی وقت میں دو موسم ہو گئے ۔ ولایت والے دونوں موسموں کے پھل منگاتے ہیں ۔ مثلاً سنگترے ولایت

سنترہ

میں تقریباً سال بھر ملتے رہتے ہیں۔ اور اسی طرح اور پھل ۔"

شیلا بولی ۔" چاچاجی معلوم ہوتا ہے ولایت کے لوگ بڑے پیٹو ہیں۔ دنیا بھر کے پھل منگا منگا کر کھا جاتے ہیں ۔ کیا اُن کے ہاں پھل نہیں ہوتے؟" "بیٹی ذرا نقشے میں دیکھو ۔ یہ بحیرۂ روم سے کتنا شمال میں واقع ہے ۔ وہاں تو یقیناً سردی بہت ہوگی۔ اور پھل میں نے تمہیں بتایا معتدل آب و ہوا کی پیداوار ہیں "۔ ہے چاچاجی

تو وہاں کے لوگ یہ آس ہی لگائے رہتے ہوں گے کہ کب سُرخ سُرخ سیبوں کا بھرا ہوا جہاز آئے اور کب کھائیں۔" "نہیں بیٹی انسان نے اپنی سمجھ اور بوجھ سے گرمی اور سردی کو بھی اختیار میں کر لیا ہے۔ ولایت میں سیب ، ناخ ، آڑو ۔ خوبانی

ناخ

آڑو

خوبانی

بھی ہوتے ہیں۔ اور خوب ہوتے ہیں ۔ آڑو شیشہ گھر کے کمروں میں اکثر تیار کیا جاتا ہے اور ویسے عام طور پر ناخ ، خوبانی

وغیرہ کے درخت جنگلوں کے اس جانب لگاتے ہیں۔ جدھر دھوپ زیادہ ہوتی ہے۔ بتاؤ کس جانب لگاتے ہوں گے؟"

رومیش چمک کر بولا "جنوبی۔ کیونکہ شمالی نصف کرہ میں جنوب کی جانب سورج کی کرنیں تیز پڑتی ہیں۔" "شاباش۔ ولایت میں آڑو اور نارنگی کے پیڑ جنوبی دیوار کے ساتھ ساتھ ہی لگاتے ہیں۔" "چاچا جی ولایت کے لوگ سبھی پھل اُن باہر کے دیسوں سے منگاتے ہیں۔ ہمارے ہاں سے کیوں نہیں منگاتے۔ ہماری سہیلی اچھو کے دادا کہتے تھے کہ جب حضرت آدم بہشت سے نکالے گئے تو وہ لنکا میں آگرے اور ایک فرشتے نے بہشتی پھلوں کی بھری ہوئی ڈالی جو اُلٹی ہے تو وہ سب کے سب ہندوستان میں آگرے اُن کے بیج ہوا کے پروں پر اُڑ کر دنیا بھر میں پھیل گئے۔" "ہاں بیٹی کہنے کو تو یہ ایک کہانی ہے۔ لیکن اس میں سچ ضرور ہے۔ ہمارے دیس میں ہر قسم کی آب و ہوا موجود ہے۔ ہمالیہ کی چوٹیاں جہاں کپکپاتی ہوئی سردی اور جیکب آباد جیسی جگہ جہاں جھلسا دینے والی گرمی ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں دُنیا بھر کے میوے پیدا ہو سکتے ہیں۔ قدرت نے تو ہم پر یہ فیاضی کی۔ لیکن ہم نے اس فیاضی سے پورا فائدہ نہ اُٹھایا اگر ... ہیں کہ درختوں کو شیشوں کے اندر پال پال کر پھل پیدا کر لیتے ہیں ایک ہم ہیں کہ زرخیز مٹی اور خوش گوار آب و ہوا میں بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اور کہنے کو تو لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں اس دیس میں دودھ کی ندیاں بہتی تھیں۔" "بہتی ہوں گی مگر اب تو ہم لوگوں کی کم ہمتی سے وہ سوتیں اب سوکھ سی گئی ہیں۔" "تو کیا چچا جان؟ کہیں دودھ کی ندیاں ہیں بھی۔"

"ہاں بیٹی۔ دُنیا والے اپنی ضرورت کا مکھن ڈنمارک، آسٹریلیا، ہالینڈ، کینیڈا، ارجنٹائن وغیرہ سے۔ پنیر نیوزی لینڈ کینیڈا ہالینڈ سے اور جما ہوا دودھ یو۔ایس۔اے سوئٹزرلینڈ سے لیتے ہیں۔ اور ولایت پر تو آج کل خدا جانے کیا گذرتی ہوگی۔ وہاں کا تو چالیس فی صدی مکھن ڈنمارک سے آتا تھا۔

"ڈنمارک!" رومیش نے تعجب سے پوچھا "ذرا سا ملک اور اتنی پیدوار"

"ہاں بیٹا ڈنمارک کیا ہے پورے یورپ کا ڈیری فارم ہے۔ تھوڑی تھوڑی زمینیں چھوٹے چھوٹے کسان، دھرتی ماتا سے سونا اُگلوانا تو کوئی اُن سے سیکھے۔ مگر ہے یہ سب مل جُل کر کام کرنے کی برکتیں۔ وہاں کے کسانوں میں مل جل کر کام کرنے کا بڑا جوش ہے۔ ان کے ہاں سیم، قسم کی اتحادی انجمنیں

۔۔۔ دودھ اکٹھا کرنے کی انجمن، مکھن نکالنے کی انجمن، جس کو باہر بھیجنے کی انجمن ، بس یوں سمجھو ۔۔۔ ملک انجمن اور سارے کسان ، کسان سبھا ۔ ہمیں تو ڈر ہے کہ ایک دن ان کی گائیں بھی گئو سبھا نہ بنا لیں "

اس پر سدیش کھڑا ہو گیا ۔ اور شیلا کی طرف اپنا دایاں ہاتھ ہلا ہلا کر کہنے لگا "دیکھو جی ۔ تم تو بناؤ دودھ اور مکھن والوں کی سبھا اور ہم بناتے ہیں پھل تیار کرنے والوں کی انجمن ، پھر دیکھیں ہمارے ملک کے دن کیسے نہیں پھرتے "

بچوں کا تحفہ

بچوں کے شاعر مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی نظموں کا مجموعہ ۔ یہ کتاب ہندوستان کے ماہرین تعلیم کی رائے میں تعلیمی ، تفریحی اعتبار سے بچوں کے لئے بہترین چیز ہے ۔ مختلف صوبوں کے تعلیمی محکموں میں منظور شدہ ہے ۔ اب تک کوئی ۳۶ ہزار سے زیادہ فروخت ہو چکی ہے ۔ قیمت حصہ اول ۵ر ۔ حصہ دوم ۵ر

دھوئیں کی پھانسی

یہ سید ابوطاہر صاحب بی ایس سی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو پیام تعلیم اور دوسرے پرچوں میں چھپے ہیں جو بچے پیام تعلیم پڑھتے ہیں انھیں اچھی طرح اندازہ ہوگا کہ ابوطاہر صاحب کیسے اچھے اور دلچسپ مضمون لکھتے ہیں کتاب کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کتاب دیکھ کر ہو سکتا ہے لکھائی چھپائی بہت اچھی، ٹائٹل خوش نما ۔ قیمت ۸ر

مکتبہ جامعہ دہلی قرول باغ

تیلیوں کے کھیل پچھلے پرچے میں تیلیوں کے کھیل کے سلسلے میں جو معمے بھیجے تھے ان کے جواب یہ ہیں ۔

(۱)

(۲)

(۳)

(۴)

(ریاض الرحمٰن)

اسکول

شجاع احمد قائد، حیدر آباد

ماسٹر :- مگر آیندہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی خوش بو یا بد بو والی چیز تم کو فلم میں دکھائی جائے گی تو اس کی خوش بو اور بد بو بھی تم سونگھ سکو گے

آصف :- یہ کیسے ؟

ماسٹر :- تم کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ فلم اصل میں تصویروں کا ایک لمبا فیتہ ہوتا ہے اور دونوں طرف آواز پیدا کرنے کا سامان بس جس طرح سے آواز کو محفوظ کر کے سُنا جاتا ہے اسی طرح خوشبو اور بد بو کو بھی سنگھایا جائے گا۔

جواد :- ماسٹر صاحب ذرا مثال دے کر ....

ماسٹر :- اچھا اچھا سُنو، مثلاً اگر کسی فلم میں آگ لگی ہوئی دکھائی جائے گی تو اس کے دھوئیں کی بو بھی سونگھنے میں آئے گی، اب تو سمجھے !

جواد :- جی ہاں -

ماسٹر :- اچھا بھئی اب وہ صاحب اپنا ہاتھ

پر کھڑے ہو جائیں جو محض گانا سُننے کے لئے سینما دیکھتے ہیں -

امجد :- میں ہوں ماسٹر صاحب -

ماسٹر :- اچھا تو آج تک تم نے کون کون سے گانے سُنے، کتنے پسند آئے، اور ان میں سے کتنے یاد کئے -

امجد :- یاد تو بہت سے کئے تھے مگر ......

ماسٹر :- مگر کیا، یاد نہیں ہیں، کیوں یہی نا، دیکھو امجد شرماؤ نہیں۔ سُنا دو جھٹ پٹ اس میں شرمانے یا جھینپنے کی کون سی بات ہے -

امجد :- سولہ برس کا دُکھ کاٹے کٹے نہ اب یہ پیاں اور دوسرا یہ ہے ماسٹر صاحب -

ٹوٹ گیا ہے بوٹ بھئی، بوٹ گیا ہے ٹوٹ
نام میں جگ میں کر جاؤں گا مصری کھا کر جاؤں گا
کہتا نہیں ہوں جھوٹ سچی، بوٹ گیا ہے ٹوٹ بھئی

(سب ہنستے ہیں)

ماسٹر :- ہاں ٹھیک۔ .... اچھا امجد دریہ

تو بتاؤ کہ تم کو یہ گانا کیوں پسند آیا۔

امجد:۔ جی۔

ماسٹر:۔ اچھا یہ تو تمھیں معلوم ہی ہوگا کہ تم نے جو ابھی گایا اس کا مطلب کیا ہے؟

امجد:۔ جی نہیں۔

ماسٹر:۔ اچھا قیصر یہ گیت جو امجد نے سنائے تم بھی گا کر سنا دو۔

قیصر:۔ جی اچھا۔

(قیصر بھونڈی آواز سے اسی کو گاتا ہے۔)

ماسٹر:۔ کیوں امجد کیا اب بھی یہ گانے تم کو پسند ہیں۔

امجد:۔ قیصر کے منہ سے تو کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:۔ فلم کا ایسے ہی اچھا گانا جب تم قیصر سے سنوگے تو تم کو نفرت ہو جائے گی۔ اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ فلمی گانے خود اچھے نہیں ہوتے بلکہ ان کا ساز اور طرز وغیرہ تم لوگ پسند کرنے لگتے ہو۔ آئندہ کے لئے ایک نسخہ بتائے دیتا ہوں جو گانا تم کو پسند ہو میرے سامنے گانا۔ میں اسی طرز میں ایک اچھی سی نظم لکھ کر تم کو دے دوں گا، اور اس کا مطلب بھی سمجھا دوں گا۔

ناصر:۔ ہم نہیں سمجھے ماسٹر صاحب

ماسٹر:۔ کیا۔

ناصر:۔ یہی گیت، طرز اور ساز والی بات۔

ماسٹر:۔ میں یہ کہتا ہوں کہ بھونڈے سے بھونڈا اور خراب سے خراب گیت اگر اچھی طرز سے اچھے ساز پر گایا جائے تو اچھا معلوم ہوگا، بالکل ایسا ہی سمجھئے پیتل پر ملمع چڑھا دیا جائے تو وہ کیسا معلوم ہونے لگے گا۔

آصف:۔ سونے کو بھی مات کر دے گا۔

ماسٹر:۔ ہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھو کہ پیتل ملمع چڑھنے سے سونا نہیں ہو سکتا۔

آصف:۔ ماسٹر صاحب فلمی گانے ہم جب گھر میں گاتے ہیں تو ابا جان اور اماں جان دونوں خفا ہوتے ہیں۔

ماسٹر:۔ ان کا خفا ہونا کچھ برا نہیں ہے اس لئے کہ یہ گانے بچوں کے لئے اچھے نہیں ہوتے۔ ان کا مطلب بہت ہی خراب ہوتا ہے۔

جواد:۔ ہم پہلے اپنی نشر گاہ کے ماموں جان کے یہاں خط بھیج دیا کرتے تھے کہ فلاں فلمی ریکارڈ لگا دیجئے۔ پہلے تو وہ ہماری بات بہت جلدی جلدی مان لیا کرتے تھے مگر اب ذرا آنا کانی کرنے لگے ہیں۔

ماسٹر:۔ وہ بھی اسی لئے سست پڑ گئے ہوں گے۔

قیصر:- لیکن ماسٹر صاحب ہم تو ابھی لڑکے، بچے ہیں ہمارا اتنا خیال اور اتنی نگرانی

ماسٹر:- (ہنستے ہوئے) ہاں یہ ٹھیک ہے اچھا یہ تو بتاؤ ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔

امجد:- املی کا بیج۔

ماسٹر:- اور وہ سامنے کیا ہے جس پر دو کوّے بیٹھے ہوئے ہیں۔

قیصر:- املی کا درخت۔

ماسٹر:- درخت کتنا بڑا ہے۔

آصف:- بہت بڑا ماسٹر صاحب۔

ناصر:- آسمان کو چھوتا ہوا۔

ماسٹر:- مگر میں یہ کہتا ہوں کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔

آصف:- واہ ماسٹر صاحب یہ کیا سامنے تو ہے۔

ماسٹر:- مگر میں یہ کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں املی کا درخت ہے اور سامنے جس کو تم درخت کہہ رہے ہو وہ درخت نہیں ہے، بیج ہے۔

رشید:- یہ کیسے ہوسکتا ہے ماسٹر صاحب۔

ماسٹر:- اگر میری مٹھی میں ہندوستان آسکتا ہے تو یہ بھی ہوسکتا ہے۔

جواد:- مٹھی میں ہندوستان۔

(سب کے سب ہنستے ہیں)

ماسٹر:- کیوں بھئی ہنستے کیوں ہو۔ یہ دیکھو۔

(کاغذ کی آواز)

رشید:- یہ تو کاغذ ہے، اور کاغذ پر ہندوستان کا نقشہ ہے۔ پورا ہندوستان کہاں ہے

ماسٹر:- ارے عقل مند اس کاغذ کے نقشے میں ہندوستان کا پورا نقشہ موجود نہیں ہے۔

رشید:- جی ہاں ہے۔

ماسٹر:- لیکن پھر بھی یہ کاغذ میری مٹھی میں بند تھا۔ اس ایک بالشت کاغذ میں سارا ہندوستان بند تھا۔ بس اسی طرح اس املی کے بیج میں یہ پورا آسمان کو چھوتا ہوا درخت بند ہے۔ ہاں تو اگر اس بیج میں کیڑا لگ جائے یا کچھ خرابی پیدا ہو جائے تو سمجھو کہ اس کا نقشہ بگڑ جائے گا اور جیسا چاہیئے ویسا درخت نہیں تیار ہوسکے گا۔ کیوں بھئی کچھ سمجھ میں آیا

دو چار:- جی ہاں۔ جی ہاں۔

ماسٹر:- اچھا تو اس طرح سمجھو، دیکھو جس طرح سامنے املی کا درخت ہے۔ اس طرح میں ہوں، اور تم اور تمھاری کلاس سے پیچھے بیٹھنے والے بچے بیج اور پودے کی طرح ہیں۔ بتاؤ اگر تمھاری اور اُن کی نگرانی نہ کی جائے تو آئندہ چل کر تم کیا ہوسکو گے۔ ہم بھی تمھاری طرح بچے تھے، اگر ہمارے ماں باپ اور استاد ہماری دیکھ بھال نہ

کرتے تو ہم نہ معلوم کہاں ہوتے۔
تم لوگ جو آج بچے ہو۔ ایک دن
جوان ہوگے۔ اور تم میں سے کوئی
ہیڈ ماسٹر ہوگا، کوئی تھانے دار،
کوئی تحصیل دار، کوئی گورنر، کوئی
صوبے دار، کوئی سوداگر، کوئی سپاہی
لیکن کس حالت میں؟ اگر تمہاری اچھی طرح
حفاظت اور دیکھ بھال کی جائے۔ ورنہ یہ
سامنے سین بورڈ پر دیکھو تو بڑا سا صفر۔
(گھنٹی بجتی ہے۔)

گم شدہ ہوائی جہاز

اس امریکن ہوا باز کا ہوائی جہاز اس پہاڑی علاقے میں گم ہوگیا ہے، جہاز کا اور پہاڑ کے پتھروں کا رنگ ایک ہوگیا ہے۔ کیا تم اس بے چارے کے جہاز کو تلاش کر دوگے؟

ترکیب:- نمبر ۱ میں سیاہ رنگ بھر دو۔ نمبر ۲ خالی چھوڑ دو۔ نمبر ۳ میں سبز رنگ بھر دو۔ بس جہاز مل جائے گا۔

(فیروز کا رٹسٹ)

یہ نظم مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ نے اپنے ہفت سالہ بچے محمد صالح کے لئے اُس کی ماموں زاد بہن کی پہلی سال گرہ کی دعوت میں سُنانے کے لئے لکھی تھی۔ اور ہماری درخواست پر پیام تعلیم کے لئے مرحمت فرما دی ہے۔

نانا⁹ صاحب آئے آج ‖ یہ خوش خبری لائے آج
خالدہ⁵² کی ہے سال گرہ ‖ آج پڑی ہے سال گرہ
اس تقریب میں ہے اِفطار ‖ آئیں گے سارے رشتہ دار
تم سب بچے بھی آنا ‖ کھیلنا اور دعوت کھانا
اس دعوت میں کیا ہوگا ‖ بڑھیا سا کھانا ہوگا
میٹھے میٹھے پھل ہوں گے ‖ اچھے اچھے پھل ہوں گے
کیلے، سیب، انار، انگور ‖ سنترے، امرود اور کھجور

۹ ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی ۵۲ مسعود اختر صاحب آرٹسٹ کی لڑکی۔

چاٹ کچالو کی ہوگی — کمرخ آلو، کی ہوگی
پھلکیاں اور بڑے ہوں گے — خوب دہی میں پڑے ہوں گے
ہوگی اس میں مٹھائی بھی — برفی، نان خطائی بھی
چٹ پٹے سیو سموسے بھی — اور پالک کے پتے بھی
یہ سب چیزیں سجائیں گے — پھر مل جل کر کھائیں گے
ہم نے جب یہ بات سنی — گدگدی سی اک دل میں ہوئی
ساری باتیں بھول گئے — ہم تو خوشی سے پھول گئے
ہم سب[1] نے کپڑے پہنے — اماں پھر یہ لگیں کہنے
اب رکنے سے حاصل کیا — بے آؤ جا کر تانگا
تانگا آیا بیٹھ گئے — چل کر گھر سے یہاں آئے
ہم نے سوچا نظم کہیں — سب بھنّو[2] کو دعائیں دیں

ہو مسرور خدایا یہ
چمکے نور خدایا یہ

[1] نیّر صاحب کے بچے [2] خالدہ، اسی بچی کی پہلی سال گرہ تھی۔

دِلّی سے بمبئی

رحیم الدین

بڑودہ

؍جنوری کو ہمارے سفر کا دوسرا ہفتہ شروع ہوا۔ اپنے پہلے پروگرام سے ۲ گھنٹے بعد دن کے کوئی گیارہ بجے ہم بڑودہ پہنچے۔ یہی ہماری آخری منزل تھی۔ سامان کلوک روم میں رکھا۔ کرائے کی موٹر بس میں سوار ہوکر نواب منزل پہنچے منظور کے خالو جناب نواب معزالدین صاحب اور اُن کے چھوٹے بھائی جناب ڈاکٹر فخرالدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔

کھانے سے پہلے نواب صاحب نے اپنے مکان کا ایک کمرہ دکھایا۔ یہ ایک چھوٹا سا میوزیم (عجائب خانہ) ہے۔ جس میں علاوہ چند قدیم چیزوں کے لکڑی کا نفیس کام بہت خوب صورت ہے۔

دوپہر کا کھانا کھایا۔ اب تک جتنے کھانے کھائے تھے سب بھول گئے۔ قسم قسم کی چیزیں اور پھر لذیذ۔ اس وقت بھی منہ میں پانی بھر آیا۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایک نواب کے ہاں کا کھانا تھا۔ کھانے میں ڈاکٹر صاحب نے جو امریکہ بھی ہو آئے ہیں ایک بڑی مفید بات بتائی۔ اُن کی تحقیق ہے کہ کھانے میں کم از کم ⅕ حصّہ ترکاری کا ہونا ضروری ہے۔ انھوں نے اپنی اصطلاح میں ترکاری کو (ONE FIFTH) کہنا شروع کر دیا ہے۔

کھانے کے بعد نواب صاحب نے ہمیں ایک دن اور ٹھہرنے کے لئے مجبور کیا۔ ارادہ تو صرف ایک ہی دن ٹھہرنے کا تھا لیکن اُن کے پُرخلوص اصرار نے ہمیں مجبور کر دیا، اور ٹھہرتے ہی بنی۔ اس دوران میں نواب صاحب کا زبان جاری ہوا کہ "بڑودہ کے قیام میں آپ لوگ اپنا ایک پیسہ نہ خرچ کریں۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ لوگوں کے تمام اخراجات ہمارے ذمے ہیں۔" "آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ ہمارے پاس خرچ کو موجود ہے۔ پہلے سے تیاری کرکے چلے تھے۔ آپ کی یہی نوازش کیا کم ہے کہ آپ نے اس خلوص اور محبت سے ہمیں اپنا مہمان بنایا۔" ہم نے اُن سے یہ سب کچھ کہا۔ انھوں نے ہماری ایک بات نہ مانی

ہم اتنا کہہ کر خاموش ہو رہے کہ بہت اچھا آپ بزرگ ہیں۔ آپ کا کہنا کیسے ٹالا جاسکتا ہے۔

موٹر بس کے ذریعے پہلے ہم لوگ میوزیم اور زو دیکھنے گئے۔ نواب صاحب کے صاحبزادے عزیز الدین صاحب جو جامعہ نگر میں پڑھتے ہیں اور اُن کے ایک ملازم ہمارے ساتھ تھے۔ میوزیم میں تھیں تو ویسے بہت سی عجیب و غریب چیزیں لیکن قابلِ ذکر وہ لاش ہے جو دو ہزار برس سے محفوظ رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ لاش مصر سے لائی گئی ہے۔ میوزیم میں یا تو ننگے پیر جاسکتے ہیں اور اگر جوتا پہنے ہوں تو موزوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ زو میں ہمارے لئے نئی چیز ایک بن مانس تھا۔

کمٹی باغ میں میوزیم اور زو ہیں ایک پل بھی ہے۔ یہ پل ایک بڑے سے نالے کو پار کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اسے جھولے کا پل کہتے ہیں۔ چلنے میں یہ پل ہلتا ہے۔ صرف دو پیروں پر کھمبوں کے ذریعے رُکا ہوا ہے۔

یہاں سے ہم راستے کی چیزیں دیکھتے ہوئے اونی کپڑے کے مل پہنچے۔ مل کا ہر شعبہ دیکھا اُن دنوں اس مل میں صرف لڑائی کے لئے سامان تیار ہو رہا تھا۔

رستے میں اسٹیشن پڑتا تھا وہاں سے اپنا سامان لیا۔ اور بس میں بیٹھ کر نواب منزل پہنچے۔ یہاں کی موٹر بسیں نہایت آرام دہ ہیں۔ ایک بس میں صرف ۱۴ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس میں بیٹھ کر ایک اچھے قسم کے موٹر کا لطف آتا ہے۔

شام کے ناشتے کے بعد ایک طرف نواب صاحب نہایت دلچسپ انداز میں ہمارے کچھ ساتھیوں کو ریاست بڑودہ کے متعلق کچھ باتیں بتا رہے تھے۔ اور دوسری طرف ڈاکٹر صاحب نے بڑی دلچسپ اور مفید باتوں کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔

رات کا کھانا کھا کر سونے کی فکر ہوئی ایک الگ کمرے میں ہمارے لئے موٹے موٹے گدّے بچھوا دئے گئے تھے۔ باقی سامان ہمارے پاس تھا۔ کمرے میں جاتے ہی ہمارے بعض ساتھیوں نے سرکس والوں کی طرح گدّوں پر قلابازیاں کھانی شروع کیں۔ کچھ دیر انڈور گیمس، قصّے، کہانیوں اور لطیفوں کا سلسلہ رہا جب رات زیادہ ہوگئی تو عروج صاحب نے روشنی بند کردی۔ اور ہمارے لئے سونے کا حکم نافذ فرمایا۔ بھیگی بلی کی طرح ہم لوگوں نے چادر تان کر چپ سادھ لی۔ چند منٹ تک تو خاموش رہے اور جب یہ سمجھ لیا کہ ماسٹر صاحب سوگئے ہوں گے تو پھر کانا پھوسی شروع ہوگئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد عروج صاحب کی آواز ہمارے کانوں میں آئی کہ

"تعمیل ہو، تعمیل ہو" اب کیا تھا ہر طرف سے خرّاٹوں کی آوازیں آنے لگیں۔ اور تھوڑی دیر میں واقعی نیند آ بھی گئی۔

صبح ہوتے ہی ضروریات سے فارغ ہوئے، ناشتہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب پورے قافلے کو اپنی موٹر میں بٹھا مہاراجہ صاحب کا محل دکھانے لے گئے۔ رستے میں عیدگاہ دیکھی۔ عید کے دن مہاراجہ صاحب اس جگہ آتے ہیں۔ اُن کے آنے پر خطبہ شروع ہوتا ہے۔ خود ہاتھی پر بیٹھے خطبہ سُنتے ہیں اور خطبے کے ختم ہونے تک وہیں رہتے ہیں۔

اب ایک تین میل لمبی اور بالکل سیدھی سڑک پر ہمیں جانا تھا۔ موٹر ہمارا بوجھ نہ سنبھال سکی۔ اس کے ایک پہیے کا رستے ہی میں دم نکل گیا۔ فوراً ہی دوسرے کو اس کی جگہ تیار کیا اور محل کے دروازے پر پہنچے۔

محل کا کونا کونا دیکھ ڈالا۔ ایک بات وہاں عجیب دیکھی اور وہ یہ کہ محل کا ایک حصّہ مغربی طرز پر سجا ہوا تھا اور دوسرا مشرقی نمونے پر۔ محل کے آس پاس کا چمن بہت خوب صورت ہے۔ واپسی میں مہاراجہ صاحب کے بچوں کے محل کی طرف گئے وہاں اُن کی چھوٹی ریل دیکھی۔ چھوٹے چھوٹے ڈبے اور چھوٹا سا انجن۔ بچوں کے محل سے ان کا مدرسہ چند قدم کے فاصلے پر ہے لیکن

اس ریل میں بیٹھ کر چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ وہاں پہنچتے ہیں۔ ریل کے رستے میں پہاڑ، سرنگیں، دریا کے پل، میدان، جنگل۔ غرض ہر قسم کے مناظر بنا گئے ہیں۔ ریل کا الگ ایک محکمہ قائم ہے۔

اسے دیکھ کر ہم نے مہاراجہ کا گاڑی خانہ، ہاتھی خانہ اور اصطبل دیکھا، گاڑی خانے میں سونے چاندی کی دو گاڑیاں تھیں جن میں سے ہر ایک کی لاگت تین لاکھ روپئے کے قریب ہے۔ وہیں سونے کی ایک توپ بھی دیکھی۔ اصطبل میں ایک گھوڑا دیکھا جو چار ہزار روپے میں خریدا گیا تھا۔ مہاراجہ کی وہ لاری بھی دیکھی جس کی قیمت دو لاکھ روپئے ہے۔ یہ لاری کیا ہے چلتا پھرتا مکان ہے۔ کھانے کا کمرہ، غسل خانہ، پائے خانہ، بیٹھنے کا کمرہ سب الگ الگ ہیں۔ ریڈیو اور وائرلیس کا انتظام بھی ہے۔ ہاتھی خانے کے قریب وہ جگہ بھی دیکھی جہاں ہاتھیوں کی لڑائی ہوتی ہے۔

یہ سب کچھ دیکھ کر قیام گاہ پر لوٹے۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ چند گھنٹے آرام کیا۔ پھر شام کا ناشتہ کر کے شہر دیکھنے نکلے۔ مختلف بازاروں کی سیر کی۔ سبزی منڈی دیکھی۔ بہت وسیع اور

بخنہ بازار ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہم لوگوں کے لئے اتنے کیلے خرید ڈالے۔ ہم ہر ایک کے حصے میں دو دو درجن کیلے آئے۔

شہر صاف ستھرا ہے۔ چوراہوں پر بڑے بڑے دروازے بنے ہیں عام طور پر سڑکیں سیدھی ہیں۔ ریاست کی قریب قریب سب عمارتیں خوب صورت اور شان دار بنی ہوئی ہیں۔ مغرب کے قریب ایک اسلامیہ اسکول میں گئے وہاں کے لڑکوں سے بیت بازی ہوئی۔

یہاں سیر بھی ختم ہوئی۔ رات کے کھانے کے بعد آرام سے سوئے۔ صبح ساڑھے چھ بجے کی گاڑی سے جانا تھا۔ ہمیں کچھ فکر نہ تھی۔ نواب صاحب نے تمام انتظام کرا رکھا تھا۔ سامان رات ہی باندھ دیا تھا۔ بہت سویرے ناشتہ کیا۔ وقت پر موٹر بس آگئی۔ سامان رکھا اور اسٹیشن پہنچے۔ آج ۹ جنوری جمعہ کا دن تھا۔ کل دہلی پہنچیں گے۔ نواب صاحب کے لڑکے عزیز نواب بھی ہمارے ساتھ ہی تھے۔ یہاں بھی ریل میں آرام ہی سے جگہ ملی۔ متھرا آکر ایک نئی مصیبت آئی۔ معلوم ہوا کہ ہماری گاڑی ڈیلی ایکسپریس دہلی تک نہیں جائے گی صبح کے چار بجے کا وقت تھا۔ فوراً دوسری گاڑی بدلی۔ دن کے گیارہ بجے دہلی پہنچے آج ۱۰ جنوری تھی۔ ہفتہ کا دن تھا۔ چھٹی کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں

خدا کا شکر ہے کہ اس طویل سفر میں ہمیں ہر قسم کا آرام ملا۔ اور ہمارے سب ساتھی خوش رہے اور بخیریت تمام دہلی پہنچ گئے۔

۹ دن میں ۱۰۰۵ میل سفر کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہم اپنے ملک کے متعلق کتنا کم جانتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ایک دن جے پور، ایک دن اجمیر، ایک دن احمد آباد، تین دن بمبئی۔ اور دو دن بڑودہ میں رہنے کے بعد ہندوستان کی سیر کر لی تو یہ ہماری غلطی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ دیکھا اور بہت کچھ دیکھا سیکھا اور بہت کچھ سیکھا۔

تمہارا سالنامہ جنوری میں چھپ رہا ہے خیال رکھنا!!!!

سالمن جزیرے

محمد عبدالرشید مہاجر، حیدرآباد

سالمن جزیرے یا جزائر سلیمان بحرالکاہل کے پچھم میں ہیں۔ یہ کوئی چھ سو میل کے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض جزیرے پچاس سے لے کر سو میل لانبے اور بیس سے لے کر تیس میل تک چوڑے ہیں۔ اب سے کوئی چار پانچ سو برس پہلے انھیں کوئی جانتا بھی نہ تھا سولھویں صدی کے آخر میں ایک ہسپانوی امیرالبحر منڈورا نے انھیں دریافت کیا اور ان میں سے بعض کا نام بھی ہسپانوی رکھا۔ مثلاً گوڈل، کنال، سانٹا، برازیل سانٹا، کردسٹووار وغیرہ۔ ان جزیروں کے مجموعے کا نام اُس نے سالمن رکھا۔ شاید اس وجہ سے کہ یہاں کی عورتیں ہر وقت زیور پہنے رہتی تھیں اس نے سوچا یہ وہی جگہ ہوگی جہاں سے حضرت سلیمانؑ سونا منگاتے تھے اور جس کا حال بائبل (عیسائیوں کی مذہبی کتاب) میں درج ہے۔ اس کے بعد دو سو برس تک یہ جزیرے گمنامی کی حالت میں رہے۔

۱۷۶۸ء میں ایک فرانسیسی امیرالبحر بوگن ویلا نے انھیں دوبارا معلوم کیا۔ سب سے پہلے اسے جزیرہ بورا نظر آیا۔ اُس نے اس کا نام ایک فرانسیسی امیر کے نام پر بوگن ویلا رکھا۔ غرض جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا یورپ کی قومیں ان جزیروں پر اپنے قدم جمانے لگیں۔

کچھ لوگ تو اپنا عیسائی مذہب پھیلانے کے لئے وہیں رہ پڑے۔ خود یہاں کے رہنے والے بالکل وحشی تھے۔ اُن کا رنگ بھی کالا تھا۔ شروع شروع میں اُن لوگوں پر یورپ والوں نے بہت ظلم کئے۔ انھیں زبردستی پکڑے جاتے تھے اور آسٹریلیا کے کھیت کے میدانوں میں اُن سے مزدوری کرواتے تھے۔ بعد میں یہ چیز تو بند ہوگئی لیکن گنے اور ناریل کی کاشت کے سلسلے میں مزدوروں کی تو بہرحال ضرورت تھی، یہ مزدور انھی جزیروں سے آتے تھے مگر

اب اُن سے دو سال کے لئے معاہدہ کر لیا گیا تھا۔

یہاں کی سب سے اہم پیداوار ناریل ہے۔ ناریل اور اس کی گری یا کھوپرے کی سینکڑوں چیزیں بنتی ہیں۔ یہاں تک کہ نقلی مکھن بھی بناتے ہیں۔ یہاں ربڑ بھی بہت پیدا ہوتا ہے۔ تجارت کے لئے مچھلی پکڑنے کا رواج بھی ترقی پر ہے۔ آبادی ان جزیروں میں ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

پچھلے دنوں جاپان نے اور بڑے بڑے علاقوں کی طرح سالمن کے بعض جزیروں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہاں اُسے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ پر حملہ کرنے میں آسانی ہوتی مگر اس کی یہ تدبیر پوری ہوتی نظر نہیں آتی ابھی تھوڑے دن ہوئے امریکہ کی فوج نے یہ جزیرے اس سے چھین لئے۔ مگر جاپان ابھی چین سے نہیں بیٹھا ہے اور ان جزیروں کو حاصل کرنے کے لئے دوبارا کوشش کر رہا ہے بعض لوگوں کا تو خیال ہے کہ سالمن جزیروں کی لڑائی عجب نہیں روس کے بعد لڑائی کا سب سے بڑا میدان بن جائے۔

تمھارے جواب تو آئے مگر بہت کم

اگست کے پرچے میں ہم نے جو مشغلہ تمھارے لئے تجویز کیا تھا یعنی اپنے گھر یا محلے میں کسی بے پڑھے لکھے مرد یا عورت کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس کل دو تین خط آئے ہیں گویا ہمارے ہزاروں پیامیوں میں سے کل تین پیامیوں نے اس ثواب کے کام پر آمادگی ظاہر کی ہے! بھائی یہ بات غلط ہے۔ ہمیں تمھارے خطوں کا برابر انتظار رہے گا۔

تین مرغیاں

آصفہ بانو درجہ دوم، جامعہ نگر۔

تین مرغیاں تھیں - ایک تھی کالی، دوسری تھی لال اور تیسری تھی سفید۔ تینوں صبح کی سیر کو نکلیں - ایک باغ میں گئیں، انھیں ایک لومڑی ملی۔ وہ بولی" میرے گھر چلو، چائے پیو میں تمھیں گرم گرم چائے پلاؤں گی اور حلوا کھلاؤں گی"۔ کالی مرغی بولی" ہم نہیں چلیں گے"۔ لال مرغی بولی" ہم نہیں چلیں گے"۔ سفید مرغی بولی" ہم نہیں چلیں گے"۔ اب لومڑی کالی مرغی کو پکڑنے آئی۔ تینوں مرغیوں نے اُسے مار بھگایا اور مل کر بولیں" کٹ کٹاک"۔ پھر اپنے گھر گئیں۔

کریم نہ جانے!

محسن حامد درجہ سوم جامعہ

رحیم اور کریم دو چور تھے۔ ایک دن وہ اندھی بڑھیا کے گھر جو بالکل اکیلی رہتی تھی چوری کرنے گئے۔ کھٹکے سے بڑھیا کی آنکھ کھل گئی۔ شور مچانے پر محلے والے جمع ہو گئے انھوں نے پوچھا کہ کیا کیا چوری گیا۔ بڑھیا نے جواب دیا" رحیم جانے"۔ رحیم چور جو کہ پاڑ پر تھا، گھبرا کر بولا" رحیم ہی اکیلے کیوں جانیں، کریم نہ جانے جو دروازے کے پیچھے چھپا ہوا ہے"۔

لوگوں نے یہ سن کر دونوں کو گرفتار کر کے پولیس کے حوالے کر دیا۔

ایک لڑکے کی بہادری

اقبال احمد کٹرہ، درجہ ششم

ایک دفعہ ایک جہاز سمندر میں آندھی اور طوفان میں گھر گیا۔ مسافر گھبرا گھبرا کر مستول پر چڑھنے لگے۔ کنارے پر لوگ یہ خوفناک منظر دیکھ رہے تھے۔ اور مدد کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اتنے میں بارہ تیرہ برس کے ایک لڑکے کو جوش آیا۔ فوراً ایک چھوٹی سی کشتی لی اور طوفان

کا مقابلہ کرتا جہاز تک پہنچا دو آدمی بٹھائے اور کنارے پر لے آیا مگر جہاز میں آدمی تو بہت تھے لڑکا بے دم ہو گیا تھا۔ مگر اس نے پھر ہمت کی اور دو آدمیوں کو اور کنارے پر لے آیا۔ لڑکے کی یہ ہمت دیکھ کر کنارے کے اور لوگوں کو بھی جوش آیا۔ اور بڑی بڑی کشتیاں لے کر سب آدمیوں کو خطرے سے نکال لائے

سائنس کا جادو

محمد وسیم خاں۔ کانپور

ایک طشتری میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس میں ایک پیسہ پڑا ہے اگر تم سے کہیں کہ پیسے کو طشتری سے اٹھالو اور ہاتھ پانی میں نہ بھیگے تو تم کہو گے کہ یہ ناممکن ہے آؤ ہم تمھیں اس کی ترکیب بتاتے ہیں۔

طشتری کے اوپر ایک شیشے کا گلاس ڈھانک دو۔ پھر ایک بوتل کے کارک میں دو چھید کر کے دیا سلائی کی تیلیاں لگا دو پھر پیسے کو اس طرح۔ کھو کر گلاس کے اندر نہ ہو، طشتری میں ایک طرف پیسے کو کھسکا دو۔ پھر تیلیوں میں آگ لگا دو اور اوپر سے گلاس رکھ دو تیلیاں بجھ جائیں گی۔ اور سب پانی گلاس میں چڑھ جائے گا۔ اب تم پیسے کو نکال لو۔ ہاتھ پانی میں نہیں بھیگے گا۔

دو بونے

انور واحد چہارم، جامعہ نگر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک غار میں دو بونے رہتے تھے۔ ایک کا نام کیول تھا دوسرے کا نام شیول۔ ایک دن کیول بولے "چلو باغ چلیں"۔ شیول بولے "اچھا چلیں گے"۔ صبح سویرے دونوں باغ کو چلے۔ دونوں بونے ایک مینڈکی سے ملے۔ مینڈکی بولی "سلام بونے بھائیو۔ کہاں چلے"۔ دونوں بولے "بی مینڈکی ہم باغ جا رہے ہیں کیا تم ہمارے ساتھ چلو گی"۔ مینڈکی بولی "ضرور چلوں گی"۔ اب دونوں بونے اور مینڈکی چلے راستے میں انھیں ایک گلہری ملی، گلہری بولی "آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں"، دونوں بونے اور مینڈکی بولی "باغ جا رہے ہیں کیا تم ہمارے ساتھ چلو گی"۔ گلہری بھی ان کے ساتھ ہو گئی۔ اب سب مل کر چلے۔ راستے میں انھیں ایک خرگوش ملا۔ خرگوش نے بونے کو سلام کیا۔ پوچھا "آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں"۔ بونے بولے "ہم سب باغ جا رہے ہیں"۔ اب سب کے سب باغ چلے جب باغ میں پہنچے تو کالے کالے بادل آئے۔ بادل گرجا۔ بجلی چمکی، مینڈکی خوش ہوئی۔ باغ کے تالاب میں تیرنے لگی۔ گلہری جامن کے پیڑ پر چڑھ گئی، جامن کترنے لگی، خرگوش انار کی جھاڑی [illegible]

رنگ بھرو

فولڈنگ آرام کرسی

(۱) براؤن (۲) کالا
(۳) لال (۴) ہرا
(۵) زرد

اسپیرو

(۱) اودا
(۲) زرد
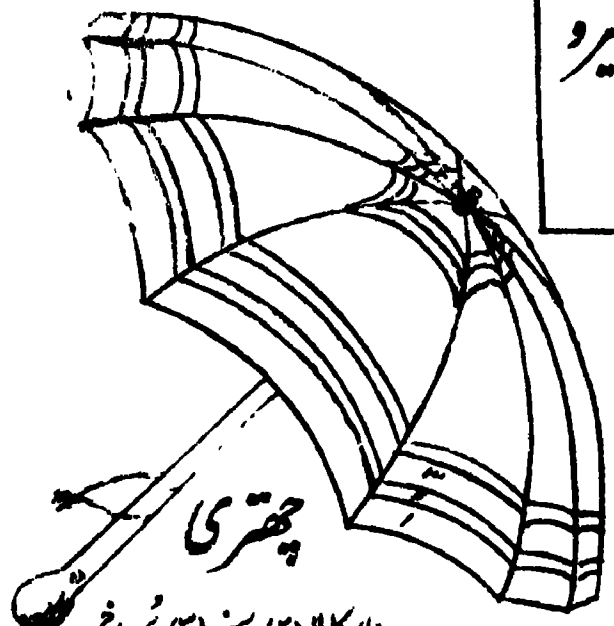
چھتری

(۱) کالا (۲) سبز (۳) سُرخ
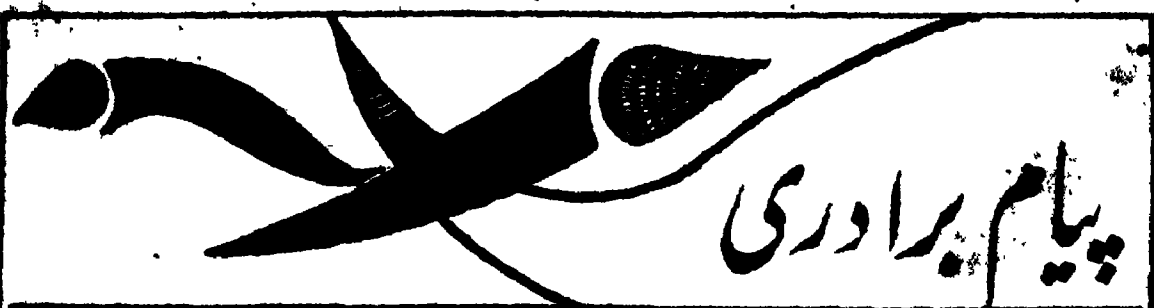
پیام برادری

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔

کبھو کبھی اب کے تم نے عید اور دسہرا تو خوب منایا ہوگا۔ مگر آج کل کی لڑائی کی وجہ سے دُنیا کی حالت کچھ سے کچھ ہو رہی ہے۔ پھر ہمارے دیس میں تو خود ہر طرف کچھ نہ کچھ بے چینی پھیلی ہوئی ہے ایسی حالت میں کیا عید اور کیا دسہرا۔

یورپ اور دُنیا کی لڑائی کا وہی حال ہے جو پچھلے مہینے تھا۔ اسٹالن گراڈ کے محاذ پر لڑائی انتہائی شدت سے ہو رہی ہے۔ جرمن فوجیں شہر میں گھس آئی ہیں مگر انھیں گھیرے میں لے لیا گیا ہے جرمنی اس میدان کو سردیوں سے پہلے سر کر لینا چاہتا ہے۔ اس لئے پورا زور لگا رہا ہے۔ دوسری طرف روسی پوری بہادری سے دشمنوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور ایک ایک چپے کے لئے جانیں دے رہے ہیں۔ جرمنی نے قفقاز کی طرف بھی بڑھنا شروع کر دیا ہے۔ روسیوں کو شکایت ہے کہ اتحادیوں نے اُن کی پوری مدد نہیں کی، یہ شکایت اُنھوں نے مسٹر چرچل سے کی، مسٹر روز ویلٹ کے خاص نمائندے مسٹر ولکی سے کی اور روسی حکومت کے صدر مسٹر اسٹالن نے ایک امریکن نامہ نگار سے اسی قسم کی باتیں کہیں۔ روسیوں کو ایک شکایت یہ بھی ہے کہ بہت دنوں سے اس کے چرچے تو برابر ہو رہے ہیں کہ یورپ میں لڑائی کا دوسرا میدان بنایا جائے۔ لیکن اس کی نوبت اب تک نہیں آئی۔ حالانکہ اس وقت یہ قدم اُٹھانا بہت ضروری ہے۔ اس سے روسی لڑائی کی شدت میں کمی آ جائے گی۔ اور روسی فوجوں کا بوجھ کچھ نہ کچھ ہلکا ہو جائے گا۔ مصر کے میدان میں پھر کچھ سرگرمی شروع ہو گئی ہے اور انگریزوں کا پلّا بھاری معلوم ہوتا ہے۔ جنرل رومیل آج کل جرمنی میں ہے اور لوگوں کا خیال ہے کہ اب وہ مصر واپس نہیں آئے گا۔ بحر الکاہل میں امریکن فوجوں نے جاپان سے کچھ اور جزیرے لے لئے ہیں۔ جاپان سالمن جزیروں پر دوبارا قبضہ کرنا چاہتا ہے اور برابر حملے کر رہا ہے۔ نیوگنی میں آسٹریلیا کی فوجوں کو جاپان کے مقابلے

میں کامیابی ہو رہی ہے ۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے ہندوستان کے کمانڈر انچیف سر ویول کی تقریر شائع ہوئی ہے ۔ اس میں اُنھوں نے برما کو دوبارا فتح کرنے کا قطعی ارادہ ظاہر کیا ہے ۔ برما کے شہروں پر بمباری تو بہت دنوں سے ہو رہی ہے ، دیکھئے حملہ کب شروع ہوتا ہے

ہندوستان میں ابھی تک پورے طور پر امن قائم نہیں ہوا ہے ، پنجاب اور سرحد کے صوبوں کو چھوڑ کر باقی قریب قریب اور سب صوبوں میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے ۔ یوپی کے پورب کے ضلعوں بہار اور اُڑیسہ میں گڑبڑ اب بھی زیادہ ہے ۔ مدراس ، بمبئی ، احمدآباد وغیرہ کے لوگوں کو رہ رہ کے جوش آتا ہے ۔ خود دلی میں گاندھی جی کے جنم دن کے موقع پر گولی چل گئی ، جلسوں کی جلوسوں کی ، گرفتاریوں کی ، گولی چلنے کی آگ لگنے کی خبریں برابر چھپ رہی ہیں ۔ اسمبلی میں ایک سرکاری ممبر کے بیان سے معلوم ہوا کہ بہار میں تو حالت ایسی خراب ہو گئی تھی کہ حکومت کو پانچ جگھوں پر ہوائی جہاز سے مشین گن چلانا پڑی ، سنتے ہیں قوموں کی بڑی انجمن نے اس قسم کے مجمعوں پر ہوائی جہاز سے مشین گن چلانا ناجائز قرار دیا ہے ۔

اِدھر ہندو مہاسبھا کی سمجھوتے کی کوششیں کچھ پھیکی پڑ گئی ہیں ۔ ایک تو اس وجہ سے کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ پاکستان پر اڑے ہوئے ہیں ، دوسرے مہاسبھا والوں کا خیال ہے کہ حکومت کسی طرح سمجھوتے پر آمادہ نہیں ہے اس لئے ہندو مہاسبھا والوں نے اعلان کیا ہے کہ ہندو تیار رہیں سمجھوتے کی ایک اور کوشش بنگال کے وزیرِ اعظم مسٹر فضل الحق کی طرف سے ہو رہی ہے پاکستان کی اسکیم کے بنانے والے پروفیسر محمد عبداللطیف ، ہندو مہاسبھا کے صدر مسٹر شیام پرشاد مکرجی وغیرہ بھی اِن کوششوں میں شریک ہیں ۔ لیکن ہندوستان کے وزیر مسٹر ایمری کے تیوروں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوگی ۔ وہ اب بھی کانگرس اور گاندھی جی کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں اور ہندوستان کی اس گڑبڑ کی ذمے داری اِنھی کے سر ڈالتے ہیں علاوہ اس کے وہ لڑائی کے زمانے میں ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔

پچھلے مہینے ہم نے پیامیوں سے رسالے کے خریدار بڑھانے کی درخواست کی تھی ، پیامیوں نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ شاید وقت نہیں ملا خیر کوئی بات نہیں ، اب سہی ! ہم تمھاری کوششوں کے نتیجے کا انتظار کریں گے ✚

محمد حسین حسان

معمّا نمبر ۳۲

(انعام میں کتابیں بھی جائیں گی)

پہلا انعام - ۵ روپے
دوسرا انعام - للعہ روپے

مشقی کوپن

ش		ڈ	■	ر	پ	م	ن
	ا		ا	■		ا	
ا		و	■		■		ش
	■	■		ر		■	■
ت	ل		ا	■	■	ہ	
■		■		و		ا	■
	ا	■	ی		و		■
	ڈ		■	ی		و	

دائیں سے بائیں

۱۔ پیام تعلیم کے دو ... ایک ساتھ نکلنے سے ایک معاکم ہوگیا
۲۔ بچے میں کامیابی کی پہلی ... اشاروں کا سمجھنا ہے۔ (اُلٹا)
۷۔ بعض اوقات اس سے اچھے اچھے کام نکل جاتے ہیں۔
۸۔ بیماری میں اچھے اس کا استعمال ضروری ہے۔
۹۔ گوشیئے کے لئے اس سے واقف ہونا ضروری ہے۔
۱۱۔ پھیلنے والی بیماری
۱۲۔ روسیوں کے جھنڈے کا رنگ ... ہوتا ہے۔
۱۳۔ ایک کہاوت۔ نرس چڑھے کھا بلائی ... کو چلی۔
۱۶۔ جنگ کی وجہ سے قومی اداروں کی مالی حالت خراب ہوگئی ہے (بے ترتیب)
۱۸۔ مسلم لیگ کا مطالبہ۔ پاکستان۔
سب سے جدا ... تمہاری نظر کا ہے
۲۱۔ سینکڑوں بے گناہ ... کا نشانہ بنا دیے گئے۔
۲۲۔ ایک کا مخفف۔
۲۴۔ کمیونسٹ پارٹی کی پالیسی۔
.... اتحاد .... حکومت .... حفاظت اور
.... آزادی کے لئے .... لیڈروں کی رہائی۔
۲۵۔ خدا کی ایک صفت۔

اوپر سے نیچے

۱۔ بیاہ میں رشتہ داروں کو شادی کا حق یا اپنے خدمت لینے والوں کا انعام۔
۲۔ بعض اوقات زبردست آدمی بھی کم زور سے ... کھا جاتے ہیں۔
۳۔ یہ بدنام سے اچھا ہوتا ہے
۴۔ ... کی فکر کر نادان مصیبت آنے والی ہے اقبال
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں (بے ترتیب)
۵۔ شیرہ
۶۔ اس سے کام کرنے والے کو عام طور پر لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔
۱۰۔ ہماری طرف سے ... پیامی کو عید مبارک۔
۱۴۔ کانگریس کا نعرہ۔ "ہندوستان .... کرو"
۱۵۔ ہمارا مقصد ..... اور جگاؤ۔
۱۷۔ حکومت کی پالیسی .... اور حکومت کرو۔
۱۹۔ رمضان میں اکثر مسلمان ... و صلوٰۃ کے پابند ہو جاتے ہیں
۲۰۔ لفظ بمعنی خدا رسیدہ
۲۳۔ انتہائی غصے میں منہ سے یہ نکلنے لگتا ہے۔

قواعد

۱۔ حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۲۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر آٹھ حلوں کی ۶ر ہے۔
۳۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔
۴۔ تمام حل ۲۵ نومبر تک دفتر پیامِ تعلیم دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔
۵۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
۶۔ پیامِ تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔
۷۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا۔ یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔
۸۔ ایک لفافے میں ایک نام سے حل آنے چاہئیں۔
۹۔ چھوٹی ی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (ی، ے)
۱۰۔ پتہ: مدیر پیامِ تعلیم۔ مکتبہ جامعہ، دہلی، قرول باغ۔

معما نمبر ۱۳۱ کا صحیح حل

۷ ے	۶ ح	۵ غ	۴ ک		۳ ت	۲ غ	۱ ل
و	پ	ا	۹ ق		ل	ے	
م	ر	۱۲ خ		۱۱ ہ	خ	ز	۱۰ ح
		ق	۱۵ ر	۱۴ و		ت	۱۳ آ
۱۸ ل	۱۷ ہ		ہ	۱۶ ش			ق
غ		و	۲۱ ن		۲۰ ن	ی	۱۹ د
ز	۲۳ گ			ا	د	ا	۲۲ ن
ش		ی	ر	ا	۲۴ غ		ی

صحیح حل فی کس عہ

(۱) ظہیر الحق، پیلی بھیت

(۲) فضل احمد، رام پور

(۳) مرتضیٰ علی، رڑکی

(۴) سید مقدس حسین، دہلی

ایک غلطی فی کس ۱۰ر

(۱) عنایت احمد خاں شیروانی، اجین

(۲) مقصود طالب، لاہور

(۳) مصطفےٰ علی، رڑکی

(۴) نجیب احمد خاں، قائم گنج

(۵) رضا علی۔ رڑکی

(۶) سید سبط حیدر۔ دہلی

معما نمبر ۳۲
کوپن نمبر
نام
پتہ
ٹکٹ
معما نمبر ۳۲
کوپن نمبر
معما نمبر ۳۲
کوپن نمبر
نام
پتہ
ٹکٹ
معما نمبر ۳۲
کوپن نمبر

تین دلچسپ منظر

قیمت ڈھائی آنے

بچوں کی چند نئی کتابیں:

بجلی اور مقناطیس کے کھیل ساڑھے چار آنے — مقناطیس کے کھیل تین آنے

ستاروں سے بچو قیمت پانچ آنے

پیام تعلیم

قیمت سالانہ عہ

فی پرچہ ۳ر

دہلی، یوپی، سی پی، برار، رام پور، قلات، بنگال، میسور
حیدرآباد، سندھ، کشمیر اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے
سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ منیجر

ایڈیٹر، محمد حسین حسان

جلد ۲۶

نمبر ۱۲

فہرست مضامین

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی
محبوب المطابع پریس، دہلی

پیام تعلیم کے سالنامے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ خدا نے چاہا تو جنوری میں شائع ہو جائے گا کاغذ کے لیے دوڑ دھوپ ابھی سے جاری ہے۔ دعا کرو کہ منشا کے مطابق مل جائے۔ پرچے میں اگر کچھ دیر ہوئی تو کاغذ ہی کی وجہ سے ہوگی۔

پچھلے مہینے اردو کے ایک بہت بڑے سرپرست کا انتقال ہو گیا۔ منشی دیا نرائن نگم کا نام تم نے سنا ہوگا یہ رسالہ زمانہ کانپور کے ایڈیٹر تھے اور اس کے ذریعے چالیس سال سے اردو کی خدمت کر رہے تھے۔ اور اس عرصے میں ادیب، العصر، الناظر، صبح امید جیسے اچھے اچھے رسالے نکلے اور تھوڑے دنوں کے لئے اپنی بہار دکھا کر رخصت ہو گئے۔ صرف زمانہ نے ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا اور برابر ایک رفتار سے چلتا رہا اور اس وقت یہ اردو کا سب سے پرانا رسالہ ہے۔

ہمیں امید ہے کہ منشی صاحب مرحوم کے عزیز، دوست اور اردو کے قدردان اُن کی اس یادگار کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھیں گے۔

نیر صاحب کی کہانی بچوں نے بہت پسند کی یہ کہانی اس پرچے میں ختم کر دی گئی ہے۔ ایک تو بچوں کا اشتیاق بہت زیادہ تھا دوسرے یہ سال کا آخری پرچہ ہے مسلسل مضمونوں کا سلسلہ مکمل کر دینا لازمی تھا۔

جگہ کی کمی کے سبب پروفیسر عبدالغفور صاحب کا ایک بہت ہی اچھا مضمون اور چند اور اچھے اچھے دلچسپ مضمون نہ چھپ سکے یہ سب اگلے پرچوں میں چھپیں گے۔

ایکا

وحید چغتائی

بچو! میں اک بات سناؤں
آؤ نیا اک گیت سکھاؤں

دنیا کا سب نقشہ دیکھا
یورپ اور امریکہ دیکھا

ترکی اور جاپان بھی دیکھا
اکثر ہندوستان بھی دیکھا

یہ ہی وطن ہے میرا تمہارا
کیسا اچھا کیسا پیارا

اِس کی فضا نے ہم کو پالا
اس کا ہر اک کام نرالا

ماں سمجھو یا باپ وطن ہے
ہم پودوں کا یہ ہی چمن ہے

پھول چمن میں ہیں دو قسمی
خوشبو اِن کی بھینی بھینی

اِس میں ہندو اور مسلماں
رکھتے ہیں اپنا اپنا ایماں

لیکن اِن میں پھوٹ کی عادت
دُنیا بھر سے بدتر خصلت

پھوٹ ل آپس میں دست گریباں — یعنی ہندو اور مسلماں
کچھ دن سے جو پھوٹ پڑی ہے — ہر سو گویا لوٹ پڑی ہے
پھوٹ نے ہی آزار دیا ہے — پھوٹ نے ہی برباد کیا ہے
پھوٹ سے آفت آئی وطن پر — غم کی بدلی چھائی چمن پر
آپس میں بے جان ہوئے سب — لڑ لڑ کر ہلکان ہوئے سب
مل کر دونوں رہنا سیکھو — ہم ہندی ہیں کہنا سیکھو
کیوں اتنی تاویل بڑھائی — دونوں ہندی دونوں بھائی
تم سے قائم شان وطن کی — ہے تم سے ہی جان وطن کی
تم دونوں جو گھل مل جاؤ — عرش کے تارے توڑ کے لاؤ
اک بن جاؤ اک ہو جاؤ — مل جل کر آواز اُٹھاؤ
پھر ہوگا شاداب چمن یہ — پھر ہوگا آزاد وطن یہ

مل جل کر بس اِک ہو جاؤ
اپنا وطن آزاد کراؤ

انوکھی بچّی

محمد شفیع الدین نیّر

میں نے آہستہ آہستہ یہ سب کچھ سیکھ لیا۔ ایک دن وہ بھکشنی اچانک آ موجود ہوئی۔ اور مین کی طاقت دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے مین سے بہت سے سوالات کئے۔ مین نے اُن سب سوالوں کے جواب دیئے اور جو جو کام دے گئے اُس نے سب کو انجام دیا تو بھکشنی نے کہا۔

"شاباش! تم ایک سپہ سالار کی بیٹی ہو۔ میں شروع ہی میں سمجھ گئی تھی کہ تم بڑے بڑے اور عجیب ہنر سیکھنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ کل تم کو اپنی مہارت کا امتحان دینا ہوگا۔"

دوسرے دن وہ مین کو اپنے ساتھ لے گئی۔ وہ ایک بہت آباد شہر میں گئیں۔ بھکشنی نے ایک قصائی کی دکان کی طرف اشارہ کیا، جہاں گوشت لٹک رہا تھا اور کہا۔

"مجھے دیکھو۔ میں تھوڑا گوشت کاٹ لاؤں گی بس اتنا، نہ کم نہ زیادہ۔ اور ایسی پھرتی کے ساتھ کہ نہ مجھے کوئی دیکھ سکے گا نہ یہ سمجھ سکے گا کہ کون لے گیا۔"

وہ اُڑ کر گئی اور چند لمحوں میں گوشت لے کر لوٹ آئی۔ قصائی اور ایک لڑکا دکان میں موجود تھے۔ گوشت کاٹتے وقت وہ اُسے دیکھ رہے تھے۔ اچانک اُنھوں نے محسوس کیا کہ ایک ٹکڑا غائب ہے۔

لڑکے نے پوچھا "مالک! گوشت کا یہ ٹکڑا کون چرا لے گیا ہے؟"

پریشان قصائی نے کہا "یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ وہ ٹکڑا شاید جتنا ہم سمجھتے تھے اس سے چھوٹا ہوگا۔"

لیکن اُنھوں نے تولا تو معلوم ہوا کہ واقعی وہ اتنا کم ہے۔

لڑکے نے پوچھا "کیا میں دوڑ کر دیکھوں، شاید چور گلی میں ہو۔ لیکن اُسی وقت گوشت کا وہ ٹکڑا آ گیا۔ اُن کے دیکھتے دیکھتے بھکشنی نے وہ ٹکڑا اس تیزی سے رکھا کہ وہ اُسے مطلق نہ دیکھ سکے، اور رکھا بھی ایسی عمدگی سے کہ ایسا معلوم ہوا گویا وہ کٹا ہی نہ تھا۔

اب تو قصائی اور وہ لڑکا اور بھی حیران ہوئے بھکشنی نے پوچھا "کیا تم بھی ایسا کر سکتی ہو؟" مین نے کہا: "میرا جی تو کوشش کرنے کو چاہتا ہے۔" بھکشنی نے ایک مچھیرے کی دکان کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا۔ "اس دکان کی پانچویں مچھلی کا سر لے آؤ۔"

مین اڑتی ہوئی گئی اور مچھلی کا ایک سر لے کر چلی آئی، لیکن بھکشنی نے اس کو یہ بات بتا دی کہ وہ غلط سر لے آئی ہے۔

"پیاری مین! تمھاری رفتار اور تلوار کی صفائی غیر معمولی طور پر اچھی ہے، لیکن تمھاری نظر ان کے مطابق نہیں۔ ہم ذرا فاصلے سے خاموش کھڑے ہوں تو دیکھنا آسان ہے لیکن اگر تم کسی چیز پر اڑ کر جاؤ اور جاؤ بھی ایک پل کے دسویں حصے میں تو تمھاری آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اور تمھاری پھرتی کا ساتھ نہیں دے سکتیں اگر تمھاری نگاہ تمھاری پھرتی کے برابر نہ ہو سکی تو تم یقینی طور پر غلطیاں کرو گی۔ تمھاری بجائے میں یہ سر لے آتی ہوں۔"

مین نے ایک سال اور مشق کی اور اب وہ اس ہنر کی بھی ماہر ہو گئی۔ اس کو یہ بات بڑی اچھی معلوم ہوتی تھی کہ اڑتی ہوئی لوگوں میں جائے۔ اُن کی نظروں کے سامنے سب کچھ کر آئے اور کوئی اس کی پرچھائیں تک نہ دیکھ سکے۔ اس کی تیزی اسے اُن کی نظروں سے پوشیدہ رکھتی تھی۔ اگر وہ پل بھر بھی سوچ میں گذارتی تو ضرور نظر آ جاتی۔ اب وہ مطمئن رہنے لگی۔ اس لئے کہ اسے معلوم رہتا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ چاہے وہ اس کام کو پلک جھپکاتے ہی میں کیوں نہ کرتی ہو۔

ایک دن بھکشنی نے کہا،

"مجھے ایک خدمت انجام دینی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ تم انجام دو۔ یہاں سے بہت دور ایک مقام پر ایک بڑا ظالم حاکم ہے یہ رعایا پر بہت ظلم کر رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ تنبیہ کا خط تم اُس کے پاس لے جاؤ، اور خاص اُس کے ہاتھ میں جا کر دو، اور اُسے مجبور کرو کہ وہ اس خط کی رسید دے، اگر تین گھنٹے میں یہ رسید لے کر تم لوٹ آئیں تو میں تمھیں تمھارے ماں باپ کے پاس جانے دوں گی۔"

مین کو پانچ سال کے بعد اپنے ماں باپ سے ملاقات کا موقع ملنے کی اُمید پر بہت خوشی ہوئی۔ اکثر وہ اُن کی یاد میں راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر روتی۔ اور سوچتی تھی کہ میں اُن کے پاس جانے کی اجازت چاہوں مگر دن ہوتے ہی وہ یہ فیصلہ کرتی کہ بھکشنی جو کچھ سکھائے میں سیکھتی رہوں۔

وہ بہت تیز اُڑ کر گئی۔ یہ حاکم بہت سے پہرہ داروں کے پہرے میں تھا۔ یہ پہرے داروں میں سے بغیر اُن کے جانے بھی گذر سکتی تھی مگر اُس نے سوچا کہ

اگر حاکم نے انھیں مدد کے لئے بلایا تو مجھے ان کو قتل کرنا پڑے گا۔ مگر یہ حاکم کی طرح بُرے نہیں ہیں۔ پس وہ ٹھہری رہی۔ یہاں تک کہ وہ سب چلے گئے۔ وہ جانتی تھی کہ اس میں دیر ہونے اور گھر نہ جاسکنے کا اندیشہ ہے۔ پھر بھی اُسے یہ بات پسند نہ آئی کہ لوگوں کو قتل کرے۔

پہرہ داروں کے رخصت ہوتے ہی یین حاکم کے پاس گئی۔ اُسے خط دیا اور رسید مانگی۔ اسے بہت غصہ آیا۔ اُس نے رسید دینے سے انکار کیا۔ اس لئے اُس نے اپنی تلوار نکال لی۔ اس کے پاس بھی تلوار موجود تھی۔ لیکن اس کو اتنا نڈر دیکھ کر وہ مرعوب ہوگیا اور بغیر وار کئے اطاعت کرلی۔ وہ رسید لے کر بھکشنی کے پاس گئی۔ اوّل تو دیر ہونے پر بھکشنی جزبز ہوئی لیکن جب اُس نے سوچا کہ بے گناہوں کو قتل سے بچانے کی خاطر دیر ہوئی ہے تو اُس نے کہا۔

"شاباش! اب تم اپنے ماں باپ کے پاس جاسکتی ہو۔ تم میں طاقت بھی ہے۔ جرأت بھی اور اعلیٰ درجے کی ہوشیاری بھی۔ اِن خوبیوں کو دانائی سے دوسروں کی بھلائی کے لئے استعمال کرنا، کبھی نہ بھولنا۔"

یین نے عاجزی سے مگر تہ دل سے اُس کا شکریہ ادا کیا۔

نیا اور اُس کی بیوی نے اچانک کیا دیکھا کہ اُن کی پیاری بیٹی آسمان سے اُن کے مکان کے صحن میں آگری۔ وہ اس وقت اُسی کے غائب ہونے پر افسوس کر رہے تھے اور اس پانچ برس میں بارہا ایسا کرچکے تھے۔ ان تینوں کو آپس میں ملنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ سپہ سالار اور اس کی بیوی نے یین کو خوف اور خوشی کے ساتھ دیکھا۔ یہ بہت قدآور لمبی اور مضبوط ہوگئی تھی۔ دیکھنے میں شاندار اور بہادر تھی۔ پھر بھی عاجزی اور نرمی کا اظہار کرتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس میں کوئی عجیب طاقت اور عجیب شرافت ہے۔ اب اُنھوں نے محسوس کیا کہ جتنا بھکشنی نے اس کو سکھا دیا ہے وہ کبھی نہ سکھا سکتے تھے۔

اِس کے کچھ دِن بعد، ایک شور وغل برپا ہوا ہر شخص دوڑنے، چیخنے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ قریب
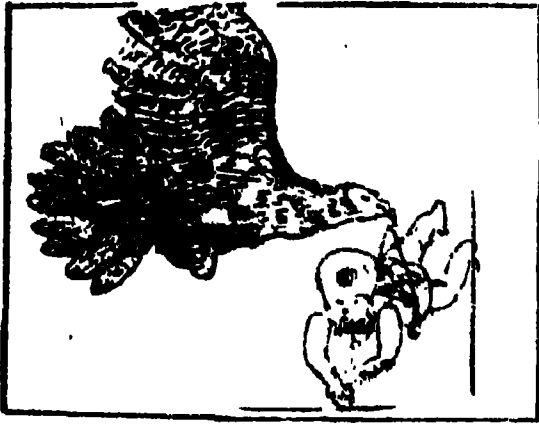
ہی بادشاہ کا گرمیوں میں رہنے کا ایک محل تھا۔ اور ایک ننھا سا شاہزادہ جس کی عمر مشکل سے سال بھر کی ہوگی اس محل کے باغ میں سو رہا تھا اچانک ایک بہت زبردست عقاب نے جھپٹا مارا اور اُس کو اٹھالے گیا۔ جونہی یین نے اس خونخوار پرندے کو اوپر جاتے

دیکھا۔ یہ بھی فضا میں اس کا تعاقب کرنے لگی۔ یہ دیکھ کر تو سب دنگ رہ گئے۔ عقاب بچے کے بوجھ کی وجہ سے زیادہ تیز نہ اُڑ سکا اس لئے بہت جلد یہ اُس سے بھی اوپر پہنچ گئی۔ اُس نے کبھی دائیں کبھی بائیں، کبھی اوپر، کبھی نیچے ہو کر اس سے بچ کر نکل جانے کی کوشش کی۔ وہ کبھی ادھر اڑتا تھا کبھی اپنے مضبوط پروں سے اُدھر جھکولا کھاتا تھا۔ اُس کی خونخوار چونچ بین پر مہلک حملہ کرنے کے لئے تیار تھی۔ لیکن اس نے بے خوف ہو کر تعاقب کیا اور برابر موقع کی منتظر رہی اور اچانک راستہ کاٹ کر اس کے سامنے پہنچ گئی اور بجلی کی طرح تلوار کا وار کیا ایک ہی ہاتھ سے اس کا سر کاٹ دیا اور دوسرے ہاتھ سے شہزادے کو تھام لیا۔ عقاب کا بہت بڑا جسم زمین پر خاص محل کے صحن میں آکر گرا۔ اور اُس سے بہت سی پھول اور جھاڑیاں کچل گئیں سب اس کے خونخوار پنجوں اور چونچ کو دیکھ کر ڈر گئے۔ پھر بین بچے کو لئے ہوئے نیچے اُتری۔ بچے کے ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔ مگر خوف کی وجہ سے وہ رو رہا تھا۔ یہ اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائی تو وہ بھی خوب کلکاریاں مارنے لگا۔

بادشاہ اور ملکہ کا دل شکر گذاری کے جذبے سے اتنا بھر آیا کہ اُن کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا ہاں اُنھوں نے اس کو گلے سے لگا لیا۔

اس عجیب کارنامے کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔

اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد ایک شریر اور طاقتور شہنشاہ نے اس ملک پر حملہ کیا۔ بادشاہ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج بھیجی۔ لیکن شہنشاہ کی فوج بہت زبردست تھی۔ سپاہی خونخوار اور ظالم تھے۔ اس بادشاہ کی فوج کے سپاہی بہادری کے ساتھ لڑے لیکن ہر جگہ مارے گئے اور ہر جگہ اُنھوں نے شکست کھائی، دشمن کی فوج برابر دارالخلافے کی طرف بڑھتی رہی اچانک فضا میں ایک صورت اُڑتی ہوئی نظر آئی اور شہنشاہ کی فوج پر منڈلانے لگی بین اپنے ملک کو بچانے کے لئے آگئی تھی۔ جب کبھی وہ جھپٹا مارتی تھی تو اپنی پھرتی اور تیزی کی وجہ سے نظر نہیں آتی تھی۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح چلنے لگی اور اب دشمن کی فوج کٹنے لگی۔ اس نے متواتر بار بار جھپٹا مارا یہاں تک کہ شہنشاہ کی فوج کو شکست ہو گئی۔ وہ اپنے ملک کی طرف بھاگی۔ جب وہ اپنے ملک کی سرحد سے باہر ہو گئی تو بین تھک کر گر گئی۔ اس سے پہلے وہ اس تیزی سے اتنی دیر کبھی نہیں اُڑی تھی۔ اس لئے وہ ادھ موئی ہو گئی۔ اور وہ بغیر جاگے برابر ایک مہینے تک سوتی رہی۔

اس کا یہ کارنامہ بھی سارے ملک میں مشہور ہو گیا۔ ہر شخص اس کی تندرستی کا خواہاں تھا۔ وہ جاگی تو پورے طور پر تندرست اور توانا تھی، تمام قوم

نے ایک دن اُس کی بحالیٔ صحت پر خوشی منائی
شہنشاہ اس شکست پر بہت غضبناک ہوا۔
وہ اس بات کو سمجھ نہ سکا اور اس نے تہیہ کیا کہ وہ
اس مُلک سے انتقام لے کر رہے گا۔ اس نے اس
مُلک کے بادشاہ کے ساتھ ظاہر میں دوستی کر لی
اور اپنے حملے پر افسوس کا اظہار کیا۔ اور کسی خاص معاملے
میں اُس سے مدد چاہی۔ بادشاہ نے بہادروں کی
طرح اس سے ملاقات کی اور اس کو مشورہ دیا لیکن
اس بادشاہ نے فریب سے کام لے کر اس کو گرفتار
کر لیا اور اپنی مملکت میں اس کو قید کر لیا اور الجپیوں
کے ہاتھ یہ کہلا بھیجا کہ اگر اس کو چھٹکارا دلانے کی ذرا
بھی کوشش کی گئی تو اُسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔

یہ بادشاہ اس مُلک کے سب بادشاہوں
سے بہتر تھا اور مُلک کی ساری طاقت اسی کے
سبب سے تھی۔ اس کا لڑکا ابھی بچہ ہی تھا۔ اور
کوئی ایسا طاقتور آدمی موجود نہ تھا جو اس کی بجائے
تخت پر بیٹھ سکے۔ ملک کا بچہ بچہ بادشاہ سے محبت
کرتا تھا۔ تمام رعایا کی یہ تمنا تھی کہ کسی طرح اس کو
چھٹکارا دلایا جائے۔ البتہ سب اس بات سے ڈرتے
تھے کہ کہیں ہماری یہ کوشش اس کی موت کا سبب
نہ بن جائے۔ غرض کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کیا جائے
پھر لوگوں میں کانا پھوسی ہونے لگی کہ بین اپنے گھر سے
غائب ہے اور اب لوگوں کے دل میں امید کی شعاع
پیدا ہوئی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس مصیبت میں
یہ سولہ برس کی لڑکی کیا کر سکتی ہے۔ پھر بھی بس اس کی
ذات سے سارے ملک کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔

بادشاہ رسّیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ بیس مضبوط سپاہی
اس کے محافظ تھے۔ اُن کو حکم تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی
اس سے غافل نہ ہوں اور اگر کوئی اس کو چھٹکارا دلانے
کی کوشش کرے تو اسی وقت اس کا کام تمام کر دیں
اچانک تمام گرہیں کھل گئیں جیسے تلوار سے کٹ جاتی
ہیں اور بادشاہ غائب ہو گیا۔ بین کو یہ گرہیں کاٹنے میں کہ
بادشاہ کے خراش تک نہ آئے اور بادشاہ کو اس پھرتی
سے غائب کرنے میں کہ کسی کی نگاہ نہ پڑے اپنا پورا ہنر
استعمال کرنا پڑا۔ اس سے پہلے وہ اتنا بوجھ لے کر
کبھی نہیں اُڑی تھی اور وہ اس کو اپنے ملک کی سرحد
کی طرف اُڑائے لئے جا رہی تھی تو اس کی رفتار
آہستہ ہو گئی اور اس کا سانس پھول گیا۔

بادشاہ نے کہا۔ "بین تم مجھے گرا دو۔ اب میں
یہاں سے خود چلا جاؤں گا۔ اب تمہاری طاقت
جواب دے چکی ہے"۔

بین نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "نہیں حضور میں
آپ کو سرحد تک پہنچا کر رہوں گی"۔

یہ دونوں اس بات سے واقف تھے کہ پیدل
چل کر وہ شہنشاہ سے نہیں بچ سکتے۔ بین نے محسوس
کیا کہ اس کے پٹھے ٹوٹ رہے ہیں۔ تکان سے اس کا

۔ ۔ ۔ ۔ عاجز ہوتی
اس کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔ پھر بھی وہ گھسٹتی رہی۔

بادشاہ نے کہا: "بین تم اپنے کو ہلاک کر لوگی کیا میں تمہاری کسی طرح مدد کر سکتا ہوں۔ اب تو تم میں بات کرنے کا یارا نہیں رہا۔"

اُس نے ہانپتے ہوئے کہا "حضور! آپ مجھے مضبوطی سے پکڑے رہیے۔ اس طرح میں آسانی کے ساتھ آپ کو لے جاؤں گی۔"

بادشاہ نے اپنی تمام قوتوں کو اکٹھا کر کے مضبوط پکڑ لیا اور اب بین کے لئے ذرا آسانی ہوگئی لیکن وہ جس طرح ہو سکا آہستہ آہستہ اُڑتے ہوئے بس سرحد پار کر سکی۔ وہ تکان کی وجہ سے بے ہوش ہونے والی تھی۔ بلا شبہ بے ہوشی کی حالت اُس پر طاری تھی لیکن ہر حالت میں پر سکون رہنے کی اُس کو اتنی عادت ہوگئی تھی کہ زمین کے قریب آنے پر چکر کھانا نہ بھولی، وہ اپنے ملک کی سرحد میں بغیر کوئی چوٹ کھائے پہنچ گئے۔ مگر دونوں بے ہوش ہوگئے تھے کیونکہ قید کی حالت میں بادشاہ بھوکا رکھا جاتا تھا اور اُس کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ ایک گڈریئے نے دیکھ کر اُن کو پہچان لیا اور آہستہ سے اُن کو محل میں لے گیا۔ یہاں آکر بادشاہ بہت جلد ٹھیک ہوگیا اس کے بعد شہنشاہ کی رعایا اُس سے پھر گئی۔ کیونکہ اس کے خیال میں اُس نے ایک ایسے ملک سے جنگ کی جس پر خدا کا سایہ تھا۔ انھوں نے اس کو تخت سے اُتار دیا۔ اور اس بادشاہ پر پھر کبھی حملہ نہیں کیا۔
بین تین ہفتے تک لگاتار سوتی رہی اور جب جاگی تو بالکل تندرست تھی۔

بادشاہ اور ملکہ اُس سے اتنی محبت کرتے اور اُس کے اتنے مدّاح تھے کہ اس کی بے ہوشی کے زمانے میں اُس کو اپنے محل میں رکھا۔ اور اس کے ماں باپ کو ہمیشہ بین کے پاس رہنے کے لئے محل میں بلا لیا۔ اس انتظام سے بین بہت خوش ہوئی کیونکہ اب اُس کو ننھے شہزادے کے ساتھ ہر وقت کھیلنے کا موقع مل سکتا تھا اور جب وہ بڑا ہوا تو بین ہی نے اُس کو تعلیم دی اور شمشیر زنی کا ہنر سکھایا۔

اب بیا کے دل میں کسی لڑکے کی خواہش نہیں تھی۔ بین نے نہ صرف اس کی پیروی ہی کی بلکہ جنگ کے فن اور وطن کی محبت میں وہ اپنے باپ سے بھی بڑھ گئی۔ اُسے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی لڑکا ایسے کارنامے دکھا سکتا تھا۔ اُس نے اور اس کی بیوی نے بہت دفعہ یہ بات سوچی تھی کہ وہ بھکشنی ہماری دشمن ہے لیکن وہ اُس کے لئے دائمی برکت کا باعث بنی۔ ایسی برکت کا جو خدا سب کو نصیب کرے اب وہ اکثر بین کو محبت اور فخر کی نگاہ سے دیکھتے اور دل ہی دل میں بھکشنی کے

لشکر گذار ہوتے۔

یہ ملک بہت سی مصیبتوں سے گذرا۔ اور پین نے عمر بھر اپنی عجیب قوتوں کو ملک کی خدمت میں استعمال کیا۔ اس نے ان قوتوں کو کسی ناجائز کام میں یا ذاتی فائدے کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا۔ اس سے پہلے کبھی اپنے بہادری کے کارنامے نہیں سُنے گئے۔ تمام ملک میں اس کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا۔ جب تک وہ زندہ رہی اس ملک کے تمام باشندے اس سے محبت کرتے رہے۔ جب وہ اس دُنیا سے رخصت ہوئی تو اُس کا بہت زیادہ ماتم منایا گیا۔ اور لوگ ہمیشہ اُس کے نام کا احترام کرتے رہے۔

(ترجمہ)

بچوں کی عید

ماسٹر محمد سہسوانی

"عید ہے آئی، عید ہے آئی"
سارے بچے دوڑے آئے
چاند نیا ہم دیکھ جو پائیں
اتنے میں اک گولا چھوٹا
آہاہا، اُمید بر آئی
دوڑے بچے سارے گھر کو
رات گئی اور صبح آئی
مُسلم دوڑا دوڑا آیا
ہوا سویرا کپڑے لاؤ
کپڑے سب نے پہنے نہا کر
اسلم، مُسلم دونوں بھاگے
لے کر پیسے جیب میں ڈالے
مسجد سے جب واپس آئے
سب نے خوب مٹھائی کھائی
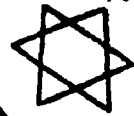
ارشد نے جو دھوم مچائی
گیت سہانے سب نے گائے
صبح کو پھر عید منائیں
ہر اک اُچھلا، ناچا، کودا
دل میں تھی جو بات وہ پائی
بام فلک پر دیکھ قمر کو
سب نے مل کر عید منائی
اسلم نے بھی شور مچایا
بی اماں، ہم کو پہناؤ
تھوڑی بہت سویاں کھاکر
ابا جان سے پیسے مانگے
سب مل کر مسجد کو سدھارے
ساتھ میں لڈو پیڑے لائے
کیسی اچھی عید منائی

دودھ اور شیشے کے کپڑے

سید احسن مارہروی ایم اے (علیگ)

ہم میں سے جب کوئی اپنے کسی بزرگ کا کام اچھی طرح انجام دے دیتا ہے تو بزرگ ہمیں یہ دعا دیتے ہیں کہ خدا کرے دودھوں نہاؤ اور پوتوں پھلو۔ ہم یہ دعا سن لیتے ہیں اور ہنستے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ لیکن شاید ہی کسی نے اس پر غور کیا ہو کہ آخر اس دعا کا مطلب کیا ہے۔ کیا ہماری دادی اماں سچ مچ یہ چاہتی ہیں کہ غسل خانے میں ایک ٹب میں دودھ بھرا ہو اس میں گرمی کے زمانے میں برف کی سل پڑی ہو یا جاڑوں میں نیچے آگ جل رہی ہو اور ہم اُن کے پوتے لوٹے بھر بھر کے نہا رہے ہوں اور اس طرح نہ صرف ہم خود دودھ میں نہائیں بلکہ گھر میں اگر دودھ کی نہریں نہیں تو دودھ کی نالیاں تو ضرور بھر جائیں۔ ہر سمجھ دار کہے گا کہ ہماری بوڑھی دادی اماں کا ہرگز یہ مقصد نہ ہوگا کہ ہم دودھ جیسی کارآمد اور قیمتی چیز کو اس طرح ضائع کریں، وہ تو ایک معمّا سا بتا کر چپ ہو گئیں اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس معمّے کو حل کریں اور اگر حل صحیح ہو تو اُس پر عمل کریں۔

آج دنیا میں قدم قدم پر سائنس کا ڈنکا بج رہا ہے اور اسی کے بل بوتے پر ساری دنیا کے کاروبار چل رہے ہیں۔ یہ لڑائی بھی سائنس کے زوروں پر لڑی جا رہی ہے۔ اگر حملہ کرنے والا سائنس کے آلات کی مدد سے دوسرے پر حملہ کرتا ہے تو بچنے والا بھی ان ہی سائنس کے آلوں سے اپنے کو بچاتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج ساری دنیا لڑائی میں مصروف ہے۔ کچھ لوگ واقعی میدانِ جنگ میں ہتھیار سنبھالے ہوئے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اگرچہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں لیکن دن رات لڑنے یا بچنے کی ترکیبیں سوچ رہے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو لڑنے یا بچنے کا سامان تیار کر رہے ہیں اور ان سے جو بچے وہ خود اپنے بچاؤ کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور ہر ممکن تدبیر سے اپنی حفاظت کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں جنگ اور محبت میں ہر چیز روا ہے۔ ہماری دادی اماں والی مثل بھی آج ہمیں آکر سچ ثابت ہوتی ہے۔ دادی اماں نے صرف

دودھ میں نہلانے کی دعا دی تھی لیکن اُن کے پوتوں نے دودھ کے کپڑے پہنا دئے۔ تم شاید حیران ہوکر یہ کیسے ممکن ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں کسی چیز کو ناممکن نہیں کہا جاسکتا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ وقت کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو محسوس کرکے انسان نت نئی چیزیں نکالتا ہے اور اسی کا نام ترقی اور تہذیب ہے۔ بھلا کون سوچ سکتا تھا کہ جلے بجھے کوئلے سے بہترین قسم کے رنگ اور خوشبوئیں تیار ہوسکیں گی پھٹے پُرانے چیتھڑوں اور گودڑ سے ان کرنسی نوٹوں کا کاغذ بنایا جائے گا جس کے لئے آج دُنیا اپنی جان دے رہی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ پُرانے زمانے کے لوگ اپنا بدن درختوں کے پتّوں سے ڈھانکا کرتے تھے اس کے بعد جانوروں کی کھالوں کا رواج ہوا تمدّن میں ترقی ہونے پر روئی کا پتہ چلا اور ہمارے موجودہ کپڑوں کا رواج ہوا۔ پھر ریشم کے کپڑوں کا حال معلوم ہوا اور ریشمی کپڑوں نے دنیا کا پردہ رکھا۔ جب اصل ریشم کی کمی محسوس ہوئی تو نقلی ریشم کا چلن ہوا اور آج موزہ، بنیائن سے لے کر جبّہ قبّہ اور شیروانی تک اسی ریشم سے اس طرح تیار ہوتی ہے کہ اصل سے بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کچھ ان چیزوں کی کمی اور کچھ وقت کی ضرورت نے انسان کو دوسری چیزوں کے سوچنے پر مجبور کیا۔ موجودہ

عالمگیر جنگ کا اثر ہمارے مُلک میں تو اب معلوم ہونے لگا ہے۔ لیکن جہاں سے یہ جنگ چلی تھی اُنھوں نے لڑنے اور بچنے کی ترکیبیں ساتھ ہی ساتھ سوچیں۔ اور اُنھوں نے اس بات کا خیال رکھا کہ جنگ میں مُبتلا ہوکر اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اُنھیں کیا کیا چیزیں درکار ہوں گی۔ آج ہم اپنے مُلک میں دیکھ رہے ہیں کہ جو لٹھا پانچ، چھ آنے گز ملتا تھا وہ سوا روپے کو بھی مشکل سے ملتا ہے۔ نہایت نفیس ڈیزائن کا قمیصوں کا کپڑا سات یا آٹھ آنے گز مل جاتا تھا اب وہ روپیے گز بھی نہیں ملتا۔ لڑائی کی آگ میں کودنے والوں نے ان سب باتوں کا انتظام کرلیا تھا۔ اُنھوں نے اگر ایک طرف گولا، بارود، مشین گن اور بمب بنائے تھے تو دوسری طرف روزمرہ کی کام کی چیزوں کا بھی خیال رکھا۔ اِن ہی چیزوں میں دودھ کے کپڑے تھے۔ شاید تُم حیران ہوگے کہ بھلا دودھ کے کپڑے کیسے تیار ہوسکتے ہیں۔ اپنی حیرانی کو بالائے طاق رکھ دو۔ کیونکہ جس طرح آج سے ۲۵، ۳۰ سال پہلے ہمارے مُلک کے لوگ ریڈیو کا نام سُن کر حیران ہوجاتے تھے۔ اسی طرح تم دودھ کے کپڑوں کا ذکر سُن کر پریشان ہوگے۔ لڑائی رک جانے دو پھر ہم تم چل کر ایسے کپڑوں کے کارخانوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور موقع ملنے پر اپنے دوستوں

پھسلے دودھ والے کپڑوں کا شمار ہو جائیں گے۔ فی الحال ہم تمھیں اُن کی تیاری کا حال بتاتے ہیں۔ اگر تمھارے پاس وقت اور ہمت ہو تو تم بھی تجربہ کرو۔ جمے ہوئے دہی اور پنیر کو سُکھا کر اُس کے تکلے بنائے جاتے ہیں۔ ان ہی تاگوں سے کپڑے بُنے جاتے ہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ چار سیر مکھن یا پنیر سے سیر بھر تاگے نکل آئیں گے۔ ذرا سوچو تو سہی ان تاگوں کے بنے ہوئے کپڑے پہن کر کتنا لُطف آئے گا۔ لیکن ایک بات سوچ لو اگر بارش میں کہیں جانا پڑا تو بجائے چھتری کے ایک بوتل ساتھ رکھنی پڑے گی کہ پانی میں بھیگتے ہی بوتل ٹانگوں کے پاس رکھ دی۔ دودھ کے کپڑے تر ہو کر اس بوتل میں سما جائیں گے۔ دھوپ نکلنے پر انھیں پھر سُکھا کر پہن لینا۔ اب ایسا نہ ہو کہ روز صبح کو ناشتہ پر اپنے بھائی بہنوں سے جھگڑنے لگو کہ ہم تو دودھ بجائے پینے کے جائیں گے۔ اور اس جمے ہوئے دودھ کے دہی سے کپڑے بنائیں گے۔

دوسری مفید چیز جس سے کپڑے تیار کرنے کا تجربہ کامیاب ثابت ہو چکا ہے شیشہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شیشے کے بال سے بھی باریک تار تیار ہو سکتے ہیں۔ جو نہایت پائدار اور نفیس ہوتے ہیں۔ آرائش اور لباس کے لئے رنگ برنگ کے کپڑے تیار کئے جا سکتے ہیں۔ شیشے کے کپڑوں میں دودھ سے زیادہ فائدہ ہے کیونکہ ان پر نہ پانی اثر کرے گا نہ آگ۔ البتہ ان میں گرمی کم محسوس ہوتی ہے۔ شیشے کے بھڑک دار کپڑے پہن کر تم سچ مچ چلتے پھرتے شیش محل نظر آؤ گے۔

اِن کے علاوہ دوسری دھاتوں کے بھی باریک تار نکال کر کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ مُغل شاہنشاہوں کے فوجی لباس میں ہم زرہ بکتر دیکھتے ہیں۔ یہ زرہ بکتر جسم کی حفاظت کے لئے لوہے کے تاروں سے تیار کئے جاتے ہیں۔ اب اسی طریقے کو خیال میں رکھ کر لوگوں نے بہت باریک تاروں کے کپڑے بُننے شروع کئے ہیں۔ سائنس والوں کی عقل کی داد دئے بغیر رہا نہیں جاتا کہ پچھلے چند سال کے عرصے میں انھوں نے کوئلے کے بھی تاگے بنا ڈالے ہیں کہتے ہیں کہ اگر یہ تاگے مضبوط ثابت ہو گئے تو صفائی اور ستھرائی میں ریشم کا مقابلہ کریں گے اور شاید ریشم سے بھی زیادہ سستے ہوں *

دعا

محمد شیث متعلم ششم، جامعہ نگر

خدایا مجھے نیک بندا بنادے
میں ہو جاؤں پابند روزے کا یارب
میں اپنے بڑوں کا کہا دل سے مانوں
ستاؤں نہ چھوٹوں کو اپنے میں ہرگز
یہی شیث کی ہے دعا تجھ سے یارب

خدایا مجھ کو قرآن سکھادے
عبادت مجھے روز کرنا سکھادے
مجھے امتحاں میں بھی اول بنادے
میری خود کی حالت تو اچھی بنادے
مجھے ایک اچھا سا بندا بنادے

غُبارہ

ذکیہ انصاری، جامعہ نگر

ہم نے غبارہ ایک اڑایا — اُس کو بہت اونچا پہنچایا
اُڑ کر پھر واپس نیچے آیا — پھر ہم نے دوبارہ اُڑایا
خوب ہوا سے باتیں کرتا — خوب ہی تیزی سے وہ اُڑتا
لڑکوں نے بھی شور مچایا — خوش ہو کر ہر ایک چلایا
ذکیہ کی ہے یہ خوب کہانی — اُس نے سنائی اپنی زبانی

غبارہ

محمود علی خاں درجہ پنجم، جامعہ نگر

اک غبارہ ہم نے بنایا — آگ سے ہم نے اس کو اُڑایا
اونچا ہو گیا دم کے دم میں — آنکھ سے اوجھل ہو گیا دم کے دم میں
ڈگ مگ کرتا اوپر اُٹھا — لڑکوں نے اک شور مچایا
آہا آہا آہا آہا — کیسا ہے یہ غُبارہ اچھا
تھوڑی دور وہ جا کر لٹا — آگ نے فوراً اس کو لپکا
لگ گئی آگ اس غبارے میں — جل کر خاک وہ ہو گیا سارا

دوسرے دن غبارہ بنایا — اور پھر رات میں اس کو اُڑایا
اُڑ گیا اونچا خوب غبارا — لڑکوں نے پھر شور مچایا
آنکھ سے اوجھل ہو گیا جب وہ — دم میں ہو گیا اتنا اونچا

رات بہت سی گذر چکی تھی
لڑکوں نے سونے کی ٹھانی

غبارہ

محمد انوار حسین ابتدائی پنجم، جامعہ نگر دہلی

ہم نے اک غبارا بنایا — اُس کو ہوا میں خوب اُڑایا
دیکھ کر اُس کو سارے بچّے — پل کے پل میں سب آدھمکے
سب نے مل کر شور مچایا — خوب غبارا ہم نے اُڑایا
اوپر جا کر وہ چکرایا — پھر وہ نیچے آیا
کیسا اچھا کتنا پیارا — ضیاء صاحب نے اُس کو بنایا

او ہو او ہو آہا آہا
لڑکوں نے پھر شور مچایا

نمائش

عبدالعلیم درجہ ششم

دیکھئے کپڑے ہمارے دیکھئے — اک نرالی آزمائش دیکھئے
دیکھئے محنت ہماری دیکھئے — اور یہ تتلی بھی آکر دیکھئے
آپ بھی کچھ اس سے حاصل کیجئے — دوسروں کو جا کے پھر بتلائیے

دوست کا خط

خلیل الرحمٰن سینٹرل پبلک اسکول؟ [illegible]

اے میرے پیارے خوش رہو — میرے دُلارے خوش رہو
مجھ کو تمھارا خط ملا — پیاسے کو پانی مل گیا
یہ کتنا اچھا نامہ ہے — ہاں تم نے ہی تو لکھا ہے
کتنا ہے پیارا وہ قلم — تم نے کیا جس سے رقم
ہاں وہ تمھاری انگلیاں — ہیں صاف حرفوں میں عیاں
یاد آگئیں وہ صورتیں — وہ بھولی بھالی صورتیں
کاغذ بھی یہ کیا خوب ہے — مجھ کو بہت مرغوب ہے
کتنے سُنہرے حرف ہیں — ہاں کتنے اچھے حرف ہیں
پڑھتا ہوں اس کو بار بار — پھر بھی نہیں ملتا قرار
جی میں ہے یہ پڑھتا رہوں — اس کو ہی بس دیکھا کروں
ہے دل سے یہ پیارا مجھے — آنکھوں کا ہے تارا مجھے
محفوظ رکھوں گا اسے — ہرگز نہ پھاڑوں گا اسے
جب دل مرا گھبرائے گا — اس سے تسلی پائے گا
اچھا تو رخصت ہوتا ہوں — تم کو دعائیں دیتا ہوں

تم خوش رہو، اچھے رہو
اور خط مجھے لکھتے رہو

آنکھ مچولی

عزیزہ سعادت لودی مظفرنگر

"تو تم لوگ ڈرائنگ روم صاف کر دینا" ماموں جان نے چائے کی پیالی میں شکر ڈالتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ہم لوگ صاف کر دیں گے"

ذرا خیال رکھنا۔ آج شام کے ۶ بجے کمشنر صاحب کی بیوی ملنے آئیں گی۔ اُن کے خیال میں ہندوستانی بڑے بدسلیقہ ہوتے ہیں۔ تم لوگ اُن کے سامنے کوئی بدتمیزی نہ کر بیٹھنا۔ ہاں نکہت بی تم ذرا اپنے بھائی کا کوٹ تو لا دو۔ جاؤ بیٹی جلدی کرو۔ بس اب میں چائے پی کر چلتا ہوں"......

ہم سب بھولی صورت بنائے چائے پینے کے ساتھ ساتھ اُن کی باتوں کو بڑے غور سے سُن رہے تھے۔ ہمیں معلوم تھا کہ کوئی بات ماموں جان کی خلاف مرضی ہوئی اور وہ خفا ہو گئے۔

کھانے کے کمرے میں کافی سردی تھی کھلی ہوئی کھڑکی سے ہوا کے جھونکے آ رہے تھے میں نے اُٹھ کر آہستہ سے کھڑکی بند کی اور نکہت بی ماموں جان کا کوٹ لینے چلی گئیں۔ ماموں جان چند منٹ بعد کار میں سوار ہو کر کلب کی طرف روانہ ہوئے اور ہم سب ڈرائنگ روم میں پہنچے۔

نکہت بولی "کمرے کو اس خوب صورتی سے صاف کرنا چاہیئے کہ کمشنر صاحب کی بیوی بھی واہ واہ کہہ اُٹھیں"

"ہاں کرنا تو ایسا ہی چاہیئے۔ شاہد بھائی آپ ڈرائنگ روم سجانے کا کوئی نیا طریقہ بتلائیے" میں نے دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا "دیکھو سُنو صاف بات یہ ہے کہ مجھ سے اس وقت طریقے نہ بتائے جائیں گے۔ آؤ تاش کی چند بازیاں کھیل کر دماغ ٹھیک کر لیں۔ پھر چلتے وقت طریقے پوچھ لینا اور اس وقت میں، چھو، اور امی بھی تمہاری مدد کریں گے"

"ہاں بھائی شاہد میرا بھی یہی خیال ہے" بھیا نے شاہد بھائی کا کہنا گویا اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوا فوراً تیار ہو گئے مگر اس شرط پر کہ تاش کی جگہ کوئی اور کھیل کھیلا جائے۔

"شطرنج کیسا رہے گا" شاہد بھائی نے بالوں میں انگلیاں کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب شطرنج نہیں"

"پھر نہ تو آپ کو تاش پسند ہے نہ شطرنج

ابا جان کون سا کھیل آپ کے لئے ڈھونڈا جائے؟" چند بھائی نے کوچ پر لیٹے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں آنکھ مچولی سب سے اچھی رہے گی۔ کہیے آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟" آپا بولیں۔

"بہت ہی اچھا"، میں اور نکہت ایک ساتھ چیخ اٹھے۔

غرض میں نے آپا بی کی رائے کی تائید کی مگر اب سوال یہ تھا کہ چور کون بنے۔ آخر بھیا کو چور کا عہدہ ملا اور ہم سب لوگوں کا یہ پر لطف کھیل شروع ہوا۔ اب کہاں کا ڈرائنگ روم اور کہاں کی میم صاحب، سوائے آنکھ مچولی کے دنیا کی باقی چیزیں ہم لوگوں کے لئے ختم ہو گئیں۔ وہ شور مچا کہ خدا کی پناہ۔ چچی بی باورچی کو پڈنگ کا سامان دے رہی تھیں وہاں سے دوڑی ہوئی آئیں کہ کیا ہوا مگر شاہد بھائی نے اُن کو برآمدے ہی سے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ڈرائنگ روم صاف کرنے میں ایک چھپکلی نکلی تھی اُسے دیکھ کر نکہت بیگم چیخ اٹھیں۔ چچی بی پرانی وضع کی سیدھی بی بی سمجھیں کہ شاہد بھائی سچ کہتے ہیں۔ اُلٹے پاؤں لوٹ گئیں۔ ادھر آنکھ مچولی کا نیا دور شروع ہوا۔ اب کی آپا بی چور تھیں۔ میں تو نانا ابا کے کتب خانے میں جا چھپی۔ نکہت بی ڈرائنگ روم کے کوچ کے پیچھے۔ چنو بھیا کھانے کے کمرے میں میز کے نیچے۔ بھیا ڈرائنگ روم کے دروازے کے پیچھے اور شاہد بھائی چچی بی کے پلنگ کے پیچھے۔ جب سب چھپ گئے تو چنو بھیا نے کو ہوا کی آپا بی ہم لوگوں کو ڈھونڈنے نکلیں۔ کھانے کے کمرے میں میز کے پیچھے جو جھانکا تو چنو بھیا گیلری کی طرف بھاگے اور آپا بی چیختی ہوئی پیچھے۔ ادھر سے ماموں جان میم صاحب کو لئے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ چنو بھائی اندھا دھند بھاگے جا رہے تھے۔ ماموں جان اور میم صاحبہ کے اس قدر جلد تشریف لانے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس لئے دوڑے چلے جا رہے تھے حتیٰ کہ میم صاحبہ سے اس زور سے ٹکر ہوئی کہ وہ بے چاری اُف کر کے رہ گئیں۔ چنو بھائی گھبرا کر بولے "معاف کیجئے گا۔ خاتون" یہ کہہ کر بغیر ماموں جان کی طرف ایک نظر ڈالے وہاں سے نو دو گیارہ ہوئے آپا بی سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھیں۔ اُن کو خوب معلوم تھا کہ اُن کی چیخ میم صاحبہ کے ساتھ ساتھ ماموں جان کے کان میں بھی پہنچ چکی ہے۔ انھوں نے ڈرتے ڈرتے میم صاحبہ سے ہاتھ ملایا اور وہاں سے کھسک گئیں میم صاحبہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہونے کے لئے پردہ اٹھایا تو پیچھے چھپے ہوئے بھیا سمجھے کہ آپا بی ہیں۔ گردن باہر نکال کر ڈرانے کی غرض سے اس زور سے کو کیا کہ میم صاحبہ گرتے گرتے بچیں ماموں جان پر نظر پڑتے ہی بھیا اصل قصہ سمجھ گئے اور لمبے لمبے قدم بڑھاتے ہوئے دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے، ماموں جان اور مومانی جان کے منہ غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔ ماموں جان

لے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے آگے بڑھ کر پردہ اٹھاتے ہوئے کہا معاف کیجئے گا۔ میڈم ہمارے یہاں کا لڑکا بڑا بدتمیز ہے" میم صاحبہ کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی۔ اور وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں ماموں اور ممانی جان پیچھے پیچھے داخل ہوئے، ماموں جان نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ڈرائنگ روم کو دیکھا۔ وہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ گئے تھے بلکہ اس سے بھی خراب حالت میں تھا۔ خون کے گھونٹ پی کر انھوں نے میم صاحبہ کو تشریف رکھنے کو کہا میم صاحبہ نے بڑی نزاکت سے اپنا منی بیگ کوچ پر رکھا اور پھر خود بیٹھ گئیں۔ اب لطف دیکھئے کہ بے چاری نکہت کوچ کے نیچے چھپی ہوئی تھی وہ نازک لڑکی بھلا میم صاحبہ جیسی پہلوان کا بوجھ کہاں سہار سکتی تھی۔ کچھ دیر تو ماموں جان کے ڈر سے برداشت کیا مگر صبر کی ایک حد ہوگئی تو تکلیف دہ لہجے میں بولی" ہائے اللہ میں تو مری"۔ میم صاحبہ کوچ کے نیچے سے عجیب وغریب آواز سن کر چونکیں اور گھبرا کر کھڑی ہوگئیں ماموں جان نے بھی نکہت کی آواز سنی تھی مگر اب تک وہ سمجھ رہے تھے کہ وہم ہے میم صاحبہ کے اٹھنے پر کوچ اٹھا کر جو دیکھا تو بی نکہت نیم دراز ہیں۔ ماموں جان دانت کچکچا کر رہ گئے۔ نکہت کا ڈر کے مارے برا حال تھا، ڈرتے ڈرتے اٹھی اور ایسا بھاگی کہ پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ ماموں جان نے جوں توں کرکے میم صاحبہ کو بٹھایا۔ ابھی زیادہ باتیں بھی نہ کرنے پائے تھے کہ ایک اور گل کھلا، چچی بی اپنے پلنگ پر بچھونا کر رہی تھیں۔ شاہد بھائی کو شرارت سوجھی تو نیچے سے کھانسنے لگے چچی بی بزرگ آدمی ٹھہر کی کمزور آواز سن کر سمجھیں کہ چور ہے گھبرا کر تکیہ چھوڑ دیا اور چلا کر بولیں" ارے دوڑیو لوگوں میرے پلنگ کے نیچے چور ہے۔ دن دہاڑے، چوری اندھیرے اندھیر۔ شاہد میاں جینو نکہت سعادت ارے کہاں ہو خدا کے لئے جلدی آؤ کم بخت کو میرے ہی پلنگ کے نیچے جگہ ملی تھی۔۔۔۔۔۔

چچی بی نے چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔ اور شاہد بھائی جن کو ماموں جان کے آنے کا پتہ نہ تھا پلنگ کے نیچے پڑے مسکرا رہے تھے۔ ماموں جان اس شور وغل کو سن کر دوڑے ہوئے آئے۔ اور چچی بی کے کہنے پر پلنگ کے نیچے جھانکا تو بجائے چور کے شاہد بھائی لیٹے ہوئے تھے، شاہد بھائی ماموں جان اور ماموں جان شاہد بھائی کو دیکھ کر گھبرا گئے" ذرا جانے دو مسز ہڈسن کو پھر تم بدمعاشوں کی خبر لیتا ہوں" کہتے ہوئے ماموں جان غصے میں بھرے ہوئے وہاں سے چلے گئے وہ ڈرائنگ روم میں پہنچے تو میم صاحبہ ممانی جان سے جانے کی اجازت مانگ رہی تھیں جوں توں کرکے ماموں جان نے ان کو رخصت کیا۔ ان کے جانے کے بعد جو کچھ ہم لوگوں پر گذری ہے اس کو اگر آپ لوگوں سے پوشیدہ ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ اس کے بتانے میں ہماری ذرا۔۔۔۔۔۔ ہاں۔ بس سمجھ جائیے۔

دیوالی

شام ہوگئی تھی، چراغ جل چکے تھے۔ میں کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں مشتاق صاحب لطیف صاحب اور بدر صاحب آگئے ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر میں نریندر بھی آگئے، میں نے کہا "آیا بھائی نریندر صاحب آئیے آئیے آپ تو عید کا چاند ہوگئے اب تو بس ہولی دیوالی کو آپ سے ملاقات ہوجایا کرے گی۔ نریندر مرجھائی ہوئی صورت بناکر بولے "بھائی کیا بتاؤں جب سے نوکری کے چکر میں پھنسا ہوں کہیں آنے جانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ بس ایک چکر ہے صبح کو ۹ بجے دفتر جانا، شام کو پانچ بلکہ اکثر چھ بجے واپس آنا، اتنا تھک جاتا ہوں کہ گھر سے نکلنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی" مشتاق صاحب نے کہا۔ "اجی ان باتوں کو چھوڑیے۔ یہ بتایئے آج دیوالی ہے۔ چاندنی چوک چلیں گے؟" لطیف صاحب بولے "بھائی آج ایک مشاعرے میں جانا تھا مگر خیر چلیے دلی میں آئے اتنے دن ہوگئے کبھی دیوالی دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا" نریندر نے کہا "اجی اب کیسی دیوالی اور کہاں کی ہولی اس کم بخت لڑائی نے سب مزے پھیکے کر دیئے۔ ورنہ آج کے دن دہلی کی سجاوٹ اور روشنی دیکھنے کے قابل تھی۔ خصوصاً دریبے میں تو کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ کھلونوں کی دکانیں، حلوائیوں کی دکانیں ایسی سجی ہوئی کہ بس دیکھے جاؤ، روشنی کا یہ حال کہ دن کا دھوکا ہوتا تھا" مشتاق صاحب نے تائید کی "ہاں بھائی مجھے بھی کئی بار چاندنی چوک جانے کا اتفاق ہوا ہے کچھ عجیب بہار کی رات ہوتی ہے اس کے علاوہ دیوالی کی چہل پہل ہفتوں پہلے شروع ہوجاتی تھی جگہ جگہ بازار کی پٹڑیوں پر کھیلوں بتاشوں، شکر اور مٹی کے کھلونوں کی دکانیں لگ جاتی تھیں کھاری باؤلی میں تو راستہ چلنا دشوار ہوتا تھا"

بدر صاحب بولے "جناب دیوالی لکھنؤ میں بھی شاندار طریقے پر منائی جاتی ہے۔ وہاں کے چوک میں گول دروازے اور اکبری دروازے کی کھلونوں کی دکانیں بس دیکھنے کی چیز ہوتی ہیں۔ بعض حلوائی لکھنؤ کی خاص خاص عمارتوں کے نمونے شکر کے بناتے ہیں۔ مٹی کے کھلونے تو بس لکھنؤ کے ہوتے ہیں۔ ہر دکان پر اتنی بھیڑ ہوتی ہے اتنی

بھیڑ ہوتی ہے کہ گاہک کو ایک چیز خریدنے میں گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ مشتاق صاحب نے کہا " اجی دیوالی تو اصل میں دیہات کی ہوتی ہے۔ گاؤں میں شہروں کی طرح روشنی کا انتظام تو ہوتا نہیں ہمیشہ اندھیرا ہی رہتا ہے۔ دیوالی کی رات کو دیوں کی روشنی کچھ عجیب بہار دیتی ہے۔ بجلی کے قمقمے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پھر اس زمانے میں گاؤں کی چہل پہل، دیہاتیوں کی سچی خوشی جوش و خروش اُمنگ اور دلولہ ...." لطیف صاحب بات کاٹ کر بولے " بھائی نریندر آخر اس تیوہار کی اصلیت کیا ہے؟" نریندر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ مشتاق صاحب جھٹ سے بول پڑے۔ " اجی نریندر بے چارے کو کیا خبر، میں بتاتا ہوں۔ سُنئے اس روز رام چندر جی لنکا فتح کرکے اجودھیا واپس آئے تھے اس خوشی میں چراغاں کیا گیا تھا۔ بس یہ رسم جبھی سے چلی آتی ہے اور ہزاروں برس سے اسی طرح جاری ہے۔ ایک بات اور بتاؤں ہندوں میں چار قومیں ہیں۔ برہمن، چھتری، ویش، شودر۔ ہر ایک کے تہوار بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ جیسے سلونو، برہمنوں کا تیوہار ہے۔ دسہرا چھتریوں کا تہوار ہے کیوں نریندر تم بھی تو چھتری ہو "

نریندر اکڑ کر بولے " ہاں ہیں تو پھر " مشتاق صاحب نے کہا تو پھر کیا کچھ ہمت ہے تو فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ تمھارا کام دفتر میں گھِس گھِس کرنا تھوڑے ہی ہے ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا، وہی تیوہاروں والی بات نا! تو بھئی یہ دیوالی ویشوں یعنی بنئے بقالوں اور تجارت پیشہ لوگوں کا تیوہار ہے۔ اسی لئے آج کے دن اُن کے ہاں لکشمی (دولت کی) دیوی کی پوجا ہوتی ہے۔ یہی کھاتے بھی آج بدلے جاتے ہیں۔ کپڑے اور برتن بھی انھی دنوں میں خریدے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے اکتوبر میں برسات کا موسم ختم ہو جاتا ہے۔ نومبر میں ہلکی ہلکی سردی پڑنے لگتی ہے۔ بارش کی وجہ سے اکثر مکانوں میں قلعی خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے لوگ مکانوں کی صفائی کراتے ہیں اور سفیدی پھرواتے ہیں۔ کھاتے پیتے گھروں میں تو اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور ہاں بھئی ایک دوسرے کے ہاں مٹھائیاں اور دوسرے تحفے بھی بھیجے جاتے ہیں"۔ اس پر لطیف صاحب بولے " چنانچہ بھائی نریندر نے آج سو کھا ہی ٹالا " نریندر نے کہا " نہیں میرے ساتھ چلو۔ پکوان بھی کھاؤ اور مٹھائی بھی اُڑاؤ " مشتاق صاحب بولے " ابھی بات تو پوری ہو لینے دو۔ ہاں تو دیوالی کا ایک پہلو اور بھی ہے، دیکھو یہ کاتک کے مہینے میں ہوتی ہے۔ جب سردیوں کی فصل کٹ چکی ہوتی ہے اور کسان کو اپنی محنت کا پھل مل جاتا ہے یعنی تھوڑا بہت اناج اور روپیہ پیسہ اس کے گھر میں آ جاتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ زمانہ ایک طرح سے اس کی چھٹی کا ہوتا ہے اس لئے کسان خوب جی بھر کے خوشی مناتا ہے " لطیف صاحب کچھ مسکرا کر بولے " جناب آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں

کو ہولی کس کا تیوہار ہے۔" نریندر نے کہا "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہولی شودروں یعنی نیچ قوموں کا تیوہار ہے اور مشتاق صاحب ایک بات تو آپ کو معلوم ہی نہیں ہے دیوالی کا تیوہار کئی دن تک منایا جاتا ہے۔ پہلے دن برتن ورتن خریدے جاتے ہیں۔ دوسرے دن کھلونوں اور مٹھائیوں کی خریداری ہوتی ہے۔ تیسرے دن ایک دوسرے کے ہاں سوغاتیں اور تحفے بھیجے جاتے ہیں اور لکشمی کی پوجا ہوتی ہے۔ چوتھا دن گائیں یعنی مویشیوں کی ترقی کا دن کہلاتا ہے۔ پانچواں دن بھیا دوج ہوتی ہے اور بہنیں اپنے بھائیوں کے ماتھوں پر تلک لگاتی ہیں۔ اور بھائی اس کے بدلے میں انھیں کچھ نذر دیتے ہیں۔" مشتاق صاحب جھنجھلا کر بولے۔ "بھائی آپ لوگ بیچ بیچ میں بول دیتے ہیں اور بات ختم نہیں ہونے دیتے۔" بدر صاحب نے کہا "خیر بات ختم ہوگئی چلئے اب نریندر کے ہاں چلیں، وہاں سے پھر چاندنی چوک جائیں گے"

محمد رسول اللہؐ اس کتاب کا ذکر اس سے پہلے بھی پیامِ تعلیم میں آچکا ہے۔ مقبول حسین صاحب سیوہاروی نے اسے دوبارہ چھپوایا ہے۔ اس مرتبہ انھوں نے اس کا انداز اور بھی اچھا کر دیا ہے۔ آخر میں رسول اللہؐ کی کچھ باتوں کے عنوان سے بچوں کے لئے بہت کام کی باتیں لکھی ہیں۔ عرب کے نقشے کے علاوہ اس مرتبہ مؤلف نے بہت سی تصویریں بھی بڑھا دی ہیں۔ غرض ہر اعتبار سے انھوں نے اسے بچوں کے لئے دلچسپ بنا دیا ہے۔ کتاب کی لکھائی چھپائی کاغذ سب اچھا۔ اور گردپوش بھی بہت خوب صورت باوجود اس کے قیمت ایک روپیہ اس مہنگائی کے زمانے میں کم ہے۔ کتاب اسلامی کتاب گھر سیوہارا ضلع بجنور یا مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے مل سکتی ہے۔

نمونۂ مفت

نیوگنی

عبدالرشید مہاجر، حیدرآباد

یہ جزیرہ بحرالکاہل کے مجمع الجزائر میں سے ہے اور آسٹریلیا اور گرین لینڈ کے بعد دنیا میں سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ سب سے پہلے اسے ہسپانیوں اور پرتگالیوں نے دریافت کیا۔ ہسپانیہ والوں نے اس کا نام ''الاڈل اورو'' رکھا یعنی وہ ملک جہاں سونا پایا جاتا ہے پرتگالی اسے پپوا (PAPUA) کہتے تھے۔ یہاں کے اصلی باشندوں کے بال گھنگھرالے ہیں اور پپوا گھونگر والے بالوں کو کہتے ہیں اس کا تیسرا نام نیوگنی ہے۔ یہ انگریز ملاحوں نے رکھا ہے انھیں نیوگنی کا ساحل افریقہ کے گنی والے ساحل سے بہت کچھ مشابہ نظر آیا اس کا رقبہ ۳۴۳۰۰۰ مربع میل اور آبادی ۴۰۰۰۰۰ ہے۔ جزیرے میں جرمنی برطانیہ اور ہالینڈ کی نوآبادیاں ہیں پچھلی بڑی لڑائی کے بعد جرمنی کا علاقہ آسٹریلیا کو دے دیا گیا۔ اس کا ساحل بہت لمبا چلا گیا ہے۔ پہاڑی علاقہ بھی کافی ہے۔ گھنے جنگل کثرت سے ہیں اسی لئے جزیرے میں بہت سی جگہیں ایسی ہیں جہاں اب تک انسانی قدم نہیں پہنچے ہیں۔

برطانیہ کا علاقہ ٩٠٥٤٠ میل مربع ہے۔ یہ نیوگنی کے جنوب مشرق میں ہے اس کی اہم بندرگاہ موریسبی ہے۔ آبادی ٢٧٤٢٢٩ ہے۔ اِس علاقے میں ربر، ناریل اور لکڑی کی پیداوار زیادہ ہے۔ سونا بھی نکلتا ہے۔ آسٹریلیا کا علاقہ ٩٣٠٠٠ ہزار مربع میل ہے۔ یہاں، چاول، گنا، کافی اور چائے زیادہ پیدا ہوتی ہے اور بہت سے قیمتی درختوں کے جنگل ہیں۔ مثلاً ناریل، ساگو، صندل اور شیشم وغیرہ۔ سگرٹ کے بھی کارخانے ہیں۔ اس کا دار الخلافہ ربال ہے۔ یہ نیو برٹن میں ہے۔ اس کی آبادی ٤٧٠٠٠ ہے۔ ہالینڈ یا ڈچ نیوگنی پورے جزیرے کا قریب قریب آدھا ہے۔ اس علاقے میں پہاڑی سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ ان پہاڑوں کی اونچائی سولہ ہزار فٹ تک ہے ڈچ نیوگنی میں صنعت وحرفت اتنی ترقی پر نہیں ہے جتنی برطانیہ اور آسٹریلیا کے علاقے میں۔

نیوگنی کے اصلی باشندے کالے رنگ کے ہوتے ہیں یہ ابھی تک لوہے کی چیزوں کا استعمال نہیں جانتے زیادہ تر لکڑی اور پتھر کی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ تر پہاڑوں میں رہتے ہیں ان کی عام غذا چاول، گیہوں اور جنگلی میوے ہیں۔

اُن کا مذہب بھی نرالا ہے۔ لکڑی کا بنا ہوا ایک بہت بڑا بت ہوتا ہے اسی کو یہ پوجتے ہیں اور جنگلی میووں کی اس کے سامنے نذر چڑھاتے ہیں۔ اس کی رسمیں بھی بہت دلچسپ ہیں۔ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا ہے تو اس کے جسم کے چاروں طرف ایک ڈوری باندھ دی جاتی ہے۔ کوئی لڑکا جوان ہو جاتا ہے تو اسے ایک خاص قسم کی ٹوپی پہنائی جاتی ہے (اسے اٹھاتا ہوا) تمام مقامات پر گھمایا پھرایا جاتا ہے اور اس کے ہاتھوں سے دیوتا کو نذر پیش کرائی جاتی ہے۔

اس جزیرے پر جاپان کا شروع سے دانت ہے۔ انگریزوں کی بندرگاہ موریسبی پر اس کے حملے برابر جاری ہیں۔ نیوگنی میں اپنی فوجیں بھی اتار چکا ہے۔ سونا اور پھر ربر جو آج کل لڑائی کے زمانے میں بہت قیمتی چیز ہے ان کے علاوہ اور بہت سی قیمتی پیداواریں جاپان کو اس جزیرے پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر رہی ہیں مگر ابھی تک جاپان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ امریکہ آسٹریلیا اور برطانیہ کی فوجیں بہت ہمت اور دلیری سے اس کا مقابلہ کر رہی ہیں اور اس کے قدم نہیں جمنے دیتیں

کھانے کی تلاش

اختری آرٹسٹ

ایک تھے میاں دستانے۔ ایک تھیں سوئی بیگم اور ایک تھیں بی گلہری۔ ان تینوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ تینوں ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ گھر میں ایک اناج کی کوٹھری بھی تھی۔ اس میں کھانے پینے کا سامان رہتا تھا۔
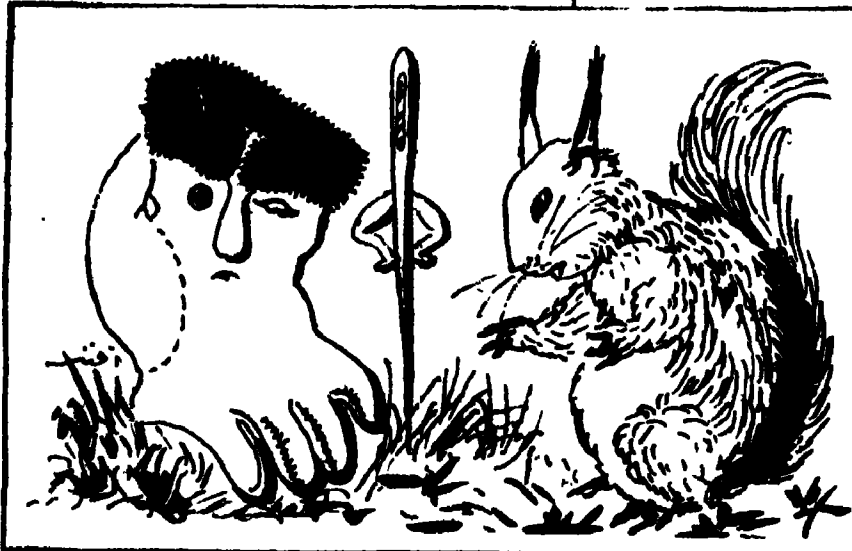
ایک دفعہ کیا ہوا کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ اب تو تینوں کو بھوک نے ستایا بہت سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ تینوں جنگل کی راہ لیں اور وہاں کھانے پینے کا سامان تلاش کریں۔

جنگل میں ایک بڑے برگد کے پیڑ کے پاس پہنچ کر بی گلہری اور میاں دستانے تو ایک طرف چل کھڑے ہوئے اور سوئی بیگم دوسری طرف روانہ ہو گئیں۔

میاں دستانے اور بی گلہری چلتے چلتے تھک گئے پر اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ سوئی بیگم آہستہ آہستہ کرتی اپنی تیز آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتی چلی جا رہی تھیں۔ یکایک اُن کی نظر دلدل کے ایک گڑھے پر پڑی بس اُچھل پڑیں، بڑے زور سے اپنے ساتھیوں کو پکارا

"ارے جلدی آؤ دیکھو میں نے تمھارے لئے کھانا تلاش کر لیا۔" دونوں ساتھیوں نے اُن کی آواز سن لی اور دوڑتے ہوئے اُن کے پاس پہنچے۔ دلدل کے گڑھے کو دیکھا اور کہا "کہاں ہے کھانا؟" سوئی بیگم نے

بہت اترا کے فخریہ انداز سے دلدل کے ایک سوراخ
کی طرف اشارہ کیا ان دونوں کو بہت نا اُمید ی
ہوئی اور کم زور آوازمیں بولے "کیا یہی کھانا ہے؟
سوئی بیگم نے کہا" ہاں اور کیا کیا یہ اچھا نہیں ہے؟

بی گلہری اور میاں
دستانے سوئی بیگم پر بہت
خفا ہوئے۔ تھک بہت
گئے تھے، گھر جا کر پڑ رہے
صبح کو پھر وہی مہم شروع
ہوئی۔ بی گلہری میاں
دستانے ایک طرف اور
سوئی بیگم دوسری طرف
چل کھڑی ہوئیں۔ آج کا
دن بھی یوں ہی کٹا، البتہ
سوئی بیگم کو چلتے چلتے ایک
ٹھنٹ نظر آیا، فوراً
ٹھٹک گئیں۔ اس ٹھنٹ
پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا
انھیں یقین ہو گیا کہ اس
کے اندر کھانا ضرور ہے

اپنے ساتھیوں کو زور زور سے آوازیں دیں ساتھیوں
کا بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ سوئی بیگم کی آواز
سُن کر بہت خوش ہوئے گرتے پڑتے وہاں پہنچے

اور بہت ہی اشتیاق سے پوچھا کہاں ہے کھانا"
سوئی بیگم نے ایک خاص مُسکراہٹ کے ساتھ ٹھنٹ کی
طرف اشارہ کر دیا۔ دونوں نے بہت غور سے ٹھنٹ
کے چاروں طرف دیکھا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اب تو

اُنھوں نے سوئی بیگم کو خوب جی بھر کے کوسا اور گھر کی
طرف چل دئے آج کی رات بھوک کے مارے دونوں کو
نیند نہ آئی، دونوں کروٹیں بدلتے رہے، دوسری

طرف سوئی بیگم ہنستی رہیں۔

ابھی اچھی طرح اُجالا بھی نہ ہوا تھا کہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور جنگل کا راستہ لیا۔ جب برگد کے درخت کے پاس پہنچے تو بی گلہری بولیں " دیکھو میاں دستانے کھانے کا معاملہ دن پر دن اہم ہوتا جاتا ہے اگر یہی حال رہا تو سمجھ لو کہ ہم چند ہی دن کے مہمان ہیں۔ آج جیسے بھی بنے کھانا تلاش کر کے دم لو اور دیکھو سوئی بیگم آج ہمارا وقت دلدل کے گڑھوں اور درختوں کے ٹھنٹھوں پر ضایع نہ کرنا ورنہ خوب سزا ملے گی " یہ کہہ کر دونوں ایک طرف کو چل دیے اور سوئی بیگم نے دوسرا راستہ اختیار کر لیا۔

بی گلہری اور میاں دستانے کو آج بھی کامیابی نہ ہوئی۔ دوسری طرف سوئی بیگم بہت غور سے ادھر اُدھر دیکھتی بھالتی چلی جا رہی تھیں۔ چلتے چلتے اُن کی نظر درخت کے ایک کھوکھلے تنے پر پڑی۔

اس کھوکھلے تنے میں بہت سے ناریلوں کا ڈھیر تھا۔ شاید کسی گلہری نے لا لا کر جمع کیے ہوں گے۔ اب تو یہ خوشی سے ناچنے لگیں۔ بڑی زور سے بی گلہری اور میاں دستانے کو آوازوں پر آوازیں دینا شروع کیں پہلے تو دونوں یہ سمجھے کہ آج پھر اُسے شرارت سوجھی ہے مگر جب برابر آوازیں آتی رہیں تو اُنھوں نے سوچا شاید کوئی چیز سوئی بیگم کے ہاتھ لگی ہو۔ یہ بھی طے کر لیا تھا کہ اگر آج بھی سوئی بیگم نے پہلے کی طرح پریشان کیا تو اس کی خوب مرمت کی جائے گی۔ خیر یہ دوڑتے دوڑتے اُس کے پاس پہنچے۔ سوئی بیگم نے ناریل کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا اُنھوں نے اسے خوب گھورا اور جب کچھ یقین آگیا تو اتنے خوش ہوئے اتنے خوش ہوئے کہ ناچنے لگے۔ سوئی بیگم پہلے تو اُن کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر ہنستی رہی پھر بولی " دیکھو کھانا میں نے

تلاش کیا ہے، اس لئے میں اب آرام کروں گی۔

چشمے سے پانی لایا۔ جب تک کھانا پکتا رہا چیتہ

اور تم اُسے پکاؤ گے۔ اس پر دونوں راضی ہو گئے
بی گلہری نے ایک درخت کے ٹھنٹ کو اپنے دانتوں
سے کتر کتر کر ایندھن بنایا اور دستانہ

اس کی سوندھی سوندھی خوشبو کے مزے لیتے
آخر میں بی گلہری اور میاں دستانے نے سوئی بیگم
ان کی کوششوں پر مبارک باد دی ؂

میسور

اقبال احمد صدیقی حیدر آباد

میسور ہندوستان کی بڑی ریاستوں میں سے ہے یہاں کی زمین زرخیز اور آب وہوا معتدل اور خوش گوار ہے۔ ریاست میں صندل کی لکڑی کے بڑے بڑے جنگل ہیں۔ چاء اور کافی کی کاشت اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے۔ روئی بھی بہت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں کپڑا بننے کے کئی کارخانے ہیں۔

میسور میں کوئی خاص دن ہوتا ہے تو بجلی کی روشنی سے تمام شہر روشن ہوجاتا ہے اور چنڈی کی پہاڑی جگمگ جگمگ کرنے لگتی ہے۔ یہاں صندل کی لکڑی کے علاوہ کئی کارآمد درخت ہیں۔ ساگوان کی لکڑی کثرت سے ملتی ہے۔ یہ میز کرسی بنانے کے کام آتی ہے۔ جنگلوں میں شیر اور ہاتھی پائے جاتے ہیں، لوگ ہاتھیوں کو پکڑ کر سدھاتے ہیں اور اُن سے بوجھ اُٹھانے کا کام لیتے ہیں۔

ایک بادشاہ کی کہانی

محمد صالح درجہ چہارم ۔ عمر سوا سات سال،

ایک بادشاہ تھا۔ ایک دن وہ شکار کو گیا۔ وہاں اُس نے ایک ہرنی کا بچہ مارا۔ اور گھر آکر کھانا کھاکر سو گیا، رات کو اس نے ایک خواب دیکھا۔ ایک فرشتہ اُس سے کہہ رہا ہے۔ تم نے ہرن کا ایک بچہ مارا یہ بہت برا کیا۔ بادشاہ نے ڈر کر آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا نہ وہاں فرشتہ تھا۔ نہ اس کا محل۔ بلکہ وہ ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی میں پڑا ہوا ہے اسی جنگل میں جہاں اس نے ہرن کا بچہ مارا تھا اب تو وہ بہت پریشان ہوا اُس نے اپنے دل میں کہا، یا اللہ میں کہاں آگیا اور میرا محل کیا ہوا۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ کہیں سے آواز آئی تو نے میرے بچے کو کیوں مارا۔" بادشاہ بہت حیران ہوا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مگر اُسے کوئی نظر نہ آیا۔ اُس نے پھر کہا" یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے

اتنے میں پھر وہی آواز آئی "تو نے میرے بچے کو کیوں مارا" اب بادشاہ نے پھر دیکھا تو اُسے ایک شہزادی نظر آئی۔ بادشاہ نے پوچھا تم کون ہو۔ وہ بولی "میں پریوں کی شہزادی ہوں تم نے میرا بچہ مارا ہے"۔ بادشاہ نے کہا "میں نے تمہارے بچے کو نہیں مارا۔ میں نے تو ہرنی کا بچہ مارا تھا" شہزادی بولی "وہ میرا بچہ تھا۔ میں نے اُسے تھوڑی دیر کے لئے ہرن کا بچہ بنا دیا تھا۔ وہ کھیلتا کھیلتا یہاں پہنچ گیا اور تیرے تیر کا نشانہ بنا"۔ بادشاہ کو یہ سُن کر بہت افسوس ہوا۔ اُس نے کہا "شہزادی مجھے خبر نہ تھی۔ مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔ تم اپنی مہربانی سے مجھے معاف کر دو۔ اب میں کبھی ایسا نہیں کروں گا" شہزادی ہاتھ مل کر رہ گئی اور بادشاہ وہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر چلا آیا۔ ختم۔

سائنس کے کرشمے

محمد طارق صدیقی - غازی پور۔ (عمر ۱۰ سال)

۱۔ نیلا تھوتھا صرف ایک آنے کا خرید لاؤ اور کسی شیشے کے گلاس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر اُسے حل کر لو پھر اُس میں لوہے کی نب۔ کیل یا چاقو کا پھل ڈال دو۔ (یہ چیزیں صاف ستھی ہوئی ہونی چاہئیں اُن پر زنگ نہ لگا ہو) پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹے بعد اس کو نکال لو تم دیکھو گے کہ اس پر تانبے کی ایک تہ چڑھ گئی ہے اور تم اپنے دوستوں کو دکھا کر کہہ سکتے ہو کہ میں نے لوہے کو تانبا بنا دیا۔

۲۔ ایک غبارہ بازار سے خرید لاؤ۔ اس میں تھوڑی سی ہوا بھر دو۔ پھر اُسے دہکتی ہوئی آگ کے اتنے اوپر رکھو کہ وہ جلنے نہ پائے تم دیکھو گے کہ غبارے میں ہوا برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ غبارہ بالکل پھول جائے گا۔

۳۔ ایک موٹی شیشے کی کھوکھلی نلی لے آؤ، اس کو پانی میں دباؤ۔ پھر اُس کے اوپری سرے پر ایک کارک خوب کس کر لگا دو (یہی کام انگوٹھے سے بھی لیا جا سکتا ہے) پھر اس نلی کو پانی میں سے نکال لو تم دوستوں کو دکھا کر محوِ حیرت کر دو گے اس لئے کہ اس میں سے پانی نہیں گرے گا۔ حالانکہ نیچے کوئی کارک وغیرہ نہیں ہو گی

۴۔ ایک المونیم کی کٹوری کو کھرچ کر اس پر پارہ کی قلعی کر دو۔ پھر کسی دوست سے کہو کہ اس پر اپنی ہتھیلی رکھے اس کا ہاتھ جلنے لگے گا اور وہ جلدی سے ہاتھ ہٹا کر تم کو جادوگر کا لقب دے دے گا۔

پیام برادری

عزیز بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست۔ اس مرتبہ ہر جگہ برسات کی شدت رہی اس کی وجہ سے ملیریا بہت پھیلا۔ شکر ہے کہ اب سردیاں آگئی ہیں اور یہ بیماری بھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی ہے۔

پچھلے مہینے لڑائی میں ہر جگہ اتحادیوں یعنی امریکہ، روس اور برطانیہ کا پلّہ بھاری رہا۔ روسیوں نے باوجود انتہائی دباؤ کے اسٹالن گراڈ پر جرمنوں کا قبضہ نہ ہونے دیا اور اب تو وہ دوسرے محاذوں خصوصاً قفقاز کے محاذ سے جرمنوں کو پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ روس نے امریکہ اور برطانیہ کی بہت مدد کی اس طرح کہ روسی فوجوں نے جرمن فوجوں کے ٹڈی دل کو مشغول رکھا اور امریکہ اور برطانیہ کو تیاری کا زیادہ سے زیادہ موقع ملا۔

مصر اور لیبیا کی لڑائی میں اب کی جنرل رومیل کو بری طرح شکست ہوئی۔ انگریزی فوجیں برابر پیچھے ہٹ رہی ہیں۔ مصر اور لیبیا کی لڑائی میں یہ آنکھ مچولی شروع سے ہو رہی ہے جس کے پاس فوجیں اور سامان زیادہ ہوتا ہے وہ دشمن کو پیچھے دھکیل دیتا ہے، ایک نئی بات یہ ہوئی ہے کہ شمالی افریقہ میں برطانیہ اور امریکہ نے اپنی فوجیں اتار دی ہیں۔ ادھر جرمنی نے ہوائی جہازوں سے ٹیونس میں اپنی فوجیں اتار دی ہیں۔ اتحادی یعنی امریکہ اور برطانیہ کی فوجیں ٹیونس کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ کئی جگہ ان کا مقابلہ بھی ہوا ہے۔ اتحادی فوج کو امید ہے کہ وہ جرمن فوج کو گھیرے میں لے کر کچل ڈالے گی لیکن جرمنی اپنی طاقت برابر بڑھا رہا ہے۔ لیبیا کے میدان میں اٹلی کی فوج نے سب سے زیادہ بزدلی دکھائی، عام طور پر یہ خیال ہے کہ اگر جرمنی اٹلی کی مدد نہ کرے تو انگریزی فوجیں اٹلی کی فوجوں کو بہت آسانی سے شکست دے سکتی ہیں۔

تمہیں یاد ہوگا کہ پچھلے سال بحرالکاہل میں لڑائی میں شامل ہوتے ہی جاپان نے وہ آفت مچا دی تھی کہ سب پر ہیبت طاری ہوگئی تھی۔ بات یہ ہے کہ جاپان نے اتحادیوں کو اچانک بے سروسامانی کی حالت میں آلیا تھا۔ اب اتحادی بہت کچھ تیاری کے ساتھ لڑ رہے ہیں تو جاپان اب وہ پہلا سا زور نہیں دکھا رہا ہے بلکہ جگہ جگہ اسے ناکامی ہو رہی ہے۔

سالمن جزیروں پر تقریباً امریکنوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ یوگنی میں بھی اُسے شکست ہو رہی ہے اور دوسرے مقامات
[illegible] مقابلہ بہت شدت سے کیا جا رہا ہے۔ چین میں بھی اس کی رفتار سست ہے۔ اگر کچھ دنوں لڑائی کا یہی حال رہا
[illegible] عجب نہیں جو اتحادیوں کو فتح ہو جائے۔

ہندوستان میں سیاسی حالت ویسی ہی خراب ہے۔ ملک کے سیاسی رہنما ابھی تک جیلوں میں ہیں۔ [illegible]، بہار، بمبئی
[illegible] میں ابھی تک [illegible] پورے طور پر شدھ نہیں ہو سکے ہیں۔ پچھلے دنوں مسٹر راج گوپال آچاریہ نے اس بات کی بہت
کوشش کی کہ ہندوستان کی سب جماعتیں ایک آواز ہو کر حکومت سے کہیں کہ ہمیں اپنی ہندوستانی حکومت بنانے دو
سب قوموں کے لیڈروں سے ملے، مسٹر جناح سے بھی ملے۔ اس کے بعد انھوں نے وائسرائے کے پاس جا کر گاندھی
جی سے ملنے کی اجازت مانگی، مگر وائسرائے نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ وائسرائے کے اس انکار کو کسی سمجھ دار
[illegible] نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور عام طور پر یہ شبہ کیا جانے لگا کہ حکومت اس قسم کی اتحاد و اتفاق کی کوششوں
میں رکاوٹ ڈالنا چاہتی ہے۔ ہندوستان کے وزیر مسٹر ایمری نے بھی وائسرائے کی ہاں میں ہاں ملائی مگر مسٹر راج گوپال
آچاریہ برابر اپنی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ سر سپرو سے بھی مل چکے ہیں اور یہ دونوں مل کر راستے کی رکاوٹیں
دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ سر سپرو کی پہلی تجویز یہ ہے کہ آئندہ سے ہندوستان پر انگلستان سے حکومت نہ کی جائے
[illegible] کا عہدہ توڑ دیا جائے اور انڈیا ہاؤس ختم کر دیا جائے۔

پچھلے مہینے ہندوستان میں کئی حادثے بہت افسوسناک ہوئے۔ بنگال میں ہوا کا سخت طوفان آیا جس سے ہزاروں
[illegible] اور جانور مر گئے۔ کلکتے میں ایک شامیانے میں آگ لگ گئی اور سینکڑوں بچے اور جوان جل کر مر گئے۔ نومبر کے آخری
[illegible] مشہور مسلمان لیڈر اور حکومت کے مشہور ہمدرد سر محمد یعقوب کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم آج کل حیدرآباد میں
اونچے عہدے پر تھے۔ منشی دیانرائن نگم ایڈیٹر زمانہ کا انتقال بھی اسی مہینے میں ہوا۔

پیام تعلیم کے ٹائٹل کے لئے باوجود پوری کوششوں کے کاغذ آخر وقت تک نہ مل سکا مجبوراً دوسرا کاغذ لیا گیا اس پر
[illegible] اچھی نہیں چھپ سکتی ہیں، اسی لئے اس مرتبہ تصویریں نہیں چھپ رہی ہیں کوشش کی جائے گی کہ سالنامے میں اس کی کسر پوری
ہو جائے۔ اس مرتبہ نیا معمہ بھی نہ دیا جا سکا ~~ایک تو پہلا~~ دیر میں چھپنے کی وجہ سے پیامیوں کو وقت نہ ملا دوسرے معمہ بنانے
والے صاحب آج کل بہت مصروف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اب نیا معمہ نئے سال سے شروع ہوگا۔

ایک بات تو ہم بھول ہی گئے، تھوڑے دنوں کے بعد تمہاری عید بھی تو آ رہی ہے بڑی عید، عید الاضحیٰ ہم تمہیں اس خوشی
[illegible] کی ابھی سے مبارکباد دیتے ہیں

(محمد حسین حسان)

موجودہ معمے کا حل پیامی ۱۵ دسمبر تک بھیج سکتے ہیں۔